ظ۔ انصاری

مثنویاتِ غالب

اصل فارسی

مع

اردو ترجمہ

غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی

مثنویاتِ غالب

مثنویاتِ غالبؔ

اصل فارسی + اردو ترجمہ

ظ۔ انصاری

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : مثنویات غالب (متن فارسی مع اُردو ترجمہ)

تعداد اشعار : ۱۸۴۵

تاریخ اشاعت : جولائی ۱۹۸۳ء

تعداد اشاعت : ۱۱۰۰

کتابت : عبدالمنان گیاوی

ناشر :

غالب انسٹی ٹیوٹ

ایوانِ غالب مارگ نئی دہلی ۲

قیمت :

ساٹھ روپے

اس کتاب کی طباعت اور پروسس

پرنٹو اینڈ پروسس ۱۲/۴ ہادی پور نئی دہلی ۳۲ کے زیر اہتمام ہوئی۔

مطبوعہ : لوذیپ پرنٹرس دہلی

انتساب

ہزہولی نس سیّدنا طاہر سیف الدین اعلی اللہ مقامہ
کے نام
جن کی خاص توجہ کے طفیل مجھے مطالعے کی آزادی اور غور و فکر کی سہولت نصیب رہی۔

بر ہمہ شاہان زپئے ایں جمال
قرعہ زدم نامِ تو آمد بفال

نظامی گنجوی نے شہرۂ آفاق مثنوی "مخزن الاسرار" کو بہرام شاہ کے نام
معنون کرتے وقت (۵۷۲ھ)
لکھا تھا۔

ظ۔ انصاری

فہرست

	اس مجموعے میں	۷
نخستیں مثنوی	سرمۂ بینش	۹
مثنوی دوم	درد و داغ	۱۶
مثنوی سوم	چراغِ دیر	۳۰
مثنوی چہارم	رنگ و بو	۵۴
مثنوی پنجم	بادِ مخالف	۷۴
مثنوی ششم	بیانِ نموداریِ شانِ نبوت و ولایت	۹۴
مثنوی ہفتم	تہنیت عید شوال	۱۱۱
مثنوی ہشتم	در تہنیت عید بہ ولی عہد	۱۱۷
مثنوی نہم	دیباچہ (نثر موسوم بہ بست و ہفت افسر)	۱۲۳
مثنوی دہم	تقریظ آئینِ اکبری	۱۲۸
مثنوی یازدہم	ابر گہر بار	۱۳۴

• مناجات ۱۳۹ • حکایت ۱۶۰ • نعت ۱۶۹

• بیانِ معراج ۱۸۷ • منقبت ۲۲۴ • مغنی نامہ ۲۴۲

• ساقی نامہ ۲۶۳

اِس مجموعے میں

وہ گیارہ کی گیارہ مثنویاں شامل ہیں جنہیں خود غالب نے اپنے فارسی دیوان میں غزلوں سے پہلے رکھا تھا اور خاص اہمیت دی تھی۔ یہاں کل اٹھارہ سو پینتالیس اشعار ہیں اور یہ تقریباً اتنی ہی تعداد ہے جتنی دیوانِ غالب کے اردو اشعار کی بنتی ہے۔

قطعی مبالغہ نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ غزلوں میں یہاں وہاں جو خیالات بکھرے ہوئے ملتے ہیں، وہ اِن مثنویوں میں ایک سلسلے اور ترتیب کے ساتھ آئے ہیں۔ ان میں ہمارے شاعر کا پورا وجود، باطنی وجود خیالات کی رَو، زندگی اور فن سے اس کا برتاؤ، تیکھا برتاؤ، آدم زاد اور آدم ساز کے رشتے میں جبر و اختیار کی کش مکش، روزمرّہ کے مسائل و معاملات میں اُلجھنے اور سُلجھنے کی ضرورت یا مصلحت، فرش پر رینگنے اور عرش پر اُڑان بھرنے میں اُس کا دم خم لیے بیان ہوا ہے کہ بس! اِن مثنویوں کے مطالعے میں غالب کی مکمل اور سجل شخصیت سے بھرپور تعارف ہوگا اور غالب شناسی ایک قدم آگے بڑھے گی۔

غالب نے اُردو سے پہلے اپنا فارسی دیوان ترتیب دیا تھا مگر اُردو دیوان پہلی بار ۱۸۴۱ء میں اور فارسی دیوان چار سال بعد چھپ کر نکلا۔ (اشارۃً ذوق کو جواب دیتے ہوئے) دعوا کیا تھا کہ اردو کلام کیا ہے، میرا فارسی کلام آنکھ کھول کر دیکھو۔ تب میرا اصل ہنر کھلے گا۔ دہلی کے بعد یہی

فارسی کلیات ۱۸۶۳ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا تو اس میں گزشتہ بیس برس کا فارسی کلام بھی ملا لیا. پھر سال بھر بعد مثنوی " ابرِ گہر بار "، کچھ اور تازہ کلام کے ساتھ الگ سے چھپوائی. سالہا سال وہ اس مثنوی کو آگے بڑھانے اور " غزواتِ رسول " نظم کرنے کی فکر میں رہے مگر جب دیکھا کہ موضوع اُن کے قابو سے باہر ہوا جا رہا ہے تو اس پر فاتحہ پڑھ دیا. اب جس حالت میں ہے اسی میں مکمل سمجھی جائے. یہیں وہ مقامات (مناجات ، مغنی نامہ ، ساقی نامہ) آتے ہیں جنہیں غالبؔ کی شاعری کا مزاج اور نقطۂ عروج کہنا چاہیئے. خود شاعر نے عمر کے آخری دور میں کئی موقعوں پر اس کی اہمیت جتائی ہے. اور واقعہ ہے کہ ۱۹ ویں صدی کے فارسی شعری خزانے میں اس سے زیادہ آبدار گوہر ڈھونڈے نہیں ملتا. یہ اس خزانے کا بے مثل جواہر پارہ ہے.

غالبؔ کے تفصیلی مطالعے میں مثنوی "چراغِ دیر" (۱۸۲۷ء) " بادِ مخالف " (۱۸۲۸ء) "تقریظ آئین اکبری" (۱۸۵۵ء) اور "ابرِ گہر بار" کا ذکر تو بہت بار آتا ہے، ان کا ترجمہ کہیں یکجا نہیں نکلا. دراصل انھی مثنویوں کا مطالعہ تھا جس نے مجھے غالبؔ کے پورے فارسی کلام کا ترجمہ کرنے پر اکسایا اور ۱۹۶۵ - ۶۸ء کے دوران جیسا اور جتنا بن پڑا یہ کام کرتا رہا. بمبئی میں فارسی کے ایک بزرگ عالم تھے، سیّد علی صفدر، انھوں نے نظرِ ثانی کرتے وقت میرے ترجمے کا لب و لہجہ بدل دیا اور اصرار کیا کہ ترجمے میں اصل کی صداقت برقرار رکھنے کی خاطر حسنِ بیان کو قربان ہونے دو. اسی اصول پر عمل کیا گیا ہے. آخر اردو کے سب سے بڑے شاعر کا فارسی کلام ہے، ہم کون اس میں اپنی روانیٔ طبع دکھانے والے!

پندرہ برس پہلے میں نے اس فارسی کلام کا ترجمہ صاف کرا کے ایک طرف سرکا دیا تھا کہ اس کا چھاپنے والا کوئی نہ تھا. اب جاکر اس (ایک چوتھائی حصّے) کی تقدیر کھلی ہے. اور غالب انسٹی ٹیوٹ کی بدولت اسے زندگی ملی ہے.

البتہ اتنا کیا کہ مثنوی کے فن پر، صنفِ مثنوی کی تاریخ اور تکنیک پر، یکے بعد دیگرے تبدیلیوں اور اضافے پر، اور اس ضمن میں خود غالب کی فارسی مثنویات پر جو مقالہ بطور پیش لفظ لکھا تھا وہ پھیلتے پھیلتے اتنا طویل ہو گیا کہ اسے یہاں سے جدا کرکے علاحدہ کتابی شکل دے دی ہے.

ظ۔ انصاری
جولائی ۱۹۸۳ء

نخستین مثنوی

سرمۂ بینش

"بشنو از نے چوں حکایت می کند	بانسری سے سنو کہ وہ کیا کہتی ہے،
وز جدائی ہا شکایت می کند"	اور جدائی کی شکایت کر رہی ہے۔
(مثنوی مولانائے روم)	
مَن نیم کز خود حکایت می کنم	میں خود (اپنا دیکھا) نہیں بیان کرتا ہوں،
از دمِ مَردی روایت می کنم	(بلکہ) ایک شخص کے قول کی نقل کر رہا ہوں۔
از دمِ فیضے کز اُستاد آورم	اُس فیض کے اثر سے، جو مجھ کو استاد سے ملا ہے،
خامہ را چوں نے بفریاد آورم	میں بانسری کی طرح قلم کی فریاد سناتا ہوں۔
نالۂ نے از دم مَردے رہست	بانسری کی فریاد (معرفت کی) راہ پر چلنے والے (سالِک) کے دم سے ہے
کاں ہم از سازو ہم از راز آگہست	کہ وہ ساز سے اور (حقیقت کے) راز سے آگاہ ہے۔
بر نوائے رازِ حق گر دل نہی	اگر خدا کے راز کی آواز سے دل لگاؤ
بایدت چوں نے ز خود بودن تہی۔	تو اس کے لیے لازم ہے کہ بانسری کی طرح تمہارا سینہ خودی (نفسانیت) سے خالی ہو۔

گر نہ دل ریش از مستے ملاف
کیں می از تندی بُوَد پہلو شگاف

اگر تمہارا دل زخمی نہیں تو مستی کا دعویٰ نہ کرو،
کیونکہ یہ ایسی تیز شراب ہے جو پہلو چیر دیتی ہے۔

اے کہ از رازِ نہاں آگہ نۂ
دم مزن از رہ کہ مردِ رہ نۂ

تم جو پوشیدہ راز سے آگاہ نہیں ہو،
رازِ حقیقت کا دم نہ بھرو، اس راہ کے مُرد نہیں ہو۔

دست در دامانِ مردِ راہ زن
لیک رہبر را شناس از راہزن

جو اس راہ کا مَرد ہو اس کا دامن تھامو،
لیکن رہبر اور رہزن میں فرق کرنا چاہیئے۔

در ہزاراں مرد مَردِ رہ یکیست
آدمی بسیار اما شہ یکیست

ہزاروں انسانوں میں راہِ حقیقت کا مرد کوئی کوئی ہوتا ہے،
جیسے آدمی بہت، لیکن بادشاہ ان میں ایک۔

مردِ رہ باید کہ باشد مردِ عشق
لب ترنم خیز و در دل دردِ عشق

اس راہ کے مَرد کو عشقِ (الٰہی) کا مرد ہونا چاہیئے،
کہ لبوں پر تبسم ہو اور دل میں عشق کا درد۔

در تو می پُرسی کہ مردِ راہ کیست
جز سراج الدین بہادر شاہ کیست

اور اگر پوچھو کہ راہِ عشق کا مَرد کون ہے؟
تو سراج الدین بہادر شاہ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔

در طریقت رہنمائے رَہرواں
در خلافت پیشوائے خُسرواں

طریقت (راہِ حقیقت) میں وہ اہلِ راہ کا رہنما ہے،
اور خلافت میں پہلے کے بادشاہوں کا پیشوا۔

آں کہ چوں از راہِ وحدت دم زند
دفترِ کون و مکاں در ہم زند

وہ ایسا (سالکِ راہِ حقیقت) ہے کہ جب وحدانیت کا راز بیان کرنے پر آتا
ہے، تو تمام عالمِ وجود کا دفتر الٹ پلٹ دیتا ہے۔

آنکہ چوں در نے نوا را سر دہد
نے شود نخلے کہ شبلی بر دہد

وہ ایسا ہے کہ جب بانسری میں اپنی آواز پھونکتا ہے، تو بانسری
ایک درخت بن جاتی ہے اور اس پر شبلی (جیسا صوفی) پیدا ہوتا ہے۔

آنکہ چوں شوق آسماں تاز آیدش
تخت چوں رفرف بہ پرواز آیدش

وہ ایسا ہے کہ جب اسے آسمان کی سیر کی خواہش ہوتی ہے، تو
اس کا تخت آسمانی سواری (رفرف) کی طرح اڑنے لگتا ہے۔

شبلی از منبر دہد آوازِ عشق
شاہِ ما بر تخت گوید رازِ عشق

شبلی تو منبر سے عشق کی صدا لگاتے تھے،
ہمارا بادشاہ تخت شاہی سے عشق کے راز بیان کرتا ہے۔

عشق دارد پایۂ ہر کس نگاہ
منبر از شبلی و تخت از پادشاہ

عشق ہر ایک کے مرتبے کا لحاظ رکھتا ہے،
شبلی کو منبر دیا تو بادشاہ کو تخت۔

انچہ ابراہیم اَدہم یافت ست
بعدِ ترکِ مسندِ جم یافت است

ابراہیم اَدھم کو جو کچھ میسر ہوا،
وہ مسندِ شاہی چھوڑنے کے بعد ملا۔

شاہِ ما دارد بہم در رہروی
خرقہ در پیری و تاجِ خسروی

ہمارا بادشاہ راہِ عشق کے سفر میں دونوں سامان رکھتا ہے،
روحانی بزرگی کا لباس بھی اور سلطنت کا تاج بھی۔

شاہی و دَرویشی اینجا باہم ست
بادشاہِ عہد، قطبِ عالم ست

بادشاہی اور فقیری دونوں یہاں ملے ہوئے ہیں،
بادشاہِ وقت اپنے زمانے کا قطب (سب سے بڑا روحانی پیشوا) بھی ہے۔

ہم بہ شاہی ناظرِ وجہ اللّٰہی
ہم بہ درویشی دَرَش فرِ شہی

بادشاہی کے رتبے پر ہو کر وہ اخلاص اِلی اللہ رکھتا ہے،
اور اس کی درویشی میں بھی شاہانہ شان و شوکت رہتی ہے۔

چرخ دَر رقص از نوائے سازِ اوست — اس کے ساز کا نغمہ سن کر آسمان رقص کرتا ہے،
قُدسیاں را گوش بر آوازِ اوست — اور فرشتے اس کی صدا پر کان لگائے رہتے ہیں۔

دارد ایں دانا دل دانش پسند — صاحبِ معرفت دل رکھنے والا اور عقل کی داد دینے والا یہ انسان
در خدا دانی سخن ہائے بلند — خداشناسی میں بہت اونچی باتیں کرتا ہے۔

بہ ز شہ رازِ نہاں نشناخت کس — پوشیدہ (خداوندی) رازوں کو بادشاہ سے بہتر کوئی نہیں جانتا
لیک شہ را در جہاں نشناخت کس — لیکن خود بادشاہ کو پہچاننے والا دنیا میں کوئی نہیں۔

چشمِ ما کور ست و حسن آئینہ جوئی — ہماری آنکھوں میں بینائی نہیں اور حسن چاہتا ہے کہ سامنے آئینہ ہو،
فہمِ ما کند ست و شاہ آں رمز گوئی — ہماری عقل کُند ہے اور بادشاہ اشاروں میں بیان کرتا ہے۔

صبحدم سلطاں سریر آرائے بود — صبح کے وقت بادشاہ تخت پر جلوہ گر تھا،
از مُریداں مجمعی بر پائے بود — مُریدوں کا ایک مجمع حاضر تھا۔

ابرِ رحمت گوہر افشاندن گرفت — (کہ) اتنے میں رحمت کا بادل موتی برسانے لگا،
شاہ از عرفاں سخن راندن گرفت — اور بادشاہ نے معرفت کی باتیں چھیڑ دیں۔

چوں بقدرِ فہمِ مردُم خواست گفت — لوگوں کی سمجھ کے مطابق بات کہنی چاہی، تو
در لباسِ رمز حرفے راست گفت — اشاروں کی زبان میں صحیح نکتہ بیان کیا۔

گفت کاندر معرضِ اسرارِ دوست — معشوقِ حقیقی کے اسرار کے بیان میں فرمایا کہ
ہر کہ باشد طالبِ دیدارِ دوست — جو شخص دوست سے ملاقات چاہتا ہے

خواہد از نورِ جمالِ یارِ خویش — اور اس کی تمنا ہو کہ حُسن کے نور سے
روکشِ مشرق درو دیوار خویش — میرے در و دیوار تک مشرق کی طرح دمکنے لگیں،

بایدش کاشانہ نیکو ساختن — اس شخص پر لازم ہے کہ گھر کو پاک صاف کرے،
حجرہ از نامحرماں پرداختن — اور مکان کا کمرہ غیروں سے خالی کرے۔

خار و خس از خانہ بیروں ریختن — مکان سے کوڑا کرکٹ نکال کر پھینک دے
مشک تر با خاکِ رہ آمیختن — اور مٹی میں مشک ملا دے۔

زاں پس کایں کار را یکرو کند — جب وہ اس کام کو اچھی طرح نمٹا چکے،
خانہ را زیں گونہ رفت و رو کند — گھر کو خوب پاک صاف کر چکے،

آورد آب و زند در رہ گذار — تو راستے میں پانی کا چھڑکاؤ کرے،
تا ہوا از رہ نمی گیرد غبار — تاکہ ہوا چلنے سے گرد و غبار نہ اڑے۔

برگِ گل در رہ فشاند مشت مشت — پھر راہ میں مٹھی بھر بھر کر پھول کی پتیاں بکھیرے،
تا نیاید خاکِ زیرِ پا درشت — تاکہ پاؤں کے نیچے زمین سخت محسوس نہ ہو۔

رخت گرد آلودہ از تن برکشد — میلے کپڑے بدن سے اتار ڈالے،
جامۂ پاکیزہ اندر برکشد — اور ان کی جگہ صاف ستھرا لباس پہن لے۔

چوں در آید آں نگار از خود رود — پھر جب اس کا محبوب آئے تو وہ خوشی سے از خود رفتہ ہو جائے،
خوش باستقبالِ یار از خود رود — اس محبوب کا پسندیدہ استقبال کرے۔

عاشق از خود رفت دلبر ماند و بس
سایہ گم شد، مہرِ انور ماند و بس

چاہنے والا اپنے آپ سے گیا، محبوب رہ گیا،
سایہ گم ہوا اور سورج باقی رہا۔ بس!

جملہ جاناں ماند جسم و جاں نماند
حسرتِ وصل و غمِ ہجراں نماند

جسم و جاں درمیاں سے ہٹ گئے، صرف جاناں ہی رہ گیا،
نہ وصل کی حسرت رہی نہ ہجر کا غم۔

شبنمی را طعمۂ خورشید کن
خویش را قربانئ ایں عید کن

جو اوس ہے وہ سورج کو چٹا دو،
اور اپنے آپ کو اس خوشی کے لیے قربان کر دو۔

تیرگی بزدائی تا رخشاں شوی
قطرگی بگذار تا عماں شوی

تاریکی دور کرو تاکہ چمکنے لگو،
قطرے کی حیثیت چھوڑو تاکہ دریا ہو جاؤ۔

معنیٔ رمزے کہ شہ فرمودہ است
حفظِ ناموسِ شریعت بودہ است

بادشاہ نے جو اشاروں کی زبان میں نکتہ بیان کیا،
اس کے معنی یہ ہوئے کہ شریعت کی آبرو کی حفاظت کی جائے۔

رُفتنِ کاشانۂ و صحنِ سرا
دفعِ اوہامست و نفیِ ماسوا

مکان صاف ستھرا کرنے، آنگن جھاڑنے کا مطلب ہے (دلوں سے)
مختلف وہم دور کرنا اور خدا کے سوا ہر شے کو ہیچ سمجھنا۔

مدعا تہذیبِ اخلاق ست و بس
سعی در تحصیلِ اشراق ست و بس

اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اخلاق درست کرو،
اور (حقیقت کا) وجدان حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

واں خود آرا دلبرے کز در رسد
جذبۂ باشد کہ از حق در رسد

(اور وہ بنا سنورا محبوب جو آتا ہے (کون ہے؟)۔
وہ خدا کی طرف سے بھیجا ہوا جذبہ ہے۔

رفتنِ عاشق باستقبالِ دوست مطلب از محویّتِ آثارِ اوست	دوست کے استقبال کے لیے عاشق کا اصل میں ظہورِ صفات دیکھ کر محو ہو جانا ہے۔
سالکِ آزادۂ چابک خرام چوں رسد اینجا شود سیرش تمام	(راہِ حقیقت پر) چلنے والا آزاد انسان جو تیزی سے (اپنی راہ) جارہا ہے جب اُس مقام کو پہنچتا ہے تو سفر تمام ہو جاتا ہے۔
نیست کس بعد از خدا غیر از خدا ایں بود سرِّ بقا بعدَ الفنا	خدا کے بعد خدا کے علاوہ اور کوئی (موجود) نہیں ہے، حیات بعد الموت (فنا کے بعد بقا) کا راز یہی ہے۔
غالب از رازے کہ گفتی دم مزن سنگ بر پیمانۂ عالم مزن	غالب تم نے جو راز بیان کیا ہے، اس پر دم نہ مارنا، دنیا کے شیشے پر پتھر نہ ٹکرانا۔
رازِ وحدت بر نہ تابد گفتگو حرفِ حق را در نیابد گفتگو	وحدانیت کا راز بیان نہیں ہو سکتا، حق کی بات لفظوں میں نہیں سما سکتی۔
بر دُعائے شہ سخن کوتاہ باد تا خدا باشد بہادر شاہ باد	بادشاہ کے لیے دعا پر کلام تمام کرو، (دعا کرتا ہوں)، جب تک خدا ہے تب تک بہادر شاہ بھی رہے۔

مثنوی دُوم

درد و داغ

بے ثمرے برزگرے پیشہ داشت	ایک بے نصیب آدمی کاشتکاری کرتا تھا،
در دلِ صحرائے جنوں ریشہ داشت	دیوانہ پن کے جنگل میں اس نے جڑ پکڑ ی تھی۔
دستِ تہی آئینۂ قسمتش	اس کا خالی ہاتھ ہی تقدیر کا آئینہ تھا،
زخمِ دل و داغِ جگر دَولتش	(لے دے کر) ساری پونجی دل کا زخم اور جگر کا داغ تھا۔
خانہ اش از دشت خطرناک تر	اس شخص کا گھر جنگل سے بھی زیادہ خطرناک،
پیرہنش از جگرش چاک تر	اور لباس جگر سے بھی زیادہ چاک چاک۔
مایۂ او داغ و ہماں در برش	اس کا سرمایہ (محرومی کا) داغ تھا اور وہی اس کے تن پر موجود تھا۔
حاصلِ او خاک و ہماں برسرش	اس کی محنت کا صلہ خاک تھی، وہی اس کے سر پر پڑی تھی۔
ہر سحرش تیرہ تر از تیرہ شام	اس کی صبح تاریک شام سے بھی زیادہ سیاہ (تراس) گزرتی
فاقہ پئے فاقہ کشیدے مدام	اور ہمیشہ فاقوں پر فاقے ہوا کرتے تھے۔

مادرے و پدرے پیر داشت — ایک ماں تھی اور ایک بوڑھا باپ،
ربط باہم چوں شکر و شیر داشت — آپس میں گھل مل کر بسر ہوتی تھی۔

شام و سحر گرمیٔ دلسوزیش — صبح شام ہمدردی اور غم بانٹنے میں گزرتے تھے،
خدمتِ شاں کارِ شبا روزیش — اس کا دن رات کام یہ تھا کہ ماں باپ کی خدمت کیے جائے۔

چوں لبِ نان و دمِ آبش نبود — چونکہ روٹی کا ٹکڑا اور پانی کا گھونٹ تک میسر نہ تھا،
فائدہ جز رنج و عذابش نبود — اس لیے مصیبت اور عذاب کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا تھا۔

بار کہ بر گردنش اُفتادہ بود — اس کی گردن پر جو بوجھ لدا تھا
در پۓ افگندنش اُفتادہ بود — وہ اسے گرانے پر تُلا ہوا تھا۔

تا بکے از گرسنگی سوختن — آدمی کب تک بھوک سے جلے۔
سیر شد از زندگیٔ خویشتن — آخر وہ اپنی زندگی سے تنگ آگیا۔

تنگ شد آئینِ وطن داریش — وطن کا خیال کرنے کی سکت نہ رہی تو،
سلسلہ بگسیخت گرفتاریش — اس کی گرفتاری (مصیبت) نے اس زنجیر (وطن کی محبت کے رشتے) کو توڑ ڈالا۔

بسکہ دل از تنگیٔ ساماں گرفت — رزق کی کوتاہی سے دل اداس ہو گیا،
با اب و اُم راہِ بیاباں گرفت — تو وہ اپنے ماں باپ کو لے کر جنگل کی طرف نکل گیا۔

ہر سہ تن آئینۂ وحشت شدند — (ماں، باپ، بیٹا) تینوں پر وحشت سوار ہوئی،
بادیہ پیمائے سیاحت شدند — اور سفر کا جنگل طے کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

ریخت جنوں بر تپش آہنگ ہا
ماند وطن دور بہ فرسنگ ہا

جنون نے ان کی رفتار میں تیزی پیدا کردی،
اور وطن کوسوں دُور رہ گیا۔

مرحلۂ چند نوردند راہ
تا بہ رسیدند بدشت تباہ

انھوں نے کئی مرحلے راہ طے کی،
اور آخر ایک برباد جنگل میں پہنچے۔

وادیٔ درد ے کہ ہزارش بلا
خاک بلاخیز و غبارش بلا

یہ ایسی درد بھری وادی تھی جہاں ہزار مصیبتیں موجود تھیں،
خاک سے بھی مصیبت اور غبار میں بھی مصیبت۔

لالۂ خودروش ز خونِ شہید
ذرہ اش از جوہرِ تیغ یزید

اس وادی کا جنگلی لالہ شہید کے خون سے اُگا تھا،
اور ذرّے یزید کی تلوار کے جوہر سے۔

گشت درآں وادیٔ آشوبناک
جامۂ عریانیٔ شان چاک چاک

اس مصیبت زدہ وادی میں،
ان کی برہنگی کا لباس بھی چاک ہوگیا، (جسم کی کھال پھٹنے لگی)۔

ہر قدم آنجا بہ سرِ دار بود
عربدۂ آبلہ و خار بود

اس مقام میں ہر قدم سولی پر تھا،
کانٹوں اور (پاؤں کے) چھالوں کا مقابلہ ہو رہا تھا۔

بود بہم ہر غم و رنجے کہ بود
تشنہ لبی آفت دیگر فزود

ہر طرح کا رنج اور مصیبت تو ساتھ تھا ہی،
پیاس نے اور بھی جان عذاب میں کردی۔

شد ہوسِ آب بدل شعلہ زن
سوختن آمد بہ جگر سوختن

پانی کی ہَوکے نے دل میں آگ لگادی،
جلنے سے اب جگر جلنے کی نوبت آگئی۔

ہوش دراں معرکہ بیہوش گشت	ہوش و حواس نے جواب دے دیا،
پا بوداعِ قدم آغوش گشت	اور پاؤں رفتار کو رخصت کرنے کے لیے آغوش بن گئے (پیروں نے چلنا بند کر دیا)
تیزیٔ رفتار ستم کردہ بود	تیز چلنے نے اور آفت ڈھائی تھی،
پائے تگ و تاز قلم کردہ بود	کہ چلنے کی قوت زائل کر دی تھی۔
آبلہ ساغر شد و ساغر نشد	آبلے پھول کر پیالی بن گئے لیکن (پوری طرح) پیالی بھی نہ بنے،
زہرہ شد آب و لبِ شاں تر نشد	پِتّہ پانی ہو گیا لیکن سوکھے لب تر نہ ہونے پائے۔
از تپشِ دل بہ تمنائے آب	پیاس کے مارے دل اس قدر بے قرار تھا،
طرف نہ بستند بجز اضطراب	کہ انھیں بے قراری کے سوا سامنے کچھ سجھائی نہ دیا۔
دامنِ جہدے بہ کمر بر زدند	کوشش کا دامن کمر پر باندھ لیا (آخری کوشش کی)،
تا قدمے چند مکرّر زدند	اور زور لگا کر چند قدم اور آگے بڑھے۔
کرد سیاہی بہ نظر ہا ز دور	اتنے میں دُور سے ....،
سایۂ نخلے و ہجومِ طیور	درخت کے سائے اور پرندوں کے غول کی سیاہی نظر آئی۔
پا بہ خرامید بہ سعیٔ نگاہ	نگاہ کی دوڑ میں پاؤں آگے اٹھے،
تا بہ رسیدند بداں جائے گاہ	یہاں تک کہ (چلتے چلتے) وہ اس مقام پر جا پہنچے۔
بود بہ پہنولۂ ویرانیے	سنسان بیاباں کے ایک گوشے میں،
تکیۂ درویشِ بیابانیے	کسی صحرا نشیں جوگی کا تکیہ (ٹھکانا) تھا۔

تا بہ سرِ تکیہ رسیدند شان
آب بایما طلبیدند شان

جب (یہ تینوں) اس ٹھکانے پر پہنچے،
تو اشاروں سے پانی طلب کیا۔

مردِ فقیر از سرِ سجادہ جست
جام بدستے و سبوئے بہ دست

وہ درویش اپنے مقامِ عبادت سے
ایک ہاتھ میں جام اور دوسرے میں مشکی لیے اٹھا۔

تا نمِ آبے بہ گلو ہا رسید
دور پیاپے بہ سبو ہا رسید

پانی کی تری جب حلق میں پہنچی،
تو مشکیوں سے لگاتار پیالوں کا تانتا بندھ گیا۔

ریشۂ ہستی بہ دمیدن رسید
نشۂ مستی بہ رسیدن رسید

زندگی کی جڑوں میں اٹھان آگئی،
اور مستی کا نشہ چڑھنے لگا۔

تشنۂ عرضِ سخن آمد فغاں
گشت بیانہا بہ سخن تر زباں

فریاد نے اپنی مراد عرض کرنی چاہی
اور بات زبان پر آئی (سخن سے تینوں تر زبان ہو گئے)

ہر یکے از درد بہ درویش گفت
پارۂ از دردِ دلِ خویش گفت

ہر ایک نے اس جوگی کے سامنے اپنا دکھڑا بیان کیا،
اور اپنی مصیبت کا کچھ رونا رویا:

کاے چمن آرائے گلستانِ فیض
خضر قدم گاہِ بیابانِ فیض

اے چمن فیض کے باغباں
اور فیض کے سنسان جنگل میں رہنمائی کرنے والے،

ما سہ تن آفت زدۂ قسمتیم
ساغرِ سرشارئ ہر کلفتیم

ہم تینوں قسمت کے مارے ہیں،
جن کے حصے میں دکھوں کا نشہ آیا ہے۔

درقفس گردشِ چرخِ دورنگ   دورُخی کرنے والے آسمان کی گردش کے قیدی ہیں،
قافیۂ عیش .بماگشتہ تنگ   اور زندگی کا قافیہ ہم پر تنگ ہوچکا ہے۔

از تپش آبادِ جنوں می رسیم   ہم جنون کے تپتے ہوئے مقام سے آرہے ہیں،
تا کمر و سینہ بخوں می رسیم   اور چھاتی تک لہو کی موج آپہنچی ہے۔

گر نگہے نامزدِ ما کنے   آپ اگر ہم پر اک نگاہِ کرم فرمائیں اور ہماری مشکلات کی گرہ
عقدۂ سر رشتۂ ما وا کنے   کھول دیں۔

بوکہ ہوس بال فشانی کند   تو امید ہے کہ آرزو حرکت میں آئے،
کارِ فروبستہ روانی کند   اور رُکے ہوئے کام چل نکلیں۔

از نفسے فیض مسیحا بیار   سانس سے (دعا کرکے) مسیحا کا فیض دکھایئے (مُردے کو زندہ کیجیے)
مژدۂ اقبال تمنا بیار   اور تمنا کی کامیابی کی خوش خبری عطا کیجیے۔

آئینۂ بختِ سیاہیم ما   ہم لوگ بدبختی کی تصویر ہیں،
حسرتیِ سعیٔ نگاہیم ما   اور آپ سے ایک نظرِ کرم کی تمنا رکھتے ہیں۔

پیر بجوشید ز گفتار شاں   وہ بوڑھا صحرانشین، اُن کے بیان سے متاثر ہوا،
گریہ اش آمد بسروکار شاں   اور ان کی رودادِ غم پر آنکھوں میں آنسو آگئے۔

کرد نگہ بر ورقِ دل درست   دل کے ورق پر غور سے نگاہ ڈالی تو (غیب سے)
طالع شاں در نظر آورد چُست   ان لوگوں کی تقدیر سامنے آگئی۔

دید کہ در قسمتِ شاں ہیچ نیست
حاصلِ شاں غیرِ خم و پیچ نیست

دیکھتا کیا ہے کہ یہ لوگ قسمت سے محروم ہیں،
الٹے سیدھے بھٹکنے کے سوا انھیں کچھ حاصل نہیں ہونے والا۔

بابِ کرم بر رُخِ شاں باز نیست
بختِ کماں کش غلط انداز نیست

ان لوگوں پر خدا کی بخشش کا دروازہ بند ہے،
اور کمان کھینچنے والی تقدیر کا نشانہ غلط نہیں بیٹھتا۔

زار بنالید کہ یا ذوالجلال
آب شُدم از اثرِ انفعال

(مردِ بزرگ نے) تڑپ کر آنسو بہائے اور خدا کی درگاہ میں عرض
کی کہ) اے قدرت والے، میں شرم سے پانی پانی ہوا جاتا ہوں

بر دلِ اندوہ گزینم ببخش
جرمِ سہ تن را بیقینم ببخش

میرے اندوہناک دل پر کرم کر،
اور میرے ایمان کے واسطے سے ان تینوں پر بخشش فرما۔

خستہ دلانند تو مرہم فرست
دولت و راحت زپئے ہم فرست

ان کے دل زخمی ہیں، انھیں مرہم بھیج دے،
اور دولت و راحت بھی یکے بعد دیگرے عطا کر۔

اے تُو خداوندِ جہاں رحم کن
بر من و ایں غمزدگاں رحم کن

تو دنیا کا مالک ہے،
مجھ پر اور ان غمزدہ لوگوں پر رحم کر۔

ہاتفے از خلوتِ اسرارِ فیض
گفت کہ اے جلوہ طلبگارِ فیض

فیضِ خداوندی کے خلوتِ راز سے غیب کی آواز آئی،
کہ خدا سے فیض کا جلوہ طلب کرنے والے اے شخص،

درسِ حقیقت بتو فرمودہ ایم
اخترِ ایناں بہ تو بنمودہ ایم

حقیقت کا سبق تمہیں دیا جا چکا ہے،
اور ان لوگوں (کی قسمت) کے ستارے تم کو دکھا دیے گئے۔

قسمت شان از کرم ما ہمین ست — ان کو ہمارے کرم سے یہی کچھ نصیب ہوا ہے،
سابقۂ روز ازل این چنین ست — اور ازل کے دن بھی ان کا نصیب ٹھیرا تھا۔

در طلبت شیفتہ ہمت ست — اور اگر اپنی طلب میں تم فیض کے ایسے ہی شیدا ہو تو (سمجھ لو کہ)
عالم ابرام جنوں وسعت ست — عرضِ تمنا کی دنیا بے حساب پھیلی ہوئی ہے۔

باش کہ شرحے ز تسلی دہیم — ٹھیرو، تمہارے اطمینان کی ہم ایک صورت کیے دیتے ہیں،
پرتوے از جلوۂ معنی دہیم — اور حقیقت کے جلوے کی ایک جھلک دکھائے دیتے ہیں۔

در خم محراب فریب آرزو — (دعا کے لیے) درحالیکہ فریبِ آرزو کی محراب میں یہ تینوں خم ہیں،
با سہ تن ایں مژدۂ دلکش بگو — ان کو یہ خوشخبری سنا دو

کز اثر عاجزیم در جناب — کہ خدا کی بارگاہ میں جو میں نے التجا کی تھی،
شد سہ تمنائے شما مستجاب — اس کی بدولت تم تینوں کی تین تمنائیں قبول کی جاتی ہیں۔

ہر یکے از شوق نوائے زند — ان میں سے ہر ایک شوق سے آواز بلند کرے،
دست بداماں دعائے زند — اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

باز سروکار دعاہا ببیں — پھر تم ان دعاؤں کا ماجرا دیکھنا،
چشم بخواباں و تماشا ببیں — آنکھ بند کر لینا اور تماشا نظر آئے گا۔

پیر بر آورد سر از جیب ناز — مردِ بزرگ نے ناز کے گریبان سے سر اٹھایا،
گشت بدلدارے شان نکتہ ساز — اور ان کی دلجوئی کے لیے نکتہ بیان کیا۔

مژدۂ صبحِ طرب آورد و گفت	صبحِ مسرت کی خوشخبری بیان کرتے ہوئے،
رنگِ تبسم بلب آورد و گفت	لبوں پر مسکراہٹ لاکر بولا:
کاے زدگانِ ستمِ روزگار	اے زمانے کے ستم رسیدہ لوگو،
آیینہ رحمتِ پروردگار	پروردگار کی رحمت تم پر ظاہر ہوتی ہے۔
شاد شوید از غم دل وارہید	خوش ہو جاؤ، دل کے غم سے نجات پاؤ،
دلشدگاں دادِ ہوسہا دہید	اے بے آسرا لوگو، اپنی مرادیں پوری کرلو۔
رحمتِ حق آئینہ دارِ شماست	خدا کی رحمت تمہیں آئینہ دکھا رہی ہے۔
وقتِ پذیرفتنِ یک یک دعاست	ایک ایک دعا کرلو، قبولیت کا وقت آپہنچا۔
از غمِ گردوں بہ پناہید تاں	زمانے کے دکھوں سے پناہ مانگو،
ہرچہ بخواہید بخواہید تاں	جو کچھ تمہیں چاہیے، چاہ لو۔
سامعہ را صافیٔ ایں گفتگو	اس گفتگو نے ان کی سماعت کو
داد باامواجِ گہر شست و شو	موتیوں کی موج سے دھوڈالا۔
ذوق ببالید و تپش ساز کرد	اُن کی تمنا بے تاب ہوگئی،
حسرتِ دل بیخودی آغاز کرد	اور دل کی حسرت قابو سے باہر ہونے لگی۔
راست چو گل خندہ زناں خاستند	پھول کی طرح مسکراتے ہوئے وہ سیدھے کھڑے ہوگئے،
دست فشاناں ودناں خاستند	تالیاں بجاتے اور خوشی خوشی جانے کو اٹھے۔

نالہ بہ صیدِ اثر از خویش رفت — اثر کو شکار کرنے (اثر حاصل کرنے) کے لیے آواز بے قابو ہو گئی
ہر یکے از دیگرِ خود پیش رفت — اور ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگا۔

ماند براں پیر زنِ دل جواں — وہ بڑھیا جس کا دل جوان تھا،
قرعۂ دیبا چۂ امتحاں — امتحان میں اوّل اسی کی باری آئی۔

قامت خم گشتۂ آں پیر زن — اس کا جھکا ہوا قد
راست شد از بہر دُعا خواستن — دُعا مانگنے کے لیے سیدھا ہو گیا۔

دست بر آورد و فغاں ساز کرد — ہاتھ اٹھا کر اس نے فریاد کی،
موئیہ از دردِ دل آغاز کرد — اور اپنے دردِ دل کا رونا شروع کیا۔

گفت کہ اے کار روائے ہمہ — بولی کہ اے سب کی بگڑی بنانے والے،
سوئے درت روئے دُعائے ہمہ — سب تیری بارگاہ میں دعا کو ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

از غمِ ایّامِ ستم دیدہ اَم — میں نے زمانے کے دکھ بہت اٹھائے ہیں،
پیر زنِ عاجزِ غم دیدہ اَم — میں ایک غم زدہ اور عاجز بڑھیا ہوں۔

عمر بافلاس بسر رفتہ است — عمر مفلسی میں کٹ گئی،
نقدِ من از کیسہ بدر رفتہ است — اور جیب سے ساری نقدی نکل گئی (عیش کی عمر بے آرامی سے گزر گئی)

عمر تلف گشت بداغ وصول — ساری عمر میں جو کچھ ملا اس سے داغ اٹھایا،
تا سہ دعا کردۂ از ما قبول — تب کہیں یہ وقت آیا ہے کہ) ہماری تین دعائیں قبول ہوں۔

شوہرِ من طالبِ مال ست و بس	میرے شوہر کو تو بس مال کی تمنا ہے،
دولتِ دنیاست مرا و را ہوس	اسے محض یہ ہوس ہے کہ دنیا کی دولت ہاتھ آجائے۔
تیرِ دعایش چو رسد بر ہدف	جیسے ہی اس کی دعا کا تیر نشانے پر بیٹھے
سازِ دو عالم ہوس آرد بکف	تو دونوں جہان کی ہوس پوری کرنے کا سامان کرے گا۔
مَی کشد و عَرضِ تنعم کند	شراب پیئے گا اور عیش اڑائے گا،
در طرب خویش مرا گم کند	اور عیش میں مجھے بھول جائے گا،
خوش نہ نشیند نہ شکوہد زمن	میرے پاس خوش نہ رہے گا اور نہ میری سُنے گا۔
کام دلِ خود نہ پژوہد زمن	اور نہ اپنے دل کی مُراد مجھ سے چاہے گا۔
با دگراں ساغرِ عشرت زند	دوسروں کے ساتھ عیش کرتا پھرے گا،
با منِ ژولیدہ بہ نفرت زند	اور مجھ تباہ حال سے منہ پھیرے گا۔
پس ز تو خواہم کہ جوانم کنے	لہٰذا تجھ سے میری دعا ہے کہ مجھے جوان کر دے۔
رونقِ خوبانِ جہانم کنے	اور دنیا بھر کے حسینوں میں ایک امتیاز عطا کر۔
دہ بمن اے رازقِ برنا و پیر	جوانوں اور بوڑھوں کو رزق دینے والے۔
حُسن و جمالے کہ بود دل پذیر	تو مجھ کو وہ حسن دے جو دلوں میں جگہ بنالے۔
یوسفِ اقبال بخوابم رساں	میرے خوابوں میں جو اقبال مندی کا یوسف (مدعا) ہے اسے بھیج دے،
ہمچو زلیخا بشبابم رساں	اور زلیخا کی طرح میرا شباب پھیر دے۔

چوں سرش از سجدۂ حق راست شد	جیسے ہی اس عورت نے سجدے سے سر اٹھایا،
دید بد انساں کہ ہمی خواست شد	تو کیا دیکھتی ہے کہ جیسا چاہا تھا ویسی ہو گئی۔
حُسن خودش چوں بنگہ باز خورد	جب اس نے اپنا حُسن آنکھوں میں تولا،
آئینہ گوئے دلش از دست برد	تو آئینہ دیکھتے ہی خود کو دل دے بیٹھی۔
دید کہ مہ چہرۂ و زیبا ستم	(آئینے میں) اس نے دیکھا کہ خوب رو ہوں، چاند کا سا مکھڑا نکل آیا
حیرت خویشم چہ تماشا ستم	ہے، یہ کیا تماشا ہے کہ خود اپنے پر حیرت ہو رہی ہے۔
چہرہ بر افروخت زتابِ عذار	رخساروں کی روشنی سے چہرہ دمکنے لگا،
یافت خزاں را سرو برگِ بہار	خزاں کو بہار کا سرو سامان میسر آگیا۔
ارث خمِ پشت بکاکل رسید	کمر کی ٹیڑھ (وہاں سے نکل کر) زلفوں کو وراثت میں پہنچی (زلفوں
سلسلۂ ناز بسنبل رسید	میں خم پڑ گئے) اور ناز کا سلسلہ سُنبل تک گیا (زلفیں سنبل کی طرح لہرانے لگیں)۔
قمری طاؤس پدید آمدہ	وہ بالکل مورنی سی بن گئی
چوں رمضاں رفتہ و عید آمدہ	گویا رمضان کا مہینہ گیا اور عید آئی۔
تازہ فسونے بہ تمنا دمید	تمنا نے نیا گل کھلایا،
شاد و نواں بر سر شوہر رسید	خوش خوش مٹکتی ہوئی اپنے شوہر کے پاس پہنچی،
تابِ عذارش بسیاہیِ موئے	اس کے رخساروں کی دمک نے زلفوں کی سیاہی سے مل کر،
زد شبخونے بہ دل و جانِ شوئے	شوہر کے جان و دل پر چھاپہ مارا

دست کشاد آں صنم شیر گیر دل بربود از کفِ دہقانِ پیر	اس زبردست شیرافگن مورنی نے ہاتھ بڑھایا اور بوڑھے کسان کا دل چھین لیا۔
شوہرش از وجد برقص اوفتاد دیدہ بگل چینی رویش کشاد	اس کا شوہر جھوم اٹھا، اور آنکھیں کھول کر اس کے حسن کے پھول چننے لگا۔
ترش شد از آں شوخی و برنائیش ساخت سراسیمہ تبہ رائیش	(شوہر) اس کی شوخی و جوانی سے آزردہ ہوا، عورت کی غلط اندیشی نے اسے پریشان کر دیا۔
بس کہ برآں دل شدہ مشکل فتاد باپسرش عربدہ در دل فتاد	اس عاشق پر مشکل پڑی، تو دل میں اپنے جوان لڑکے سے نزاع کیا، (یعنی بدگمان ہوا)
خاطرش از بند غم آزاد شد گرم شد و مست شد و شاد شد	آخر کار دل فکروں سے آزاد کیا، گرمی آئی، سرمست اور دل شاد ہوا۔
بہرہ ز امید رُبایاں ہمے حوصلہ آز فزایاں ہمے	امید باندھتے ہوئے، اور ہوس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے،
یافت پری در بر و دیوانہ گشت بازن و فرزند سوئے خانہ گشت	بغل میں پری آگئی تو وہ دیوانہ ہوگیا، اپنی بیوی اور بیٹے کو لے کر گھر کی طرف چل دیا۔
جلوۂ مقصود بہ آئینہ در حاصلِ آفاق بہ گنجینہ در	دل کی تمنا آنکھوں کے سامنے تھی، اور دنیا کی دولت خزانے میں آگئی تھی۔

خواست بکاشانہ در آید بناز — جی چاہتا تھا کہ شان سے اپنے (پرانے) گھر پہنچے،
تا درِ آں خانہ کشاید بناز — اور مکان کا دروازہ ناز سے کھولے۔

در حقِ ویرانہ دعائے کند — اپنے ویران گھر کے حق میں دعا کرے،
دعوتِ برگے و نوائے کند — سروسامان طلب کرے۔

حالِ وے از مال دگرگوں شود — مال و دولت ملنے سے اس کا حال کچھ سے کچھ ہوجائے،
گنج بیند و زر و قاروں شود — خزانہ بٹور کر قارون بن بیٹھے۔

خاک ز اکسیرِ دعا زر شود — دعا کی اکسیر سے مٹی بھی سونا ہوجائے،
ہم بدمی چند توانگر شود — اور منٹوں میں دولت مند ہوجائے۔

کرد جواں نیز تمنائے خویش — اس جوان نے بھی اپنے دل کی مراد مانگنا،
منحصرِ مسکن و ماوائے خویش — اپنے گھر (پہنچنے) پر موقوف رکھا۔

ہمچو پدر محو زر او بود نیز — باپ کی طرح بیٹے کو بھی روپے کی دھن تھی،
تشنۂ لعل و گہر او بود نیز — وہ بھی ہیرے جواہرات کا پیاسا تھا۔

شد بہ تگے چند خرام سفر — ابھی چند قدم چلے ہوں گے،
تکیۂ درویش نہاں از نظر — کہ اس مرد درویش کا تکیہ (ٹھکانا) آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔

بر دل از امید رقمہا زناں — دل میں امیدوں کی فہرست تیار ہوتی جارہی تھی،
دست فشاناں و قدمہا زناں — اور وہ تالیاں بجاتے، قدم مارتے چلے جارہے تھے۔

ہر یکے از رفتہ سگالش کناں	ہر ایک گزرے ہوئے واقعات کا خیال کرتا ہوا
بود دراں بادیہ چالش کناں	اس جنگل میں چلا جا رہا تھا۔
می بچمید ند بہ ذوقِ وطن	وطن پہنچنے کے شوق میں وہ اس طرح لہراتے جا رہے تھے
ہمچو نسیم سحرے در چمن	جیسے باغ میں صبح کی خنک ہوا۔
ماند چو کاشانہ بہ فرسنگ کے	جب گھر چند کوس پر رہ گیا
داد بروں ساز غم آہنگ کے	تو غم کے ساز سے ہلکی سی آواز نکلی۔
ناگہ ازاں بادیہ گردی بہ جست	اچانک جنگل میں غبار اٹھا۔
بر سر اقبال ہوسہا نشست	اور اقبال مندی کی ہوس پر گرد پڑی۔
از دلِ آں گرد سواری دمید	اس گرد و غبار کے اندر سے ایک سوار دوڑتا ہوا آیا۔
نے غلطم آئینہ زاری دمید	سوار تو نہیں البتہ، ایک آئینہ زار نمودار ہوا
جلوہ گر از آئینہ شہزادۂ	اس اجلی فضا سے ایک شہزادے کا جلوہ ابھرا،
دور ز فوج و سپہ افتادۂ	جو اپنی فوج سے بچھڑ گیا تھا۔
در پئے صیدے بہ ہوس میدوید	وہ ایک شکار کا پیچھا کرتے ہوئے اپنی دھن میں دوڑا جا رہا تھا،
تا بمنظر گاہ غریباں رسید	کہ ان مسافروں کی نظر کی زد میں پہنچا۔
شد نگہش بازنِ دہقاں دوچار	کسان کی عورت سے اس کی آنکھیں چار ہوئیں
گشت دل از ناوک نازش فگار	تو دل پر اس کی ادا کا تیر لگا۔

از سرِ ابرو، بہ ادائے شگرف	چتون کے لطیف اشارے سے،
کرد عبارات دل آہنج صرف	شہزادے نے دل کا مدعا ظاہر کردیا۔
در خمِ دامش چو بیفشرد تنگ	جب اس نے اپنے جال کے پھندے میں (عورت کو) کس لیا،
آں زنِ بیچارہ بگرداند رنگ	تو بیچاری عورت نے اپنا رنگ بدلا۔
کرد دل و جاں بہوایش اسیر	چاہ میں دل اور جان مبتلا ہوگئے،
رفت ز دل مہرِ کشاورزِ پیر	اور دل سے بوڑھے کسان کی محبت نکل گئی۔
گفت خوشا خوبی و جاہ و جلال	(دل میں) کہنے لگی کہ حسن وجمال اور رتبے کی واہ وا ہے،
شوہر اگر مال برد کو جمال	شوہر کو اگر مال مل گیا تو اس کو حسن وجمال کہاں حاصل ہے۔
شوخ و کش و نغز جواں یافتش	ایک چست پھرتیلا اور خوبرو جوان مل گیا،
سر بسر آرامشِ جاں یافتش	جس سے دل وجان کو راحت ملنے والی ہے۔
پشت ہوسہائے نہاں گرم کرد	اس کی دلی تمنائیں تیز ہوگئیں،
جائے در آغوشِ جواں گرم کرد	اور وہ اس جوان کے آغوش میں جانے کی ہوس کرنے لگی۔
عہدِ حقِ صحبت و الفت شکست	(اتنے زمانے کے) ساتھ اور الفت کا حق ڈبو دیا،
رنگ بہ رخسارۂ عصمت شکست	پاکیزگی کے رخسار کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔
در ہوسِ جلوۂ رنگِ حنا	مہندی کا رنگ لانے کی ہوس میں،
دست بیالود بخونِ وفا	اس نے وفا کے خون میں ہاتھ بھر لیے۔

رام نگہ دید دلآرام خویش	اپنے دل آرام کو جب دیکھا کہ وہ نظر کے جال میں پھنس چکا ہے
حیلہ بر انگیخت پے کام خویش	تو اپنے مطلب کا ایک حیلہ (تریا چرتر) نکالا۔
پردۂ آزرم ز رُخ بر گرفت	اس نے شرم وحیا کا پردہ چہرے سے اتار پھینکا،
مویہ کناں گریہ از سر گرفت	اور رونا پیٹنا شروع کر دیا۔
نالہ بر آورد کہ اے نوجواں	فریاد کرنے لگی کہ اے نوجوان،
داد زبے مہریِ ایں رہزناں	مدد کو دوڑو، ان ڈاکوؤں کے ظلم سے بچاؤ۔
خوش کسم و ہیچ کسم کردہ اند	میں اچھے گھر کی ہوں، مجھے انھوں نے بے حیثیت کر دیا۔
بلبلم و در قفسم کردہ اند	بلبل کو پنجرے میں قید کر کے رکھا ہے۔
زیور و پیرایۂ من بُردہ اند	میرا گہنا کپڑا سب اُتار لیا،
بیخودم از قافلہ آوردہ اند	بے بس کر کے قافلے سے اُتار لائے ہیں۔
زیں غم و دردم بہ درِ دل رساں	اِس رنج وغم سے مجھے دلی مُراد تک پہنچاؤ،
ہمرہِ خود گیر و بہ منزل رساں	اپنے ساتھ نکال لے چلو اور منزل تک پہنچا دو۔
خوش بہ غم خستہ رواناں برس	ستم زدہ جان کی مدد کرو،
نَغز جوانا بجواناں برس	تم اچھے جوان ہو، جوانوں کا ساتھ دو۔
بُرد جوانش بہ کمرگاہ دست	جوان نے اس کی کمر پر ہاتھ ڈالا،
داد پسِ خود بتگ و در نشست	اور (سہارا دے کر) گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔

بردو رواں گشت رواں ہمچو باد — اُسے لیا اور ہوا ہو گیا،
گرد رہش بر سرِ دہقاں فتاد — راستے کا گرد و غبار اڑ کر کسان کے سر پر پڑا۔

وقفِ ردیفش چو بدیں رنگ دید — جب (بوڑھے نے) دیکھا کہ سوار کے پیچھے کی سواری (ردیف) نے
قافیۂ صبر و سکوں تنگ دید — یہ رُخ اختیار کیا، تو اس کے صبر کا قافیہ تنگ ہو گیا۔

ماند بحسرت نگرانش کہ چہ — وہ حسرت سے دیکھتا رہ گیا،
سر بہ فلک سود فغانش کہ چہ — اس کی فریاد آسمان کو پہنچی کہ یہ کیا ہوا۔

نالہ نویدِ اثرے باز داد — فریاد کا فوراً اثر ظاہر ہوا،
ہاتفے از پردہ اش آواز داد — اور غیب کے پردے سے آواز آئی۔

کاے عَلَم قدرتِ ایزد بہ دست — کہ اے شخص خدا کی قدرت کا جھنڈا تیرے ہاتھ میں ہے،
ناوک دل دوز رہا کن ز شست — دل چھیدنے والا تیر (بددعا) کمان سے چھوڑ دے۔

تیر دعائے نفست بے خطاست — تیری دعا (بددعا) کا تیر نشانے پر ضرور پہنچے گا،
حکمِ ترا حکم خدنگِ قضاست — جو تیرا حکم ہوگا، حکمِ خدا کا تیر بھی اسی پر چلے گا۔

پیرِ خرف دُودِ فغاں بر کشید — بوڑھے کھوسٹ نے فریاد کا دھواں نکالا،
شعلہ شد و از دلِ خود سر کشید — اور شعلہ بن کر اپنے دل سے نکلا۔

زار بنالید بہ پیشِ خدا — خداوند عالم سے رو رو کر عرض کیا
گفت کہ اے صانعِ ارض و سما — کہ اے زمین و آسمان کے بنانے والے،

روزِ من از جوشش بلا تیرہ شد	مصیبت نے میری زندگی کو تاریک کر ڈالا،
چشمِ من از تابِ جفا خیرہ شد	ظلم کی شدّت سے میری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔
بخت دریں مرحلہ با من چہ کرد	تقدیر نے اب اس مقام پر پہنچ کر میرے ساتھ یہ کیا (کھیل) کیا،
نالہ گواہست کہ ایں زن چہ کرد	میری فریاد گواہ ہے کہ اس عورت نے کیسا سلوک کیا۔
انُدہِ من زہرہ گداز آمدہ ست	میری مصیبت نے پتہ پانی کر دیا ہے،
پیشِ تو سائل بہ نیاز آمدہ ست	تیرے سامنے بھیک مانگتا ہوں۔
خستہ دل از تیزیٔ رفتارِ او	اس عورت کی تیز چال سے دل ٹکڑے ہو گیا،
داد گرا کیفرِ کردارِ او	اے انصاف کرنے والے اس کے کرتوت کا بدلہ دے۔
سازِ تلافیٔ سلوکش بساز	جو برتاؤ اس نے کیا ہے، اس کا حساب ادا کر دے اور صورت
مسخ کن و مادہ خوکش بساز	بگاڑ کر اسے سؤرنی بنا دے۔
در خمِ پوزش بہ ادائے سجود	سرِ نیاز ابھی سجدہ ادا کرنے میں جھکا ہوا تھا،
بود لبش محوِ دعائے کہ بود	اور ابھی لبوں پر یہ دعا (بد دعا) جاری ہی تھی
کاں زنِ بد طینت و پیماں شکن	کہ اس بد فطرت اور بے وفا عورت نے اپنا آئینہ دیکھا اُسے
دید سیہ آئینۂ خویشتن	سیاہ پایا۔
خوک شد و بد نفسی ساز کرد	وہ سؤرنی بن چکی تھی اور بے ہودگی کرنے لگی تھی،
با سر و رو عربدہ آغاز کرد	سر اور چہرے سے ٹکریں مار رہی تھی۔

دید جواں کایں چہ بلا شد چہ شد	شہزادے نے دیکھا کہ یہ کیا مصیبت آگئی،
آہوئے خوک نما شد چہ شد	جو ابھی تک ہرنی تھی وہ سور نظر آتی ہے، یہ کیا ہو گیا؟
از دل شہزادہ بر آمد غریو	شہزادے کے دل سے چیخ نکلی،
زار بترسید ز آسیب دیو	وہ بھوت پریت کے خوف سے لرزنے لگا۔
غول بیاباں رگ جانش گرفت	ویران جنگل کے بھوتوں نے اس کا گلا دبا لیا، چاہتا تھا کہ چیخ
خواست بنالد کہ زبانش گرفت	پڑے (دہشت کے مارے) آواز نہ نکلی۔
راست زاسپش بہ زمین بر فگند	اس نے زین پر سے کھڑے قد
بر سرِ خاک از سرِ زیں بر فگند	زمین پر دھکا دے کر گرا دیا۔
گشت ہراساں و عناں در گسیخت	خوف سے گھبراہٹ میں اس نے بگٹٹ گھوڑا دوڑایا،
آب رُخ برق بجولاں بریخت	اور اس تیزی سے دوڑا کہ بجلی کو بھی پسینہ آجائے۔
واں زنِ فرتوت جواں گشتہ	اور وہ بڑھیا جو (ابھی) جوان ہو چکی تھی اور
در قفسِ خوک نہاں گشتہ	سورنی کے ڈھانچ میں پوشیدہ تھی۔
جانب شوئے و پسر خود دوید	اپنے شوہر اور بیٹے کی طرف دوڑی،
لابہ کناں در قدمِ شاں تپید	اور اُن کے قدموں میں عاجزی اور خوشامد سے لوٹنے لگی۔
جنبشِ دُم طرزِ ہوا داریش	دم ہلنے میں، ہوا خواہی کا انداز تھا، اور
سر زدن آئین طلبگاریش	سر مار کر وہ اپنی مراد ظاہر کر رہی تھی۔

حیف کناں براثر ساز خود	اپنے کئے پر پچھتاوا دکھانے کے لئے،
نوحہ برانگیخت بہ آواز خود	اس نے اپنی آواز میں فریاد کی، چیخی چلائی۔
تا پسرش را بہم آمد دروں	یہاں تک کہ بیٹے کا دل بھر آیا اور
کرد زبیتابیٔ خاطر جنوں	بے قراری سے وہ دیوانہ ہو گیا۔
مادر خود را بچناں حال یافت	ماں کو اس حال میں دیکھا،
چارہ سگالید وبزاری شتافت	تو تدبیر سوچی اور فوراً آہ وزاری شروع کر دی۔
کرد دعا صرف مددگاریش	(اپنے حصے کی) دعا ماں کی خاطر خرچ کر دی اور
زار بنالید بہ غمخواریش	ہمدردی میں رو رو کر عرض کیا
کاے اثر ایجاد نفسہائے ما	کہ اے (خدا) ہمارے سانسوں میں اثر دینے والے،
گر تو نہ بینی سوئے ماوائے ما	اگر تو ہی ہماری طرف رخ نہ کرے تو افسوس۔
رحمت خاصے بسر ما فرست	ہمارے حال پر اپنی خاص رحمت فرما،
مژدۂ آرامش جانہا فرست	روحوں کی تسکین کا سامان کر دے۔
ایں زن پیر آئینۂ عبرت ست	یہ بوڑھی عورت عبرت کا آئینہ ہے،
ننگ تخیل کدۂ صورت ست	اس (کی صورت) سے صورتوں کے عالم خیال کو شرم آتی ہے۔
حسن و جمالش ہمہ برباد رفت	اس کا حسن و جمال برباد ہو گیا،
صورت اصلیش ہم از یاد رفت	اور اصلی صورت بھی ذہن سے جاتی رہی۔

دَاغ نکو ہیدہ سرشتی چراست
خوبی اگر رفت بزشتی چراست

بدطینتی کا داغ کیوں لگا دیا،
خوبی اگر باقی نہ رہی تو برائی کیوں رہے!

کسوتِ ایں شکل بر آراز بَرَش
از وَسخِ مسخ بشو پیکرش

اس شکل کے لباس کو اس کے جسم سے دُور کر دے،
چہرہ جو بگڑ گیا ہے اس بگاڑ کو دھو ڈال۔

باز نخواہم کہ بد انساں کُنَش
صورت اصلے دہ وانساں کُنَش

پھر یہ نہیں چاہتا کہ اُسے ویسا (خوب صورت) کردے، البتہ
اصلی صورت دے، کر انسان بنا دے۔

نالہ ز توفیق اثر بہرہ برد
نقد تمنا بہ کفش در سپرد

فریاد حکمِ خدا سے اثر کو پہنچی،
اور تمنا کی نقدی اس کے ہاتھ میں سونپ دی گئی۔

کسوت آں خوک قبا گشتہ دید
پیکرے از پوست جدا گشتہ دید

دیکھا کہ اس سؤرنی کا بیرونی لباس قبا کی طرح کھل گیا،
اور جسم خول سے الگ ہو گیا،

پیر زنے پشت خم استادہ یافت
حرف وسخن را چو خود آمادہ یافت

بڑھیا کمر جھکائے کھڑی تھی،
اس نے دیکھا کہ وہ بھی اسی کی طرح بات کرنے کو تیار ہے۔

چشم بمالید و مژہ برشکست
باورش آمد کہ ہماں مامکست

آنکھیں ملیں، پلکیں جھپکائیں،
تو یقین آیا کہ یہ وہی اس کی چہیتی ماں ہے۔

روئے ہماں موئے سفیدش ہماں
چشم ہماں قوتِ دیدش ہماں

وہی چہرہ، وہی سفید بال،
وہی آنکھ، ویسی ہی بینائی؛

پشت خم و در بغل عصایش ہماں	وہی کمر جھکی ہوئی، ہاتھ میں لاٹھی تھامے،
وال لب و دنداں و صدائش ہماں	وہی ہونٹ، وہی دانت اور وہی آواز۔
آئینہ از زنگِ وساوس زدود	وسوسوں (وہمی فکروں) کے زنگ سے دل کا آئینہ صاف کیا،
شکر بہ درگاہِ الٰہی نمود	اور خدا کی درگاہ میں شکر ادا کیا۔
غالب اگر محرمِ معنی شوی	اے غالب اگر حقیقت کے راز کو جان لو تو
آئینہ پردازِ تسلّی شوی	تسکین کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔
تا نبود یاریٔ بختِ بلند	اگر تقدیر یاور نہ ہو تو
چارۂ عیسیٰ نفتد سودمند	حضرت عیسےٰ کے علاج سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔
نیم دعا گر شودے مستجاب	اور اگر آدھی دعا بھی قبول ہو جائے تو،
مفت بود سود بروں از حساب	خود بخود اتنا فائدہ (اثر) ہو کہ حد و حساب سے باہر
طالعِ آں بے سر و پایاں نگر	ان بے سروپا لوگوں کی قسمت دیکھو،
دستگہِ عقدہ کشایاں نگر	اور مشکلات حل کرنے والوں کے کمال پر نظر کرو۔
کز اثرِ رافتِ آں رازدار	کہ (خدا کے) اس رازداں بندے کی مہربانی کے اثر سے،
یافتہ ہر یک سرو برگِ بہار	ہر ایک کو آسائش کا سامان میسّر آگیا۔
رحمتِ حق جوشِ عطا ہا نمود	خدا کی رحمت نے بخشش کا جوش دکھا دیا
رنگِ اثر صرفِ دعا ہا نمود	اور اُن کی دعاؤں میں اثر بھر دیا۔

نورِ اجابت زکمیں جلوہ کرد — گھات سے (چپکے سے) قبولیت کا نور نمود ہو گیا،
شک زمیاں رفت ویقیں جلوہ کرد — شک دُور ہوا اور یقین نے اس کی جگہ لے لی۔

بود زبس طالعِ آناں نژند — مگر چونکہ ان لوگوں کی قسمت ہی الٹی تھی،
ہمتِ شاں قرعۂ پستی فگند — اس لیے ہمت بھی کی تو پستی کا قرعہ ڈالا (الٹی تدبیر کی)۔

شد سہ دعا باہمہ لطف اثر — تینوں دعاؤں نے دوسری تین مصیبتوں کے
صرفِ علاجِ سہ بلائے دگر — دُور کرنے میں اثر خرچ کر دیا۔

آں ہمہ آرائشِ حسنِ قبول — قبولیت کی جو رونق (ان کو میسّر آئی) تھی،
رنگِ ہوس باخت بگردِ فضول — اس نے فضول کے گرد و غبار میں ہوس کا رنگ بکھیر دیا۔

حاصل شاں زاں تگ و تازِ ہوس — انھیں ہوس کی بھاگ دوڑ میں جو کچھ ملا
رفتنی و آمدنی بود و بس — وہ بس اتنا تھا کہ اِدھر آیا اور اُدھر گیا۔

بخت چو پوید رہِ مکر و فریب — تقدیر جب دھوکے اور مکر کی راہ پر دوڑ لگائے
کیست کہ از اوج نیفتد بہ شیب — تو کون ہے جو بلندی سے پستی میں نہ گر جائے۔

عالمِ تقدیر چنین ست و بس — بس، یہ ہے تقدیر کا حال،
حاصلِ تحریرِ من این ست و بس — اور جو کچھ میں نے تحریر کیا اس کا نچوڑ بھی محض اتنا ہی ہے۔

مثنوی سوم

چراغِ دیر

نفس با صُورِ دمساز ست امروز	آج یہ عالم ہے کہ میرا دم صورِ قیامت کا ہم آواز ہے،
خموشے محشرِ راز ست امروز	اور خاموشی میں رازوں کی قیامت برپا ہے، وہ زبان پر آنے کے لیے بے قرار ہیں۔
رگِ سنگم شرارے مینویسم	میں پتھر کی رگ ہوں، چنگاریاں میرے قلم سے نکلتی ہیں۔
کفِ خاکم غبارے مینویسم	مٹھی بھر خاک ہوں (دل کا) غبار لکھ رہا ہوں۔
دل از شورِ شکایت ہا بجوشست	میرا دل شکایتوں سے ابل رہا ہے،
حباب بینوا طوفاں خروشست	ایک حقیر بلبلے میں طوفان کی شورش ہے۔
بلب دارم ضمیر آلا بیانے	میرے لبوں پر وہ بیان آ رہا ہے جس میں دل کا حال ہے،
نفس خوں کن جگر پالا فغانے	یہ سانس خون کرنے والی فریاد ہے جس میں جگر چھن چھن کر آ رہا ہے۔
پریشاں تر ز زلفم داستانیست	میری داستان زلف سے بھی زیادہ بکھری ہوئی ہے،
بہ دعوئ ہر سرِ مویم زبانیست	ایک ایک سرِ مو کو زبان ہونے کا دعویٰ ہے۔

شکایت گونۂ دارم ز احبَاب
کتانِ خویش میشویم بہ مہتاب

میں دوستوں سے اس طرح شکایت کر رہا ہوں، جیسے اپنا جامۂ کتاں چاندنی میں دھونے چلا ہوں (حالانکہ چاندنی میں یہ کپڑا پھٹ جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ شکایت بے اثر ہوئی)

در آتش از نوائے سَازِ خویشم
کبابِ شعلۂ آوازِ خویشم

اپنے ہی ساز کی آواز سے جل رہا ہوں،
اور خود میری آواز کے شعلے نے جلا کر کباب کر دیا ہے۔

نَفَس ابریشمِ سازِ فغان ست
بسَانِ نے، تبم در استخوان ست

فریَاد کے ساز پر میرا سانس ہی سَاز کا تار ہے،
بانسری کی مانند میری ہڈیوں میں آنچ بھری ہے۔

محیط افگندہ بیروں گوہرم را
چو گرد افشاندہ آہن جوہرم را

سمندر نے میرا موتی نکال کر باہر پھینک دیا، (تقدیر نے مجھے دہلی سے جدا کر دیا) اور لوہے نے میرے (فولادی) جوہر کو گرد کی طرح الگ جھاڑ دیا۔

ز دہلے تا بروں آوردہ بختم
بہ طوفانِ تغافل دادہ رختم

جب سے تقدیر نے مجھے دہلی سے نکالا ہے،
میرا سر و سامان لاپروائی کے طوفان کے حوالے کر دیا

کس از اہلِ وطن غمخوار من نیست
مرا در دہر پندارے وطن نیست

وطن والوں میں سے کوئی بھی میرا ہمدرد نہ رہا،
گویا دنیا میں میرا کوئی وطن ہی نہیں۔

ز ارباب وطن جویم سہ تن را
کہ رنگ و رونق انداین چمن را

اہلِ وطن میں تین آدمیوں کی مجھے تلاش ہے،
جن کے دم سے اس چمن کی رونق ہے۔

چو خود را جلوہ سنجِ ناز خواہم
ہم از حق فضلِ حق را باز خواہم

جب میرا دل چاہتا ہے کہ ناز کروں،
تو فضلِ حق (خیرآبادی) سے ملنے کی دعا کرتا ہوں۔

چو حرزِ بازوئے ایماں نویسم	اور جب ایمان کے بازو کا تعویذ یاد کرتا ہوں،
حسام الدین حیدر خاں نویسم	حسام الدین حیدر خاں کا نام لکھتا ہوں۔
چو پیوندِ قبائے جاں طرازم	اور روح کی قبا پر پیوند ٹانکنے کی باری آتی ہے،
امین الدین احمد خاں طرازم	تو امین الدین احمد خاں کی ضرورت پڑتی ہے۔
گرفتم کز جہاں آباد رفتم	میں نے مانا کہ جہاں آباد (دہلی) سے چلا آیا،
مرایشاں را چرا از یاد رفتم	لیکن ان (تینوں) کی یاد سے کیسے نکل گیا۔
مگو داغِ فراقِ بوستاں سوخت	یہ نہ کہو کہ وطن کی جدائی کا غم جلائے ڈالتا ہے،
غمِ بے مہریِ ایں دوستاں سوخت	دراصل ان دوستوں کی بے مروّتی کے غم نے مار ڈالا۔
جہاں آباد گر نبود الم نیست	اگر دہلی نہ ہو تو کوئی غم نہیں،
جہاں آباد بادا جائے کم نیست	دنیا آباد رہے جگہ کی کیا کمی۔
نباشد قحط بہرِ آشیانے	باغ میں پھولوں کی کسی (بھی) ٹہنی پر،
سرِ شاخِ گلے در گلستانے	کہیں بھی آشیانہ بن جائے گا، اس کی تنگی نہیں ہے۔
پس در لالہ زارے جا توانکرد	اب اس کے بعد ایک لالہ زار میں ٹھکانا بن سکتا ہے،
وطن را داغ استغنا توانکرد	اور وطن (سے جدائی) کا داغ دل سے بھلایا جا سکتا ہے۔
بخاطر دارم اینک گلزمینے	پھولوں کی اس سرزمین پر میرا دل آیا ہے،
بہار آئیں سوادِ دل نشینے	کیا اچھی آبادی ہے جہاں بہار کا چلن ہے۔

کہ می آید بدعویٰ گاہِ لافش
جہاں آباد از بہر طوافش

(یہ وہ مقام ہے) کہ مقام تفاخر میں،
دہلی اس کا طواف کرنے آتا ہے۔

نگہ را دعویٔ گلشن ادائی
ازاں خرم بہار آشنائی

اس مبارک اور عزیز بہار سے
نگاہ کو ادائے گلشن کا دعویٰ ہے۔

سخن را نازشِ مینو قماشے
زگلبانگِ ستائشہائے کاشے

کاشی (بنارس) کی تعریف میں خوش بیانی کی بدولت
کلام کو یہ فخر ہوتا ہے کہ فردوس ساماں ہوگیا۔

تعالی اللہ بنارس چشمِ بددور
بہشتِ خرم و فردوسِ معمور

سبحان اللہ، بنارس کو خدا نظر بد سے بچائے،
یہ ایک مبارک جنت ہے، یہ بھرا پُرا فردوس ہے،

بنارس را کسے گفتا کہ چینست
ہنوز از گنگ چینش بر جبین ست

کسی نے کہہ دیا کہ بنارس (حسن میں) چین کے مثل ہے،
(یہ تشبیہ بنارس کو ایسی ناگوار گزری کہ) آج تک گنگا کی موج اس کے ماتھے کا بل بنی ہوئی ہے۔

بخوش پُرکاریٔ طرزِ وجودش
ز دہلی می رسد ہر دم درودش

اس کے وجود کا انداز ایسا خوشگوار ہے کہ
دہلی ہمیشہ اس پر درود بھیجتا رہتا ہے۔

بنارس را مگر دیدست در خواب
کہ می گردد ز نہرش در دہن آب

شاید دہلی نے بنارس کو خواب میں دیکھ لیا،
تبھی تو دہلی کے منہ میں نہر (سعادت خاں) کا پانی بھر آیا ہے۔

حسودش گفتن آئینِ ادب نیست
ولیکن غبطہ گر باشد عجب نیست

اُسے (دہلی کو) حاسد کہنا بے ادبی ہے،
تاہم اگر بنارس پر رشک آتا ہو تو تعجب نہیں۔

تناسخ مشرباں چوں لب کشایند
بکیشِ خویش کاشی را ستایند

آواگون کا عقیدہ رکھنے والے لب کھولتے ہیں تو
اپنے مذہب کے مطابق کاشی کی تعریف یوں کرتے ہیں:

کہ ہر کس کاندراں گلشن بمیرد
دگر پیوندِ جسمانے نگیرد

کہ جو شخص اس باغ میں پران چھوڑے اس کی آتما نروان حاصل
کر لیتی ہے، پھر سے جسم کی مادیت سے میل نہیں کھاتی۔

چمن سرمایۂ امید گردد
بمُردن زندۂ جاوید گردد

اُس کی اُمید (نجات) کا سرمایہ چمن بن جاتا ہے،
کہ وہ مر کر زندۂ جاوید ہو جائے گا۔

زہے آسودگی بخشِ روانہا
کہ داغِ چشم می شوید ز جانہا

رُوح کو راحت بخشنے والے (اس مقام) کے کیا کہنے جو
رُوحوں سے نظرِ بد کا اثر بھی دھو ڈالتا ہے۔

شگفتے نیست از آب و ہوایش
کہ تنہا جاں شَوَد اندر فضایش

بنارس کی آب و ہوا کو دیکھتے ہوئے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ
اس کی فضا میں صرف آتما ہی آتما رہے۔

بیا اے غافل از کیفیتِ ناز
نگاہے بر پری زادانش انداز

اے شخص جو ناز کی کیفیت سے غافل ہے،
ذرا بنارس کے پری زادوں پر نگاہ ڈال۔

ہمہ جانہائے بے تن کُن تماشا
ندارد آب و خاک ایں جلوہ حاشا

اُن تمام آتماؤں کو دیکھو جن پر تن (کا خول) نہیں ہے،
وہ رُوپ ہے جسے پانی مٹی سے کوئی تعلق نہیں۔

نہادِ شاں چو بوئے گل گراں نیست
ہمہ جانند جسمے درمیاں نیست

اُن کی فطرت، ہلکی پھلکی ہے، پھول کی باس کی طرح،
یہ لوگ جان ہی جان ہیں، جسم حائل نہیں۔

خس و خارش گلستانست گوئی — اس شہر کا گھاس پھونس بھی گویا باغ ہے،
غبارش جوہرِ جانست گوئی — اور اس کا گرد و غبار بھی رُوح کا (لطیف) غبار ہے۔

دریں دیرینہ دیرستانِ نیرنگ — (دنیا کے) اس پرانے بت کدے میں جو ہمیشہ رنگ بدلتا رہتا ہے،
بہارش ایمن ست از گردشِ رنگ — بنارس کی بہار رنگ کی تبدیلی سے محفوظ ہے۔

چہ فروردیں، چہ دی ماہ و چہ مرداد — چاہے بہار کا موسم ہو، خزاں کا ہو یا گرمی کا،
بہر موسم فضایش جنت آباد — ہر موسم میں یہاں کی فضا جنت جیسی رہتی ہے۔

بہاراں در شتا و صیف ز آفاق — سخت سردی اور سخت گرمی کے موسم میں دنیا بھر سے بہار اپنا
بکاشے می کند قشلاق و ییلاق — سامان لپیٹ کر، سردی و گرمی گزارنے بنارس آجاتی ہے۔

بوَد در عرضِ بال افشانیٔ ناز — خزاں کا موسم جب یہاں ظہور کرتا ہے،
خزانش صندلِ پیشانیٔ ناز — تو وہ بنارس کے لیے چندن کا ٹیکہ ہوتا ہے۔

بہ تسلیم ہوائے آں چمن زار — اس چمن زار (بنارس) کی ہوا کے آگے سر جھکاتے ہوئے،
ز موجِ گل بہاراں بستہ زنّار — بہار موجِ گل کا جنیو باندھ لیتی ہے۔

فلک را قشقۂ اش گر بر جبیں نیست — اگر آسمان نے ماتھے پر اس کا تلک نہیں لگایا تو،
پس ایں رنگینیٔ موجِ شفق چیست — پھر یہ شفق کی لہروں کی رنگینی کیا ہے؟

کفِ ہر خاکش از مستے کنشتے — اس شہر کی ہر مٹھی خاک مستی کی وجہ سے عبادت گاہ ہے،
سرِ ہر خارش از سبزے بہشتے — اور اس کا ہر ایک کانٹا سبزی میں بہشت ہے۔

سوادش پائے تختِ بُت پرستاں سراپایش زیارت گاہِ مستاں	اس شہر کی آبادی بُت پرستوں کی راجدھانی ہے، اوّل سے آخر تک وہ مستوں کا تیرتھ ہے۔
عبادت خانۂ ناقوسیانست ہمانا کعبۂ ہندوستانست	سنکھ پھونکنے والوں کا عبادت خانہ، اور واقعی ہندوستان کا کعبہ ہے۔
بتانش را ہیولیٰ شعلۂ طُور سراپا نورِ ایزد چشمِ بد دُور	اس کے حسینوں کا بدن جلوۂ طور سے بنا ہے، سر سے پاؤں تک خدا کا ہی نور ہے، اُسے نظر نہ لگے۔
میانہا نازک و دِلہا توانا زناداں نے بہ کارِ خویش دانا	اُن کی کمریں نازک اور دل مضبوط، الھڑپن ہوتے ہوئے بھی اپنے معاملے میں ہوشیار۔
تبسم بسکہ در لب ہا طبیعیست دہنہا رشکِ گلہائے ربیعیست	چونکہ اُن کے لبوں پر آپ سے آپ مسکراہٹ رہتی ہے، اس لیے اُن کے منہ بہار کے پھولوں سے زیادہ پُر بہار ہیں،
ادائے یک گلستاں جلوہ سرشار خرامے صد قیامت فتنہ دربار	اُن کی ادا ایک پورے باغ کا جلوہ ہے اور اُن کی چال میں سو قیامتوں کے فتنے جاگتے ہیں۔
بہ لطف از موجِ گوہر نرم روتر بناز از خونِ عاشق گرم دوتر	لطافت میں وہ موجِ گوہر سے زیادہ نرم رفتار اور بانکپن میں وہ عاشق کے لہو سے زیادہ تیز رو۔
زانگیزِ قد، اندازِ خرامے بپائے گلبنے گسترده دامے	قد کی اٹھان سے چال کا وہ (البیلا) انداز ہے کہ گویا پھولوں کے تھالے میں جال بچھا ہو۔

زرنگیں جلوہ ہا غارتگرِ ہوش بہارِ بستر و نوروزِ آغوش	اپنے رنگین جلوؤں سے وہ ہوش اڑا لے جائیں، بستر کے لیے بہار اور گود کے لیے نوروز ہیں۔
زتاب جلوۂ خویش آتش افروز بتانِ بت پرست و برہمن سوز	اپنے جلوے کی دمک سے شعلہ اٹھا دینے والی، ایسی مورتیاں جو خود مورتی پوجا کریں لیکن برہمن کو جلائیں۔
بسامانِ دو عالم گلستاں رنگ زتاب رُخ چراغانِ لب گنگ	دونوں دنیاؤں کے سروسامان کے ساتھ وہ باغ کی رنگینی ہیں (ایسی کہ) اُن کے چہروں کی روشنی سے گنگا کنارے چراغاں ہوتا ہے۔
رسانده از ادائے شست وشوے بہر موجے نویدِ آبروئے	اشنان کرنے کی وہ ادا کہ ہر ایک موجِ دریا کو آبرو کی نوید پہنچ جائے۔
قیامت قامتاں مژگاں درازاں زمژگاں برصفِ دل نیزہ بازاں	ان کے قدوقامت کیا ہیں، قیامت ہیں، لمبی لمبی پلکیں، جن پلکوں سے دل کی صف پر برچھیاں لگیں۔
بہ تن سرمایۂ افزائشِ دل سراپا مژدۂ آسایشِ دل	بدن ایسے کہ دل کو بڑھا دا ملے، اور سر سے پاؤں تک دل کی راحت کی خوشخبری۔
بہ مستی موج را فرمودہ آرام زنغزی آب را بخشیدہ اندام	اپنی مستی سے موج کو آرام عطا کرنے اور حسن ولطافت سے پانی کو جسم و جسمانیت دینے والی، (یعنی ان کا عالمِ مستی دیکھ کر موج ساکن ہو جاتی ہے اور ان کی خوش بدنی سے پانی مجسم ہو جاتا ہے)
فتادہ شورشے در قالبِ آب زماہی صد دلش در سینہ بیتاب	پانی کے بدن میں (اُن کے اتر آنے سے) آفت برپا ہو جائے، اور سینے میں مچھلیوں کے سے سو دل تڑپیں۔

زبس عرضِ تمنا می کند گنگ	دریائے گنگا چونکہ اپنی تمنا کے اظہار کو بے تاب ہے،
ز موج آغوشہا وا می کند گنگ	اس لیے موج کی صورت میں (ایک نہیں کئی) آغوشیں کھول دیتا ہے۔
ز تابِ جلوہ ہا بیتاب گشتہ	حسینوں کے جلوے دیکھ کر
گہرہا در صدفہا آب گشتہ	موتی ایسے بیقرار ہوتے ہیں کہ سیپ کے اندر ہی پانی پانی ہو جاتے ہیں۔
مگر گوئی بنارس شاہدے ہست	یوں کہو کہ بنارس اک دل رُبا حسین ہے،
ز گنگش صبح و شام آئینہ در دست	جس کے ہاتھ میں صبح و شام (سنگار کیلئے) گنگا کا آئینہ رہتا ہے۔
نیاز عکس روئے آن پری چہر	اس پری چہرہ (شہر) کے چہرے کا عکس (فوٹو) اتارنے کے لیے
فلک در زر گرفت آئینہ از مہر	آسمان نے سورج کا آئینہ سونے سے بنایا ہے۔
بنام ایزد زہے حُسن و جمالش	نامِ خدا، کیا اس کا حسن و جمال ہے
کہ در آئینہ می رقصد مثالش	کہ آئینے میں اس کا عکس رقص کرتا ہے۔
بہارستانِ حُسنِ لاابالیست	(یہ شہر) حسنِ بے پروا کا بہارستان ہے،
بکشورہا سمر در بے مثالیست	اور لاجواب ہونے میں ملکوں ملکوں اس کی کہانیاں مشہور ہیں۔
بگنگش عکس تا پرتو فگن شد	جب دریائے گنگا میں شہر نے اپنا عکس ڈالا
بنارس خود نظیرِ خویشتن شد	تو بنارس آپ ہی اپنی نظیر ہو گیا۔
چو در آئینۂ آبش نمودند	جب پانی کے آئینے میں اس کی صورت دکھا دی تو
گزند چشم زخم از وے ربودند	(یہ شگون پورا ہو گیا کہ) نظرِ بد لگنے کا اندیشہ نہیں رہا۔

بہ چیں نبود نگارستان چو اوئی بہ گیتی نیست شارستان چو اوئی	چین کے ملک میں بنارس جیسا نگارستان نہیں ہوگا، اور (چین کیا) ساری دنیا میں اس جیسی عمارتوں کا شہر نایاب ہے۔
بیاباں در بیاباں لالہ زارش گلستاں در گلستاں نو بہارش	اس کے لالہ زار جنگل جنگل بھرے ہیں، اور اس کے بسنت چمن در چمن پھوٹتے ہیں۔
شبے پرسیدم از روشن بیانے ز گردشہائے گردوں راز دانے	میں نے ایک رات کسی روشن بیان (یا روشن ضمیر شخص سے) جو زمانے کی گردشوں کا راز جانتا تھا، سوال کیا۔
کہ بینی نیکوئیہا از جہاں رفت وفا و مہر و آزرم از میاں رفت	کہ آپ دیکھ رہے ہیں، دنیا سے نیکی غائب ہو گئی، وفا، محبت اور دل جوئی کا پتا نہیں۔
ز ایمانہا بجز نامے نماندہ بغیر از دانہ و دامے نماندہ	ایمان کا صرف نام ہی نام رہ گیا ہے، جعل و فریب کے سوا کام نہیں چلتا۔
پدرہا تشنۂ خونِ پسرہا پسرہا دشمنِ جانِ پدرہا	باپ بیٹوں کے خون کے پیاسے ہیں، اور بیٹے باپ کی جان کے دشمن۔
برادر با برادر در ستیز ست وفاق از شش جہت رو در گریز ست	بھائی بھائی سے الجھا ہوا ہے، میل محبت ساری دنیا سے فرار ہوا جاتا ہے،
بدیں بے پردگیہائے علامت چرا پیدا نمی گردد قیامت	(قیامت کی) ایسی کھلی نشانیاں موجود ہیں، پھر قیامت کیوں نہیں آ جاتی؟

بنفخ صور تعویق از پے چیست	صور پھنکنے میں اب کاہے کی دیر ہے؟
قیامت را عنان گیر جنوں کیست	قیامت کو راہ میں کون روکے ہوئے ہے؟
سوئے کاشی باندازِ اشارت	وہ کاشی کی طرف اشارہ کرکے
تبسم کرد وگفتا ایں عمارت	مسکرا دیا اور بولا — یہ آبادی [قیامت روکے ہوئے ہے]
کہ حقا نیست صانع را گوارا	صانع عالم کو در حقیقت یہ گوارا نہیں،
کز ہم ریزد ایں رنگیں بنا را	کہ ایسی رنگین آبادی (بنیاد) ویران ہو جائے۔
بلند افتادہ تمکینِ بنارس	بنارس کا وقار اتنا بلند ہے کہ
بود بر اوج او اندیشہ نارس	قوتِ خیال اس کی چوٹی تک نہیں پہنچتی۔
الا اے غالبِ کار اوفتادہ	ہاں! اے غالب، تم ایک ناکارہ آدمی ہو،
ز چشم یار و اغیار اوفتادہ	اپنوں اور بیگانوں کی نظر میں گر چکے ہو۔
ز خویش و آشنا بیگانہ گشتہ	تم جو عزیزوں اور دوستوں کو بھول بیٹھے ہو،
جنوں گل کردہ و دیوانہ گشتہ	تم پر جنون کا دورہ پڑا اور دیوانے ہو گئے۔
چہ محشر سرزد از آب و گلِ تو	تمہارے خمیر سے یہ کس قیامت نے سر اٹھایا؟
دریغا از تو و آہ از دلِ تو	تم پر اور تمہارے دل پر افسوس ہے۔
چہ جوئے جلوہ زیں رنگیں چمن ہا	ان رنگین گلزاروں سے تمہیں جلوے کیا لینے ہیں، تم تو غم کھاؤ،
بہشتِ خویش شو از خوں شدن ہا	دل خون کرو اور اسی میں اپنی جنت بنا لو۔

جنونت گر بہ نفس خود تمام ست زکاشے تا بہ کاشاں نیم گام ست	اگر تمہاری دیوانگی اپنی جگہ بھرپور ہو، تو کاشی سے کاشان تک آدھے قدم کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔
چو بوئے گل ز پیراہن بروں آئی ز آزادی ز بندِ تن بروں آئی	پھول کی خوشبو کی طرح اپنے لباسِ ظاہری سے باہر آؤ، اور جسم کی جکڑبندی سے نکل کر آزادی کا سانس لو۔
مدہ از کف طریقِ معرفت را سرت گردم بگرد ایں شش جہت را	معرفت کی راہ ہاتھ سے نہ جانے دو، تمہارے قربان ان چھیوں سمتوں کا چکر لگاؤ۔
فرو ماندن بکاشی نارسائیست خدارا ایں چہ کافر ماجرائیست	کاشی میں رہ پڑنا کم ہمتی ہے، خدا کے لیے (سوچو تو) یہ کیا کافرانہ حرکت ہے۔
ازیں دعویٰ بہ آتش شوئے لب را بخواں غمنامۂ ذوقِ طلب را	جو دعویٰ کیا ہے اس پر اپنے لبوں کو آگ کا داغ دیکر پاک کرو، طلب کی لذّت کا غم نامہ (گھر سے بلاوے کا خط) پڑھو۔
بکاشی لختے از کاشانہ یاد آر دریں جنّت ازاں ویرانہ یاد آر	کاشی میں ذرا اپنے کاشانے (گھر) کی یاد کرو۔ اس جنّت میں رہ کر اس ویرانے کی طرف خیال دوڑاؤ۔
دریغا در وطن وا ماندۂ چند بخونِ دیدہ زورق راندۂ چند	افسوس، وطن میں کچھ مصیبت زدہ لوگ پڑے ہوئے ہیں، جو آنکھوں کے لہو میں اپنی کشتی کھے رہے ہیں۔
ہوس را پائے در دامن شکستہ با اُمید تو چشم خویش بستہ	(انھوں نے اپنے دل کی) خواہشوں کو بجھا کر رکھ لیا ہے اور تمہاری امید میں خود اپنی طرف سے بھی آنکھیں بند کرلی ہیں۔

به شهر از بیکسی صحرا نشیناں
بروئے آتشِ دل جاگزیناں

(یوں رہنے کو تو) شہر میں رہتے ہیں، لیکن بے کسی کے ہاتھوں جنگل میں بسیرا ہے، دل کی آگ پر زندگی بسر کرتے ہیں۔

مگر کاں قوم را دہر آفریدہ
ز سیماب بر آتش آرمیدہ

گویا ان لوگوں کو زمانے نے
اس پارے سے بنایا ہے جو آگ میں پڑا ہو۔

ہمہ در خاک و خوں افگندۂ تو
بحکم بے کسی ہا بندۂ تو

وہ سب لوگ آج تمہارے ہاتھوں خاک و خون میں پڑے ہیں،
اور بے کسی کے سبب تمہارے بندے ہیں (تمہارے ہاتھوں مجبور)۔

چو شمع از داغِ دل آذر فشاناں
بہ بزمِ عرضِ دعویٰ بے زباناں

شمع کے مانند اپنے دل کے داغ سے لَو دے رہے ہیں،
لیکن زبان پر حرفِ شکایت بھی نہیں لاتے۔

سر و سرمایہ غارت کردۂ تو
ز تو نالاں و در پردۂ تو

اُن کا سر و سامان بھی تم نے اپنے ہاتھوں لٹایا ہے،
تم سے وہ بیزار سہی لیکن تمہارا بھرم رکھنا چاہتے ہیں۔

از آنانت تغافل خوشنما نیست
بداغ شاں ہوائے گل روا نیست

اُن سے تمہارا غافل ہو جانا اچھا نہیں،
اُن کے دل میں داغ ہوں اور تم پھولوں کی چاہ میں مبتلا ہو جاؤ، یہ جائز نہیں۔

ترا اے بے خبر کاریست در پیش
بیابانے و کہساریست در پیش

اے بے خبر، تم ایک کام سے نکلے ہو،
اور اس راستے میں آگے جنگل اور پہاڑ بھی آتے ہیں۔

چو سیلابت شتاباں می تواں رفت
بیاباں در بیاباں میتواں رفت

تم کو تو سیلاب کی طرح تیزی سے گزر جانا ہے،
اور ایک کے بعد ایک بیابان کا سفر کرنا ہے۔

تُرا ز اندوہ مجنوں بُود بَاید خرابِ کوہ و ہاموں بود بَاید	تمہیں تو غم سے دیوانہ ہو جانا چاہیے تھا، پہاڑوں جنگلوں میں سر مارتے پھرنا تھا۔
تن آسانی بتاراجِ بلا دہ چو بینی رنج خود را رو نمادہ	جسمانی آسائش کو مصائب کے ہاتھ لٹوا دو، اور جب تمہیں دشواری نظر آئے تو اس کی منہ دکھائی میں اپنے آپ کو دے ڈالو۔
ہوس را سر ببالینِ فنا نہ نفس را از دلِ آتش زیر پا نہ	ہوس کا سر فنا کے سرہانے رکھ دو، (ہوس کو فنا کے گھاٹ اُتار دو) اور سانس کو دل کی قوت سے بیقرار رکھو۔
دل از تابِ بلا بگداز و خوں کن ز دانش کار نکشاید جنوں کن	مشکلات کی آنچ میں دل پگھلا کر لہو کر دو، عقل سے کام نہیں چلتا تو دیوانے ہو جاؤ۔
نفس تا خود فرو ننشیند از پائے دمے از جادہ پیمائی میاسائے	جب تک دم میں دم ہے چلتے رہو، ایک دم کو بھی تھک کر نہ بیٹھو۔
شرار آسا فنا آمادہ برخیز بیفشاں دامن و آزادہ برخیز	چنگاری کی طرح مٹ جانے پر کمربستہ ہو کر اٹھو، اور دامن جھاڑ کر آزاد نکل جاؤ۔
ز اِلاَّ دَم زن و تسلیمِ لاشو بگو اللہ و برقِ ماسوائے شو	"لا" (نفی) کو مان لو اور اِلاَّ (اثبات) کا دم لگاؤ، اللہ اللہ کہو اور اس کے سوا جو ہے اُسے پھونک دو۔ (دل و دماغ سے خارج کر دو)

مثنوی چہارم

رنگ و بو

بُود جواں دولتے از خسرواں
غازہ کشِ عارضِ ہندوستاں

ایک جواں دولت (ہری بھری سلطنت والا) بادشاہ تھا،
جس نے ہندوستان کے رخسار کو رونق دی تھی۔

بادۂ مستیِ دل را خُمے
از نمِ تر دستیِ خود قلزمے

دل کی مدہوشی کا (سرو ساماں اتنا تھا کہ) پورا مٹکا بھر،
اپنی فیض بخشی سے وہ بذات خود ایک سمندر تھا۔

مائدہ گسترده بہ پہنائے آز
عالمے از برگِ نوالش بہ ساز

اس نے مانگنے والوں کے حوصلے کے مطابق اپنا دسترخوان پھیلا رکھا
تھا، اور اس کی بخشش سے ایک دنیا کو ساز و سامان ملا تھا۔

آئینۂ صورتِ جود آمدہ
جودِ خود از وی بوجود آمدہ

وہ بخشش کی زندہ تصویر تھا،
یہاں تک کہ اس کے دم سے خود سخاوت کا وجود تھا۔

بستہ کمر بہرِ کشودِ ہمہ
بودہ زیانِ خود و سودِ ہمہ

اس نے سبھوں کی مشکلات حل کرنے پر کمر باندھ رکھی تھی،
اپنا نقصان اور دوسروں کا فائدہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔

وا بہ گل و خار چو آغوش ابر
پیش کفش غاشیہ بر دوش ابر

پھول ہو یا کانٹا، بادل کی طرح سب کے لیے اس کی آغوش کھلی تھی،
اس کے (فیض رساں) ہاتھ کے مقابلے میں بادل محض حکم بردار تھا۔

چرخ ز دستِ گہر افشانِ او
لطمہ خور موجۂ طوفانِ او

اس کے گوہر ریز ہاتھ سے (اس قدر بخشش ہوئی کہ)
آسمان طوفان کے تھپیڑے کھاتا تھا۔

داشتہ پئے طرحِ کرم ریختن
لعل و گہر بر سرِ ہم ریختن

جود و سخا کی بنیاد رکھنے کی خاطر،
وہ ہیرے جواہر کا بکھیر کرتا رہتا تھا۔

صبحدمے جلوہ برا و رنگ داشت
افسرش از موجِ شفق رنگ داشت

صبح کے وقت وہ تخت پر جلوہ افروز ہوتا تو
اس کے تاج پر شفق کے رنگ کی موج پھیلی رہتی تھی۔

دادہ بہر گوشہ صلائے کرم
ہر نفسش پردہ کشائے کرم

دُور دُور بخششوں کی عام دعوت دی جاتی تھی،
اور اس کا ہر ایک نفس کرم کے پردے اٹھا دیتا تھا

بہرہ پژوہندہ گروہا گروہ
سر زدہ چو لالہ ز دامانِ کوہ

عنایتوں کے طلب گار گروہ در گروہ
پہاڑ کے دامن سے لالہ کے پھول کی طرح سر اٹھائے چلے آتے تھے۔

در صفِ اربابِ طلب ناگرفت
نقشِ غمے بال زد و جا گرفت

یکایک ایک غم صورت آدمی بھی مانگنے والوں کی صف میں
بغیر کسی رکاوٹ کے آپہنچا اور جم کر کھڑا ہو گیا۔

تیرہ سر انجام حریفے چو آہ
کرد سیاہی ز درِ بارگاہ

یہ ایک سیاہ قسمت حریف تھا، آہ کے مانند،
دربار میں داخل ہو کر اپنی بدبخت صورت لیے سامنے آیا۔

جو لقیٔ زھرِ بلا خوردۂ
از رمِ طالع سرِ پا خوردۂ

ایک کمبل پوش جو مصیبت کا زہر پیے ہوئے تھا،
اور بدنصیبی نے جسے ٹھکرا دیا تھا،

از تب و تابِ دلِ خویش اخگرے
زیرِ لحافِ کفِ خاکسترے

اپنے دل کی تڑپ سے (سلگ سلگ کر) ایسا انگارہ بنا ہوا تھا،
جو مٹھی بھر راکھ کے غلاف میں ہو۔

بودہ زخاکستر اعضائے او
کلفتِ نظارہ سراپائے او

اس کے اعضا راکھ (کی طرح بے جان) تھے،
سر سے پاؤں تک دیکھنے میں تکلیف ہوتی تھی۔

ہیچ گہ از بخت نیاسودۂ
چہرہ بگردِ سفر اندودۂ

قسمت نے اسے کبھی راحت نہ دی تھی، اور
چہرے پر سفر کی گرد پڑی ہوئی تھی۔

سربسر آئینۂ عرضِ شکست
کہنہ گلیمے و کدوئے بدست

اس کا وجود شکست و ناکامی کی مکمل تصویر تھا،
پرانی کملی لپیٹے اور کاسہ گدائی ہاتھ میں لیے ہوئے۔

کہنہ گلیمے کہ زھر پینۂ
پردہ کشائے غمِ دیرینۂ

ایسا کہنہ گلیم جس کے ہر ایک پیوند اور تھگلی سے،
پرانے رنج و مصیبت کا راز کھلا جاتا تھا۔

شامِ بلا از رقمش کردۂ
سایہ چند از اثرش پردۂ

شامِ بلا اس کی رقم کردہ (بنائی ہوئی چیزوں) میں سے ایک تھی
اور اس کے اثرات میں سایہ بوم ایک پردہ تھا نحوست طاری تھی

از اثرِ تیرگیش در نظر
دودِ دلے بستہ تتق سربسر

اس کی سیاہی کے اثر سے یوں نظر آتا تھا جیسے
کسی کے دل کے دھوئیں نے پردہ تانا ہے۔

خشک کدو کاسۂ ناشستۂ
از نمِ زہراب عنا رُستۂ

اس کی سوکھی تونبی ایک میلا کچیلا کاسہ تھا،
یہ تونبی (کدو) زہرابِ غم کے پانی سے اُگی ہوگی۔

آب ز مغزِ سرِ مجنونِ درو
بادۂ گلفام شدے خونِ درو

اس کاسے میں مجنوں کے مغز کا پانی (دیوانگی کا نچوڑ) تھا،
اگر سُرخ شراب بھی ڈالی جاتی تو وہ خون بن جاتی۔

تاز روشِ زہرۂ بینش گداخت
سامعہ آتش کدۂ راز ساخت

جب اس نے اپنے انداز سے بینائی کا پِتّہ پانی کر دیا، تو اس کے
بعد سامعہ کو اپنے مافی الضمیر سے آتش کدہ بنایا (یعنی کچھ کہا)۔

گردِ بلا برسرِ نظارہ ریخت
از نفس آہنگ بہ پیغارہ ریخت

نگاہ پر مصیبت کی گرد ڈال دی،
طنز و طعن کے لیے زبان کھولی۔

کائے شہ آزادہ گدا نیستم
طالبِ ایثار و عطا نیستم

کہ اے بادشاہ، مردِ آزاد، میں کوئی فقیر نہیں ہوں،
نہ (آپ سے) ایثار یا عطا چاہتا ہوں۔

شانہ کشِ طرۂ سودا ستم
با تو فروشندۂ کالا ستم

میں تو دیوانگی کی زلف سنوارنے نکلا ہوں،
(میری خواہش ہے) کہ آپ کے ہاتھ اپنا مال بیچ دوں۔

کز کرم آوازہ در افگندۂ
شورِ صلایم بسر افگندۂ

چونکہ آپ نے اپنی بخششوں کی دھوم مچا رکھی ہے،
اور میرے سر پر آپ کی دعوتِ عام کا غلغلہ سوار ہے۔

بو کہ متاعم بہ بہائے رسد
وقتِ مرا از تو صفائے رسد

اس لیے امید ہے کہ میرے مال کی بھی قیمت لگے گی،
اور آپ کے دم سے میرے نحوست کے دن دور ہو جائیں گے۔

شہ پس ازاں کز نفسش راز جست
داد زر و دلق و کدو باز جست

بادشاہ کو جب اس کی زبان سے مدّعا معلوم ہوا تو
نقد دیکر اس سے وہ پرانا کمبل اور کشکول لے لیا۔

برد گلیم و زر زرش مایہ داد
مہر بہ بیعانگیِ سایہ داد

پھٹی پرانی کملی کے بدلے میں سرمایہ دیا،
گویا سائے کے بیعانے میں سورج بخش دیا۔

رفت فروشندہ و زر باز برد
مشتری آں جنس بخازن سپرد

مال بیچنے والا گیا اور رقم بھی لے گیا۔
خریدنے والے نے اس مال کو خزانہ دار کے سپرد کر دیا۔

گفت کہ ایں نقد بہ گنجینہ بہ
جائے دل اندر صدفِ سینہ بہ

(خزانہ دار سے) کہا کہ اس مال کا خزانے میں رہنا اچھا ہے،
دل کی جگہ سینے کی سیپ میں ہی مناسب ہے۔

خود نہ گلیم و نہ کدو بردہ ایم
ما دلِ غمدیدۂ او بردہ ایم

ہم نے نہ اس کی کملی خریدی، نہ تونبی،
اصل میں خریدا ہے اس کا دلِ غم زدہ۔

گرچہ بدیں مایہ چہ بالیم ما
لیک چو در پردہ سگالیم ما

اگرچہ یہ مال ہمارے کس کام کا،
لیکن جب ظاہری پردے کے اندر غور کرتے ہیں تو

در نظرِ مردمِ دانا دلست
نیک نگہدار ہمانا دلست

(یہ کھلتا ہے کہ) دانا آدمی کی نگاہ کا مرکز دل ہے، (وہ دل کو
دیکھتا ہے) خوب توجہ اور احتیاط رکھنا، یہ دل ہے۔

چوں روشِ نیّرِ گیتی فروز
پردہ فروہشتہ بر خسارِ روز

جب دنیا کو روشن کرنے والے ستارے (سورج) کی رفتار نے
دنیا کے رخسار پر اپنا پردہ چھوڑ دیا۔

خرقہ بر تن کردہ ز کحلے پرند چرخ بدریوزہ بر آمد نژند	تو آسمان جسم پر سُرمئی رنگ کی گودڑی لپیٹے، تھکا تھکایا بھیک مانگنے نکلا۔
در خم و پیچ روشِ جستجو شام گلیم آمد و ماہش کدو	تلاش کی راہ کے پیچ و خم میں، شام کی کملی اور چاند کی تونبی اس کے ساتھ تھی۔
شہ بشبستان حرم جائے کرد اطلسِ افلاک تہِ پائے کرد	(شام ہوئی تو) بادشاہ اپنے زنان خانے میں پہنچا، اور آسمان کا ریشمی فرش اس کے پاؤں تلے آیا۔
خلوت از و مژدۂ آرام یافت بسترِ خواب از تنش اندام یافت	تنہائی نے اس سے آرام کی خوش خبری پائی اور جسم بسترِ خواب پر پہنچ گیا۔
قند بہ طوفانِ مےِ ناب رفت چشمِ جہاں بیں بہ شکرخواب رفت	شراب خالص کے طوفان میں شکر گھل گئی (ہنگاموں کی جگہ رات کی مٹھاس حاصل ہوئی) اور دنیا پر نظر رکھنے والی آنکھ لگ گئی۔
تا نگہش پردگیٔ کار شد نقشے ازاں پردہ نمودار شد	جب اس کی نگاہ (زندگی کے) کاروبار سے پردے میں چھپ گئی۔ تو اس پردے پر ایک اور ہی نقش ابھرا۔
دید ز تمثال سراپائے حور ریخت گلِ جلوہ بجیبِ شعور	حور کا پیکر ترشا ہوا نظر آیا، جس نے شعور کے گریباں میں خوشنما جلوہ نمائی کی۔
رایتے از نور بر افراشتہ پردۂ رنگے بہ گل انباشتہ	اس نے ایک نورانی جھنڈا اُٹھا رکھا تھا۔ اور رنگ کے پردے کو پھولوں سے بھر رکھا تھا۔

پیکرے از لطف فراہم شدہ
صافیٔ آئینہ مجسم شدہ

نفاست کے اعضا سے بنا ہوا ایک جسم،
جس میں آئینے کی لطافت مجسم ہو گئی تھی۔

جلوۂ گل مشعلہ دار رہش
فرِ ہما گرد و غبار رہش

پھول کا جلوہ اس کی راہ کا مشعل بردار،
اور ہما کی شان اس کی راہ کا گرد و غبار۔

در نظر از شوخیٔ اعضائے او
بودہ چمن خیز سراپائے او

بدن کی شوخی ایسی تھی کہ
اس کے سراپا سے نگاہ کے سامنے چمن لہلہاتا معلوم ہوتا تھا۔

گل بہ گریبانِ جہاں دار ریخت
زمزمۂ رخصتے از تار ریخت

اس پری پیکر نے بادشاہ سلامت کے گریبان میں انگارہ ڈال دیا،
یعنی رخصت کا نغمہ چھیڑا۔

شاہ فرو ماند و پژوہید راز
کائے زمنت مژدہ بفرمائے باز

بادشاہ حیرت میں پڑ گیا اور اس نے حقیقت پوچھی،
کہ مجھ سے تجھے خوشخبری پہنچے، تو بتا؛

کیستی و ایں ہمہ تصدیع چیست
آئینہ پردازیٔ تودیع چیست

تو ہے کون؟ اور یہ تکلیف کیوں کی؟
رخصت چاہنے کا کیا مطلب؟

گفت کہ من دولت و مال توام
آئینۂ جاہ و جلال توام

وہ بولی کہ میں آپ کی مال و دولت ہوں،
آپ کے جاہ و جلال کا ہی آئینہ ہوں۔

شمع طرب محرم نور از منست
روشنی بزم سرور از منست

خوشی کی شمع کو میرے دم سے نور میسر ہوتا ہے،
اور عیش کی محفل کی روشنی مجھی سے ہے۔

23934

بودہ ام آئینۂ تمثالِ تو
صورتِ معقولۂ اقبالِ تو

میں آپ کے تمثال (مورت یا مثالی پیکر) کا آئینہ ہوں،
اور آپ کے اقبال کی عقلی صورت ہوں۔

بوئے گلیمے بدماغم زدے
سیلیٔ صرصر بچراغم زدے

(اب آپ نے) میرے دماغ پر پھٹے پرانے کمبل کی بدبو پھیلادی،
اور میرے دماغ کو آندھی کا جھونکا لگادیا۔

ہیں کہ مرا از تو دریں دیو لاخ
حوصلہ تنگ ست و بیاباں فراخ

افسوس اس بھوت گھر میں میرا دم گھٹا جاتا ہے،
اور میدان بہت وسیع ہے (اس لیے میں جاتی ہوں)

رفتم و وا رستم از آزارِ تو
باد خدائے تو نگہدارِ تو

اب میں چلی اور آپ کی زیادتیوں سے آزاد ہوگئی،
خدا آپ کا نگہبان ہو۔

ہمتِ شہ عجز تقاضا نہ کرد
ہیچ ازاں عربدہ پروا نہ کرد

بادشاہ کے ظرف نے گوارا نہ کیا کہ اسے منت سماجت کرکے روکے۔
اس ناگواری کی ذرا پروا نہ کی۔

برگِ رضا دادش و خوشنود کرد
دم زشکرنے زد و پدرود کرد

بادشاہ نے اسے (جانے کی) اجازت دے دی اور خوش کردیا۔
خوبی کی بات یہ کی کہ اسے رخصت کردیا۔

برقِ دگر بر اثرش ریخت باز
جلوہ دیگر ز در آمد فراز

اس کے جاتے ہی ایک اور بجلی چمکی اور،
دروازے سے دوسرا جلوہ نظر آیا۔

ہیکلے از کوہ تنومند تر
بودہ از و جبہۂ الوند تر۔

ایسا زبردست قدوقامت تھا کہ پہاڑ سے زیادہ بھاری بھرکم،
جسے دیکھ کر الوند پہاڑ کے ماتھے پر پسینہ آجائے۔

پیل تنے کز پئے عرضِ شکوہ
رستہ رگِ گردنش از مغزِ کوہ

ہاتھی کا سا زور آور بدن تھا، دبدبہ ظاہر کرنے کے لیے اس کی گردن
کی رگ پہاڑ کے اندر سے ابھری معلوم ہوتی تھی۔

چینِ جبینش زغضب تیغ زن
تیزیِ تیغش شغبِ بختِ تن

اس ماتھے پر پڑے ہوئے بل غصے کے مارے تلوار بن گئے تھے،
اور اس کی تلوار کی تیزی بدن کی تقدیر تباہ کر دینے والی تھی۔

رندِ قوی پنجۂ خصم افگنے
جم سر و برگے و تہمتن تنے

وہ مضبوط پنجے والا ایک منچلا تھا جو دشمن کو مار گرائے،
شان و شکوہ میں جمشید کی طرح، بدن میں رستم کے مانند۔

گفت منم قوتِ دیرینۂ تو
طاقتِ سرپنجہ و بازوئے تو

اس نے بتایا کہ میں آپ کا زور ہوں،
اور آپ کے پنجے کی طاقت۔

حلقہ بگوشِ توام ار سرکشم
آبِ توام گر بہ نہاد آتشم

اگرچہ میں سرکش ہوں مگر آپ کا فرماں بردار،
اگرچہ میری فطرت آگ کی ہے لیکن آپ کے سامنے پانی ہوں۔

پشتِ من از مژدۂ دولت قویست
دلق و کدو مایۂ بے دولتیست

دولت کی خوش خبری سے میرا پلہ بھاری رہتا ہے،
لیکن گودڑی اور تونبی بے دولتی کا سامان ہے۔

با تو دگر نام و نشانم مباد
جا بہ تنِ نکبتیانم مباد

اب مجھے آپ سے کوئی نسبت نہیں،
جو لوگ افلاس کے طرفدار ہوں ان کے ساتھ میری سمائی نہیں

بال فشاں گشت و زدنبال رفت
بر اثرِ پیکرِ اقبال رفت

وہ پر جھٹکتا ہوا پیچھے کی طرف چل دیا۔
جدھر [شاہی] اقبال سدھارا تھا ادھر اس کے پیچھے زورِ بازو
بھی رخصت ہوا۔

بس کہ دراں فتنہ محابا نہ رفت
تاب و تواں رفت و دل از جا نہ رفت

اس ہنگامے میں کوئی شور و شر نہیں ہوا تھا، اگرچہ بادشاہ کی قوت جاتی رہی تاہم دل قابو میں رہا۔

نورے ازاں پردہ بروں تافت باز
دیدۂ شہ روشنی یافت باز

پھر اس پردے سے ایک نور آشکار ہوا، جس کے دیکھنے سے بادشاہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

بوئے گلے با نفس آمیختہ
صورتے از مایۂ جاں ریختہ

اس کے سانس میں گلاب کی مہک بسی ہوئی تھی، گویا روح کے جوہر سے صورت بنائی گئی تھی۔

دامنِ برچیدہ بدست اندرش
ہر مژہ برہم زدنے شہپرش

اٹھایا ہوا دامن ہاتھ پر ڈالے ہوئے، اس کا یہ شہپر (دامن) ہر ایک کی پلک جھپکانے والا تھا۔

چہرہ بخوناب جگر شستۂ
چوں نفس از پردۂ دل رستہ

دل کے خون سے چہرہ دھوئے ہوئے اور سانس کی طرح دل کے پردے سے نکلا ہوا۔

راد حریفے کہ چو ساغر زند
خون دو عالم بقدح در زند

ایک دریادل شراب خوار کہ جب ساغر اٹھالے تو پیالے میں دونوں جہاں کا لہو گھول کر پی جائے۔

رفتگی از غاشیہ دارانِ او
بے خودی از باج گزارانِ او

بے فکری اس کے غلاموں میں تھی، اور بے خودی اس کی ایک باجگذار۔

جلوہ گرے آفت نظارۂ
برق ز تمثال وے انگارۂ

اس کا جلوہ آنکھوں کو چوندھیانے والا اور بجلی اس کے پیکر کا ایک کچا خاکہ۔

رنگِ گل آئینہ دیدار او
موجِ پری جوہر رفتار او

پھول کا رنگ اس کے چہرے سے جھلکتا تھا،
اور اس کی رفتار کا جوہر پری کی موج تھا۔

جلوۂ جنت ز غبارِ رہش رَے
چشمۂ کوثر ز محیطش نمے

جنت کا حسن اس کے غبارِ راہ کی ایک لہر تھی اور
کوثر کا چشمہ اُس کے سمندر کی معمولی سی تری۔

نشہ ز صہبا و رسیدن ازو
خوں ز جگرہا و دویدن ازو

شراب کا نشہ اس سے پورے لطف کو پہنچتا،
جگر کا لہو اسے دیکھ کر دوڑنے لگتا۔

ولولہ در جاں و دل شاہ ریخت
طرح قیامت بہ نظرگاہ ریخت

بادشاہ کے جان و دل میں اس نے جوش پیدا کر دیا
اور آنکھوں کے سامنے قیامت کا منظر آگیا۔

گفت من آئینہ نازِ توام
ہمت آفاق گدازِ توام

کہنے لگا کہ میں آپ کے فخر و ناز کا آئینہ ہوں،
میں آپ کا وہ حوصلہ ہوں جو دنیا کو پگھلا ڈالے۔

آمدہ پیشم ز درت دوریے
آمدہ ام پیش تو دستوریے

اب آپ کے دروازے سے دُور جانا ہے،
اور اجازت لینے حاضر ہوا ہوں۔

شاہ سر از مُلتمسش باز زد
چنگ بداماں وی از ناز زد

بادشاہ نے اس کی درخواست سے منہ پھیر لیا،
اور ناز سے دامن تھام لیا۔

گفت دریغا چہ ستم میکنے
رام کہ کایں ہمہ رم میکنے

اور کہا کہ ہائیں، یہ کیا ستم کرتے ہو؟
کس کی پابندی ہے جو یوں ہم سے بھاگے جاتے ہو؟

فارغ از اندیشۂ امید و بیم — امید اور خوف کے جنجال سے آزاد ہو کر،
گنج فشاندن بہ بہائے گلیم — گودڑی کے بدلے خزانہ لٹانا،

مایۂ تشویش نگہداشتن — فکروں کا سرمایہ مول لینا اور
خاطر درویش نگہداشتن — بے سروسامان لوگوں کے دل کو ٹھیس نہ لگنے دینا،

دولت و اقبال بر انداختن — دولت اور اقبال مندی دونوں ہاتھ سے جانے دینا،
آئینہ در رہ گذر انداختن — اور راستے میں آئینہ ڈال دینا،

بر اثر بخت رواں باختن — تقدیر کے اثر میں جان پر کھیل جانا،
دست و دل و تابِ تواں باختن — بازو دل اور قوت سب کچھ گنوا دینا،

آں ہمہ پرواز بہ بال تو بود — یہ سب اڑان تیرے بازوؤں کی بدولت میسر تھی،
شوخیٔ آہنگ کمال تو بود — اور ارادے کی پرواز تیرا ہی کمال تھی۔

منکہ کنوں جز تو ندارم دِگر — اب میرے پاس تیرے سوا کیا رہ گیا ہے،
دامنت از کف نگزارم دِگر — ایک تیرا دامن ہے جو میں نہیں چھوڑ سکتا۔

ریشۂ مہر تو بجانِ منست — تیری محبت کی جڑیں میری روح میں اتری ہوئی ہیں،
مغز تو اندر ستخوانِ منست — اور میری ہڈیوں کے اندر تیرا گودا بھرا ہے۔

شمع و چراغِ شب تارم توئی — میری اندھیری رات کا چراغ تو ہی ہے،
خاکم و سامانِ بہارم توئی — (اے ہمتِ بلند) میں مٹی ہوں اور تو اس کی بہار ہے۔

برقِ خرابی بسوادم مزن
آتشِ حسرت بہ نہادم مزن

میری آبادی کو ویرانی کی بجلی سے نہ پھونک،
اور میری فطرت میں حسرت و ناکامی کی آگ نہ لگا۔

اے ز تو کارِ دو جہاں ساختن
چوں تو نباشی چہ تواں ساختن

تیری ہی بدولت دونوں جہان کے کام بنتے ہیں،
اگر ہمت ہی نہ رہی تو پھر کچھ بات نہیں بننے والی۔

ہمت از آنجا کہ تقاضائے اوست
کرسیِ نُہ پایہ تہِ پائے اوست

یہ ہمت کا تقاضا ہے۔ (وہ خود اس قدر بلند ہے کہ) نُو پایۂ
(آسمان) کی کرسی اس کے پاؤں تلے ہے۔

خواریِ سائل نہ پسندد ہمی
در بہ رُخِ عجز نہ بندد ہمی

وہ مانگنے والے کو ذلیل کرنا پسند نہیں کرتی،
اور عاجزی سے کوئی پیش آئے تو اس پر دروازہ بند نہیں کرتی۔

جوشِ گل از حسنِ خداداد زد
بوسہ بدستِ شہِ آزاد زد

فطری حسن سے رنگ اس کے چہرے پر آگیا،
اس نے بڑھ کر بادشاہ کا ہاتھ چوما۔

ریخت گل غمزہ بجیبِ امید
داد ز خرسندیِ خویشش نوید

اس نے امید کے دامن میں نگہ ناز کا پھول پھینکا،
اور اپنی خوشنودی کا اعلان کیا۔

گفت کہ از بندِ غم آزاد باش
من بتو شادم تو بمن شاد باش

(ہمتِ آفاق گداز نے) کہا کہ اب آپ ہر ایک غم سے آزاد ہو جائیں،
میں آپ سے خوش ہوں آپ مجھ سے خوش رہیے۔

جانِ وفا زندہ ببوئے تو باد
جلوۂ من غازۂ روئے تو باد

آپ کی مہک سے وفا کی رُوح شاد رہے۔
اور میرے جلوے سے آپ کا چہرہ روشن ہو۔

دولت و اقبال غلام تو باد — دولت اور اقبال دونوں آپ کے غلام رہیں،
تاب و تواں بادۂ جام تو باد — اور آپ کے جام میں قوت اور زور چھلکتا رہے۔

کایں ہمہ قائم بوجود منست — کیوں کہ یہ سب کے سب میرے وجود سے قائم ہیں (نہ صرف یہ
بل ہمہ موجود ز جودِ منست — کہ میں ساتھ ہوں تو یہ بھی ہیں) بلکہ میرے کرم سے ان [صفات]
کا وجود ہے۔

بال و پر نشہ ز صہبا ستے — نشے کی اڑان شراب کے دم سے ہے،
دستگہِ قطرہ ز دریا ستے — اور قطرے کی حیثیت دریا کی بدولت ہے۔

نشہ بود دولت و صہبا منم — دولت تو محض نشہ ہے، اس کی شراب میں (ہمت بلند) ہوں،
قطرہ بود سطوت و دریا منم — دبدبہ اور شان ایک قطرہ ہے اس کا دریا میرا وجود ہے۔

صورتِ من معنیٔ آزادیست — میری صورت سے آزادی کے معنی کھلتے ہیں،
پیشۂ من مردُمی و رادیست — اور میرا پیشہ ہے جواں مردی اور سخاوت۔

ہمچو من آزاد سبکبار شو — آپ بھی میری طرح آزاد اور بے فکر رہیے،
دہ ہمہ و ہیچ خریدار شو — سب کچھ دے ڈالیے اور بے حیثیت متاع خریدیے۔

در شو و بر روئے وفا باز باش — دروازہ بن جائیے، ایسا دروازہ، جو وفا کے لیے ہمیشہ کھلا رہے۔
در رہِ دل خانہ برانداز باش — ہمت کی راہ میں گھر بار لٹا دیجیے۔

در دل از آزار دل اندیشہ کن — صرف دلآزاری سے بچتے رہنا چاہیئے،
گنج برافشاں و کرم پیشہ کن — آپ خزانہ بکھیریے اور کرم کا پیشہ باقی رکھیے۔

یاوری از بخت و کرامت ز تست
دیر بمان ایکہ سلامت ز تست

بلند ہمتی آپ کا شیوہ ہے اور یاوری کرنا تقدیر کا کام ہے،
آپ عرصہ دراز تک زندہ رہیں کہ سلامتی آپ کے دم سے ہے۔

غالب افسردہ دل و جاں بیا
بے سر و پا در صفِ رنداں بیا

ہاں اے افسردہ دل، افسردہ جاں غالب آؤ،
رندوں کی صف میں یوں ہی بے تحاشا چلے آؤ۔

بے خبراں را خبرے بازدہ
زاں مے دیریں قدحے بازدہ

جو لوگ بے خبر ہیں اُن کو کچھ خبر سناؤ،
اور اسی پرانی شراب کے ایک دو جام اُن کو بھی دو۔

آں اثر پردۂ سازت چہ شد
زمزمۂ خارہ گدازت چہ شد

وہ جو تمہارے نغمے کی تاثیر تھی، وہ کیا ہوگئی؟
جس سے پتھر پانی ہو جاتے تھے، وہ زمزمہ کہاں گیا؟

آں ز جنوں پردہ کشائیت کو
ولولۂ سلسلہ خائیت کو

دیوانگی کے آثار میں کھل کھیلنا اب کہاں ہے؟
زنجیر چبا ڈالنے کا جوش کہاں گیا؟

آں نفسِ نالہ کمندت کجاست
واں نگہ جلوہ پسندت کجاست

وہ سانس جو فریادوں کی کمند میں پھینکا کرتا تھا اب کدھر گیا،
اور تمہاری حسن دوست نگاہ کہاں ہے؟

در ہوسِ جاہ فرو رفتۂ
حیف کہ در چاہ فرو رفتۂ

تم منصب اور حیثیت کے لالچ میں پڑ گئے،
افسوس کہ کنویں میں ڈوب گئے۔

راہ غلط کردہ بافسونِ دیو
می سپری مرحلۂ رنگ و ریو

شیطان نے تمہیں ورغلایا اور تم بھٹک گئے،
اب فریبِ نظر کی راہوں میں چلے جا رہے ہو۔

تا پئے نیرنگ و فن افتادہ ای	جب سے تم جھوٹ فریب کے جال میں پھنسے ہو
از نظرِ خویشتن افتادہ ای	خود اپنی نظر سے بھی گر گئے۔
بندۂ زر بودن از اہرمنیست	روپے کی غلامی میں تڑپنا شیطانی حرکت ہے،
مردِ خدا ایں چہ خدا دشمنیست	مردِ خدا کیا کفر کرتے ہو؟
آہ ز دنیا طلبہائے تو	ہائے افسوس تمہاری یہ دنیا طلبی،
ویں ہمہ ابرام و تقاضائے تو	خوشامد اور دستِ سوال دراز کرنا۔
گرمیٔ خونت کہ ازیں پیش بود	اب سے پہلے تمہارے خون میں جو گرمی تھی،
صرفِ برانداختنِ خویش بود	وہ خود کو (جہاں تہاں) گرانے کے کام آئی۔
آتش ہنگامہ بجاں داشتے	تمہاری رُوح میں ہنگاموں کے شعلے لَو دیتے تھے،
داغِ مغاں شیوہ بتاں داشتے	تم مے نوش حسینوں کا داغ لیے پھرتے تھے۔
بود بہ پیچ و خم سودائے کار	اپنی دُھن کی الٹی سیدھی راہوں میں تمہارا کام حسینوں کی زلف کی
کار تو چوں زلف بتاں تارمار	طرح پریشان تھا کہ سیاہ بھی اور سانپ کی طرح (بل کھائی ہوئی) بھی۔
بسکہ ہمیں تیرہ تر از شام بود	تمہارا دن شام سے بھی زیادہ تاریک تھا اور
روزِ تو داغ دل ایام بود	اسی سبب سے زمانے کے دل کا داغ بن گیا تھا۔
چشم پریشاں نظرے داشتی	تمہاری آنکھیں بھٹکتی رہتی تھیں،
جلوہ بہر رہگزرے داشتی	اور ہر گلی کوچے میں نگاہ جلوؤں سے الجھتی تھی۔

بسکہ بلا بر اثر انداختے — چونکہ بلائیں اپنے پیچھے لیے پھرتی تھیں،
دیدہ بصد جا سپر انداختے — اس لیے آنکھوں کو تو جگہ جگہ سپر ڈالنی (اور ہار ماننی) پڑتی تھی۔

زاں ہمہ اجزائے زمانیکہ رفت — وہ تمام وقت جو گزر چکا ہے،
واں ہمہ خونابہ فشانے کہ رفت — اور اپنے بدن کا جتنا لہو بہا چکے ہو۔

ہرچہ کنوں میرسدم در نظر — اس کا ماحصل جو میں دیکھتا ہوں، وہ اسی قدر ہے کہ
شاہد و شعر ست و شراب و شکر — دل ربا، شاعری، شراب اور مٹھاس۔

ہراخ بسا روز گذشت ایں چنیں — اسی انداز پر بہت زمانہ گزر گیا،
آہ زعمرے کہ گذشت ایں چنیں — افسوس ان مشغلوں میں کیسی عمر برباد ہوئی ہے۔

حاصل ایں مایہ تباہی کہ ہست — وہ جس قدر تباہی ہو چکی ہے اس کا حاصل،
خاصہ بدیں روئے سیاہی کہ ہست — درخاص کر یہ روسیاہی جو ملی ہے اس کا نتیجہ۔

آں ہمہ دیوانگی و جاہلی — (یوں کہنا چاہیے کہ) وہ سب دیوانہ پن تھا اور جہالت،
ویں ہمہ ناکامی و بیحاصلی — اور یہ سب ناکامی اور لاحاصلی ہے۔

آں ہمہ بدمستی و تن پروری — وہ ساری بدمستی اور عیش پسندی تھی،
ویں ہمہ شیادی و افسونگری — اور یہ چالبازی اور ریاکاری۔

آں ہمہ بیراہہ روی ہائے تو — وہ سب تمہاری گمراہی،
وایں ہمہ بیصرفہ دوی ہائے تو — اور یہ فضول کی تگ و دو۔

آں ز جنوں برق بخرمن زدن واین بجم دامِ ہوس تن زدن	وہ دیوانگی کے مارے اپنے ہی خرمن میں آگ لگانا، اور یہ ہوس کے جال میں خود کو پھنسانا۔
آں ہمہ خوں بودہ و خاکست ایں آں مرضی بود و ہلاکست ایں	وہ سب خون ہو کر بہہ چکا اور اب جو ہے وہ مٹی، وہ ایک بیماری تھی اور یہ ایک ہلاکت ہے۔
آں چہ روش ویں چہ سیچست ہائے آں ہمہ پوچ ایں ہمہ ہیچست ہائے	وہ کیا طور طریقہ تھا اور یہ کیا ارادہ (یا شیوہ) ہے؟ وہ بھی پوچ تھا، یہ بھی ہیچ ہے، افسوس!
نیمہ شب از عمر تو در خواب رفت نیمہ بہ پیمودن مہتاب رفت	تمہاری آدھی عمر غفلت میں نکل گئی، اور آدھی چاندنی ناپنے (بے حاصل کام کرنے) میں۔
بیں کہ دریں کارگہ پیچ پیچ ماحصلِ سعی تو ہیچست ہیچ	ذرا یہ تو دیکھو اس پیچیدہ کارخانۂ عالم میں تمہاری کوشش کا نتیجہ کس قدر بے حیثیت اور فضول ہے۔
نقد تمنا بکف افتادہ گیر خسروئ دست بہم دادہ گیر	فرض کرو تمنا کی نقدی تمہارے ہاتھ آگئی، اور شاہی مرتبہ بھی تمہیں مل گیا۔
اے ہمہ تن وسوسہ سودِ تو کو دہر سراب ست وجودِ تو کو	(لیکن) تم خود سراپا اندیشہ اور وہم ہو، بھلا تمہیں کیا فائدہ ہونے والا ہے، جب کہ سارا مادّی عالم ہی نظر کا دھوکا ہے تو تمہارا وجود کس شمار میں!
ہر چہ ازیں پردہ ہویدا ستی نقش و نگارِ پرِ عنقا ستی	(دنیا کے) اس پردے پر جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے، وہ عنقا کے پر کا نقش و نگار (وہم کی کارستانی) ہے۔

ہستیٔ اشیا کہ غبارِ فناست
پردہ کشائے اثرِ سیمیاست

[کائنات کی] تمام چیزوں کا وجود راہِ فنا کا غبار ہے،
"سیمیا کی سی نمود" (یا فریبِ نظر) کے سوا کچھ نہیں۔

خلق کہ از وہم نمودیش ہست
وہم تو دانست کہ بودیش ہست

مخلوق کا یہ روپ جو دکھائی دیتا ہے،
یہ وہمی ہے اور تمہارا وہم ہی یہ سمجھاتا ہے کہ اس کی اصلیت ہے۔

پیروی وہم مکن زینہار
سر ز گریبانِ حقیقت برآر

ہرگز تم اپنے وہم کی پیروی نہ کرو،
بلکہ حقیقت کے گریبان سے سر اٹھاؤ۔

خیز و چو منصور نوائے بزن
ہستیٔ خود را سرِ پائے بزن

اٹھو اور منصور (حسین ابن منصور حلاج) کی طرح "میں حق
ہوں" نعرہ لگاؤ، اپنی ہستی کو ٹھکرا دو (مٹا دو)۔

خلق اگر روس و گر روم گیر
ہر چہ بجز حق ہمہ معدوم گیر

مخلوق چاہے روس فتح کرے، چاہے روم لے لے،
لیکن حق (حقیقت مطلقہ، خدا) کے سوا جو کچھ ہے اسے معدوم سمجھ لو۔

آنکہ دریں پردہ سگالی بود
از اثرِ ہمتِ عالی بود

جو کوئی اس پردۂ دنیا میں قابلِ لحاظ ہے،
وہ اپنی ہمتِ عالی کی بدولت ہے۔

ساقیِ ہمت کہ صلائی دہد
بادہ ز خمخانۂ لامی دہد

ہمت کا ساقی جب پکار کر بلاتا ہے،
تو وہ نفی کے مے کدے کی شراب پلاتا ہے (ماسوا اللہ سے غافل کر دیتا ہے)

کاتبِ توفیق کہ دم می زند
بر رقمِ غیر قلم می زند

جب (خدائی) توفیق لکھنے والا (اپنا) قلم اٹھاتا ہے،
تو خدا کے سوا جو کچھ ہے اسے کاٹ دیتا ہے۔

ہمت اگر بال کشائے کند
صعوہ تواند کہ ہمائے کند

اگر ہمت اپنے بازو کھولے تو
ممولے کو ہما کا مقام مل جائے۔

نیّرِ توفیق اگر بر دمد
لالہ عجب نیست کز اخگر دمد

اگر توفیق (غیبی امداد) کا سورج نکلے،
تو کچھ تعجب نہیں جو انگارے سے لالہ اُگ آئے۔

ہمت ما نیز شہودِ حق ست
ہر چہ بسنجیم وجودِ حق ست

ہماری ہمت بھی خدا کا ظہور ہے،
ہم جو کچھ وزن کرتے ہیں (اہم سمجھتے ہیں) وہ حق کا وجود ہے۔

ہمتِ ما غیرتِ حق ست و بس
کثرتِ ما وحدتِ حق ست و بس

ہماری ہمت حق کی غیرت (خدا کی جلالی قوت کا اظہار) ہے
اور بس، ہماری کثرت ہی حق کی وحدت ہے اور کچھ نہیں۔

از اثرِ سطوتِ حق در کلام
حرف ز لب می رمدم والسلام

خداوندی رعب و دبدبہ کا اثر ہے کہ
بات لبوں سے ادا نہیں ہونے پاتی۔ والسلام

مثنوی پنجم

بادِ مخالف

اے تماشائیانِ بزمِ سخن	اے بزمِ شعر کے تماشائیو، اور اے اہلِ کمال لوگو، جو مسیحا کی طرح
وی مسیحا دمانِ نادرہ فن	(مردہ جسموں میں جان ڈالتے) ہو،
اے گراں مایگانِ عالمِ حرف	بیان کی دنیا کی گراں قدر شخصیتو اور اس اعلا مسند کو زینت
خوش نشینانِ ایں بساطِ شگرف	دینے والو،
اے سخن پروران کلکتہ	اے کلکتے کے شاعرو اور
وی زبان آوران کلکتہ	اس شہر کے زباں آورو۔
ہر یکے صدرِ بزمِ بارگہی	تم میں ہر ایک دربار کی محفل کا صدر نشیں ہے اور
شمعِ خلوت سرائے کارگہی	کاروبار (علم وہنر) کی خلوت کی روشنی ہے۔
ہر یکے پیشتازِ قافلۂ	تم میں ہر ایک قافلہ سالار اور
ہر یکے کدخدائے مرحلۂ	(کسی نہ کسی) مقام کا مالک ہے۔

اے بشغل وکالت آمادہ	تم جو وکالت کے کام میں کمربستہ اور دنیا
داد غم خواری جہاں دادہ	بھر کی ہمدردی میں لگے ہوئے ہو.
اے شگرفانِ عالم انصاف	تم جو انصاف کی دنیا (عدالت) کے بے مثل لوگ ہو اور
بسفارت رسیدہ از اطراف	ملک ملک سے یہاں سفارت کے لیے آئے ہو.
اے سخن را طراز جاں دادہ	تم ہو جنہوں نے کلام کو رُوح کا حسن دیا اور
صفحہ را ساز گلستاں دادہ	صفحے کو باغ کی سی رنگینی عطا کر دی.
عطر بر مغز گیتی افشاناں	دنیا کے دماغ پر خوشبو چھڑکنے والو،
پہلوانان پہلوی داناں	فارسی زبان کے سُورماؤ،
اے گرامی فنان ریختہ گو	اردو غزل کے ممتاز اہل فن اور (ریختہ کا) خوشگوار دریا
نغز دریا کشان عربدہ جو	چڑھا کر خم ٹھونکنے والو،
اے رئیسان این سواد عظیم	اس عظیم الشان شہر کے رئیسو، جو ساتوں ملکوں سے
وی فراہم شدہ زہفت اقلیم	(تمام دنیا) آکر یہاں جمع ہو گئے ہو.
ہمچو من آرمیدۂ ایں شہر	تم جو میری طرح اس شہر میں ٹھہرے ہو اور
بہر کاری رسیدۂ ایں شہر	کسی نہ کسی کام سے یہاں آئے ہوئے ہو.
اسداللہ بخت برگشتہ	اگرچہ بدنصیب اسداللہ خاں (غالب)
در خم و پیچ غم سرگشتہ	جو عاجزی کی بھول بھلیوں میں پھنسا ہوا ہے،

گرچہ ناخوانده میهمان شماست	تمہارا بن بلایا مہمان ہے اور اس میں شک نہیں کہ تمہارے
بی سخن ریزه چین خوان شماست	دسترخوان کے ٹکڑے کھا رہا ہے۔
بتظلم رسیده است اینجا	یہاں وہ فریاد لے کر آیا ہے اور
بامید آرمیده است اینجا	ایک اُمید سے پڑا ہوا ہے
آرمیدن دہید روزی چار	چند روز اس تھکے ہارے کو
خستہ ای را بسایۂ دیوار	اپنی دیوار کے سائے میں آرام کر لینے دو۔
کار احباب ساختن رسم است	قاعدہ ہے کہ دوستوں کا کام بناتے ہیں اور
میهماں را نواختن رسم است	مہمان پر عنایت کیا کرتے ہیں۔
آں رہ و رسم کار سازی کو	تو وہ کام بنانے (مشکل میں ہاتھ بٹانے) کی رسم اب کہاں گئی؟
شیوۂ میهماں نوازی کو	مہمان نوازی کا چلن کیا ہوگیا؟
کیستم دل شکستہ غمزدۂ	میں کون ہوں، ایک دل شکستہ اور غمزدہ آدمی ہوں،
بیدلی خستۂ ستم زدۂ	جو اداس ہے، دکھی ہے اور ستم کا مارا ہے۔
برق بے طاقتی بجان زدۂ	جس کی رُوح کو بے بسی کی بجلی پھونک گئی اور
آتش غم بخانماں زدۂ	جس کے گھر بار کو غم کی آگ نے جلا ڈالا۔
از گداز نفس بتاب و تبی	نفس کے سوز سے عجب پریشانی میں مبتلا اور
در بیابان یاس تشنہ لبی	نا اُمیدی کے بیاباں میں پیاسا آدمی۔

خس طوفانی محیط بلا	مصیبت کے طوفانی سمندر کا ایک تنکا ،
سربسر گرد کاروان فنا	اور فنا کے قافلے کی گرد کا جھونکا۔
دردمندے جگر گداختۂ	ایک دردمند جس کا جگر پگھل چکا ہے اور
از غم دہر زہرہ باختۂ	زمانے کے غم نے حوصلہ پست کر دیا ہے۔
درِ آگاہی فنا زدۂ	جو فنا (موت) کی آگاہی کا دروازہ کھٹکھٹا چکا اور
ہمہ بر خویش پشت پا زدۂ	خود اپنی ذات پر ٹھوکر مار چکا ہے۔
چہ بلاہا کشیدہ ام آخر	(میں ایسا شخص ہوں) کیسی کیسی مصیبتیں جھیل کر
کہ بدیں جا رسیدہ ام آخر	بالآخر یہاں پہنچا ہوں۔
بسیہ روزِ غربتم بینید	میری مسافری کے دشوار دنوں اور
تیرہ شبہائے وحشتم بینید	وحشت کی سیاہ راتوں پر غور کرو۔
اندہِ دوریِ وطن نگرید	وطن سے دُوری کا غم اور دوستوں
غم ہجران انجمن نگرید	سے جُدائی کا صدمہ۔ اس پر نظر کرو۔
نہ ہمیں نالہ و فغاں بلبم	صرف اتنا نہیں کہ لبوں پر فریاد آتی ہے،
من و جاں آفریں کہ جاں بلبم	بلکہ خدا گواہ، جان لبوں پر آئی ہوئی ہے۔
مویہ چوں موی کردہ است مرا	فریاد نے مجھے (گھلا کر) بال کی طرح (دُبلا) کر دیا اور
غصہ بدخوی کردہ است مرا	رنج نے چڑچڑا بنا دیا ہے۔

ذوق شعر و سخن کجاست مرا	بھلا مجھے شعر و شاعری کا ذوق کہاں!
کی زبان سخن سراست مرا	اور شاعری کی زبان کب ملی ہے؟
دارم آری ز ہرزہ لائی خویش	البتہ اتنا ہے کہ اپنی فضول گوئی سے [illegible]
[illegible] خویش	اپنے سروسامانی پر فریفتہ ہوں۔
گردش روزگار خویشتنم	میں خود اپنے زمانے کی گردش ہوں اور
حیرت کاروبار خویشتنم	اپنے معاملات کے بگاڑ پر حیرتی ہوں۔
با من این خشم و کین دریغ دریغ	کس قدر افسوس کی بات ہے کہ مجھ سے اتنا غصہ اتنی
[illegible] دریغ دریغ	عداوت؟ میں ایسا ستم زدہ، اور آپ ایسے رحم فرما! افسوس
[illegible] ستم	بے وطن لوگوں پر ستم کرنا کہاں جائز ہے،
[illegible] ستم	ہرگز نہیں کرتے تو ستم کیوں کرتے ہیں؟
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible] خلاف	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

زلفِ گفتار را کہ درہم کرد — گفتگو کی زلف کس نے پریشان کی اور
بزمِ اشعار را کہ برہم کرد — شعر کی محفل کو کس نے درہم برہم کیا؟

ہمہ عالم غلط کہ گفت نخست — یہ پہلے کس نے کہا کہ "ہمہ عالم" کی ترکیب غلط ہے،
پارۂ زیں نمط کہ گفت نخست — اس طرح کی بات کس نے پہلے چھیڑی؟

"بیش" را "بیشتر" کہ گفت بمن — (میں نے "بیش" لکھا تھا) کس نے کہا کہ بیش نہیں بیشتر ہونا
بدزمن بیشتر کہ گفت بمن — چاہئے۔ مجھ سے پہلے میری بُرائی کس نے کی؟

"موی را بر کمر" کہ گفت غلط — کس نے یہ کہا کہ کمر پر بال کہنا بے جا ہے اور
شعر را سربسر کہ گفت غلط — یہ شعر ہی اوّل سے آخر تک غلط ہے۔

چوں بدیدید کاعتراض خطاست — جب تم نے دیکھ لیا کہ اعتراض صحیح نہیں اور
ہرچہ غالبؔ نوشتہ است بجاست — غالبؔ نے جو کچھ لکھا تھا وہی درست ہے۔

رشتۂ باز پرس تاب کہ داد — تو پھر پوچھ گچھ کا سلسلہ کس نے بڑھایا؟ اور کون تھا جس نے
معترض را زمن جواب کہ داد — اعتراض کرنے والے کو جواب دیا؟

چوں بدیدید بے گناہی من — جب تم نے دیکھ لیا کہ میں بے قصور ہوں تو پھر جو الزام مجھ پر لگایا
تاں نہ شستید روسیاہی من — گیا تھا اُسے تم نے دھویا کیوں نہیں؟

ہر کہ دیدم رہ خموشی رفت — جسے بھی میں نے دیکھا اس نے چپ اختیار کی،
بود لازم بر آں گرفت گرفت — حالانکہ اس اعتراض کا رد کرنا ضروری تھا۔

ازچہ بود آں بعرصہ دم نزدن
در رہ آگہی قدم نزدن

(بحث کے) میدان میں (آپ لوگوں کا) دم نہ مارنا اور عدد و خبر کی راہ میں قدم نہ رکھنا آخر اس کا سبب ؟

نکشودن لبی بہ یاوریم
خیرہ بگذاشتن بداوریم

میری تائید میں لب نہ کھولنا اور انصاف طلبی میں مجھے بے یار چھوڑ دینا آخر کس وجہ سے ؟

تا بشوریدہ دل ز بے جگری
بفغان آمدم ز خیرہ سری

تنگ آگیا تو بے ہمتی سے میں نے اس بے ہودگی کے خلاف فریاد کی۔

از غم دل ستوہ گردیدم
چہرہ با یک گروہ گردیدم

غم کے ہاتھوں سے عاجز آکر ایک گروہ کی طرف میں نے منہ کیا (اور ان سے گویا توجہ چاہی)

گلہ مندانہ گفتگو کردم
پارۂ در سخن غلو کردم

شکایت کے لہجے میں بات کی اور (جب بات کی تو) کسی قدر مبالغہ کر دیا۔

چوں شنیدم کہ نکتہ پردازان
قدر داناں و انجمن سازان

جب میں نے سنا کہ نکتہ پرور قدر دانوں اور محفل کا اہتمام کرنے والوں کو

از من آزردہ اند زان پاسخ
بنیایش بخاک سودم رخ

میرے اس جواب سے رنج پہنچا ہے تو میں نے اُن کی تعریف میں سر تعظیم جھکا دیا۔

خجلت آوردم و جنوں کردم
ز نوشتن آب در دیدہ خوں کردم

(اپنے کیے پر) شرمندگی ہوئی اور ہوش اُڑ گئے، خود شرمندہ ہوا اور خون کے آنسو پیا۔

آب گردیدم و چکیدم من — پانی ہو کر میں ٹپکا،
قطرہ آسا بسر دویدم من — اور قطرے کی طرح سر کے بل چلا۔

نفس من بجمع در نگرفت — میرا کہنا سننا اس مجمع کی نظر میں کچھ نہ ٹھیرا اور کسی نے میری
کس نیازم بہیچ بر نگرفت — نیاز مندی کو مفت بھی قبول نہ کیا۔

روی دعویٰ بسویم آوردند — لوگوں نے مجھی پر الزام رکھا اور جو کچھ میں نے عرض کیا تھا وہ میرے
سخن من برویم آوردند — منہ پر مار دیا

داغ گشتم ازان ملامتہا — میں ان ملامتوں سے تنگ آگیا اور شرمندگی کے بخار نے
سوختم از تفِ ندامتہا — مجھے پھونک دیا۔

نہ امیدم زشاعریست، نہ بیم — نہ مجھے شاعری سے کوئی اُمید، نہ خوف۔ یہی مناسب تھا
بود شائستہ مر مرا تسلیم — کہ میں سرِ تسلیم جھکا دوں۔

کاش با اعتراض ساختمی — اچھا ہوتا کہ میں اعتراض برداشت کر لیتا اور احتجاج کو
نالہ در زیرِ لب گداختمی — لبوں سے باہر نہ جانے دیتا۔

زاں کہ آنہم رضائے یاراں بود — کیونکہ بہرحال اس میں بھی دوستوں کی خوشی تھی وہ بھی اس
رنگی از جوشش ایں بہاراں بود — جوشِ بہار کا ایک رنگ تھا۔

خار دامانِ دوستاں بودن — دوستوں کے دامن میں کانٹے کی طرح الجھ رہنا، باغ و بہار بن کر
خوشتر از باغ و بوستاں بودن — رہنے سے بہتر ہوتا ہے۔

دیگرم با ہزار رنگ خروش
ایں نوا می خورد بہ پردۂ گوش

پھر ہزار شور پکار کے ساتھ یہ آواز میرے کان تک آرہی ہے۔

کہ دگر بلبلے صفیر زد است
طعنہ بر طعنۂ فقیر زد است

کہ کوئی اور بلبل چہکا ہے اور اس نے مجھ فقیر کے اعتراض کا رَد کیا ہے۔

وائے با آنکہ شعر من صاف است
"زدہ" را می زند چہ انصاف است

افسوس حالانکہ میرا شعر صاف ہے (اس میں اعتراض کی گنجائش نہیں) پھر "زدہ" کے لفظ (مارے ہوئے) پر اعتراض کیا جائے یہ کہاں کا انصاف ہے؟

اعتراض آتشم بجاں زدہ است
شعلہ در مغز استخواں زدہ است

اس اعتراض نے میری جان پھونک کر رکھ دی ہے اور ہڈیوں کو سلگا دیا ہے۔

"زدہ" را کسرہ از ظرافت نیست
یائے وحدت بُود، اضافت نیست

(میں نے جہاں زدہ لکھا تھا وہاں "ہ" کے نیچے) زدہ میں زیر "کسرۂ ظرافت" نہیں ہے (جیسا کہ معترض نے طنزاً کہا) نہ وہ اضافت کا زیر ہے بلکہ وحدت کی "ی" کی جگہ ہے۔

واضع طرز ایں زمیں نہ منم
در خور سرزنش ہمیں نہ منم

میں نے یہ طرز ایجاد نہیں کی ہے۔
اس لئے الزام مجھ پر نہیں آتا۔

دیگراں نیز گفتہ اند چنیں
گوہر راز سفتہ اند چنیں

دوسروں نے بھی اسی طرح کہا ہے اور راز کے موتی اسی انداز میں پروئے ہیں۔

شورش آمادہ رفتہ اند ہمہ
ہم بریں جادہ رفتہ اند ہمہ

شعر میں جوش و خروش پیدا کرنے والے سب اس راستے چل کر گئے ہیں۔

در نورد گذارش زده ہا
کرده اند از نشاط عربده ہا

"زدہ" کے ساتھ مرکب الفاظ کو شعروں میں لاکر انھوں نے لطف پیدا کیا ہے۔

اکثر از عالم "شباب زده"
"می زده" "غمزده" "شراب زده"

بہت سی اس وضع کی ترکیبیں لائے ہیں، جیسے شباب زدہ، مے زدہ، غمزدہ، شراب زدہ۔

'می زده' 'غمزده' کہ ترکیب است
بقیاس فقیر تقلیب است

مے زدہ، غمزدہ قسم کی ترکیبیں فقیر کے نزدیک مقلوب اضافتیں ہیں (یعنی زدۂ مے، زدۂ غم)۔

چوں برآید ز انگبیں مومش
"زدۂ غم" دمد ز مفہومش

جس طرح شہد سے موم نکلتا ہے اسی طرح غمزدہ سے "زدۂ غم" کا مفہوم حاصل ہے (یعنی ذرا سی کاوش سے غمزدہ کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔)

لیک در بعض جانہ در ہمہ اش
لفظ 'مارے ہوئے' است ترجمہ اش

بعض موقعوں پر اس لفظ کا ترجمہ "مارے ہوئے" ہوتا ہے لیکن ہر جگہ نہیں۔

ویں خود از شان فاعل است کہ ہست
حق بود حق نہ باطل است کہ ہست

(اعتراض یہ ہوا کہ غمزدہ و مے زدہ مفعول ہے) یہ (لفظ) خود فاعل کی شان ہے، کہ وہ ہے۔ یہ حق بات ہے باطل نہیں۔ (یعنی جب "غمزدہ ہست" کہیں تو 'غمزدہ' فاعل کے مرتبے میں آگیا کہ ہست کا SUBJECT ہے)

ہمچناں آں محیط بے ساحل
قلزم فیض، میرزا بیدل

اسی طرح اس بحر ناپیدا کنار یعنی میرزا (عبدالقادر) بیدل نے جو فیض کا ایک سمندر تھا

از محبت حکایتی دارد
کہ بدینان بدایتی دارد

عشق و محبت کا ایک قصہ لکھا ہے، اور اس کی ابتدا یوں کی ہے:

"عاشقی ، بیدلے ، جنون زدهٔ
قدح آرزو به خون زدهٔ

ایک بے دل عاشق "جنوں زدہٗ" (جنوں کا مارا) جس کی آرزو
کا پیالہ "خوں زدہٗ (خوں سے بھرا تھا)

اوّلش خود مضاف مقلوب است
دو یمین تا کدام اسلوب است

اوّل جگہ (یعنی جنوں زدہ) مضاف مقلوب ہے۔ لیکن دوسری جگہ
(یعنی خون زدہ) کہاں تک درست اسلوب ہے۔

کرده ام عرض همچناں "زدهٔ"
طعنہ بر بحر بیکراں زدهٔ

اسی طرز سے میں نے "زدہٗ" کا لفظ لکھا اور بحرِ بے کراں (مرزا بیدل)
پر طعن کرتے ہوئے لکھا۔

مگر ایں شعر زاں نمط نہ بود
ور بود شعر من غلط نہ بود

اب یا تو بیدل کا شعر کہو کہ اس طرز پر نہیں اور اگر ہے تو پھر
میرا شعر غلط نہیں ہو سکتا۔

گرچہ بیدل ز اہلِ ایران نیست
لیک ہمچوں قتیلؔ ناداں نیست

اگرچہ مرزا بیدل خود ایرانی نہیں ہے پھر بھی قتیلؔ (فرید آبادی)
کی طرح ناداں بھی نہیں۔

صاحب جاه و دستگاہی بود
مرو را زین نمد کلاہی بود

وہ علم و فضل والا آدمی تھا اور یقیناً اس کی کلاہ (مرتبہ)
اس نمد کے (یعنی علم و فضل) کی بنی ہوئی تھی۔

نہ غلط گفتہ است ور خود گفت
راست گویم در آشکار و نہفت

(زدہٗ لفظ) اس نے کہا بھی تو کچھ غلط نہیں (مناسب کہا)
میں کھلے عام اور نجی طور پر یہ بات سچ کہتا ہوں۔

دعویٔ بندہ بے سر و بن نیست
شعرِ بیدل بجز تفنّن نیست

بندے کا دعوا بے بنیاد نہیں ہے اور بیدل کا (یہ) شعر
تفریحِ طبع کے سوا کچھ نہیں۔

پارۂ از کلام اہل زبان
می فرستم بخدمت یاران

اہلِ زبان (ایرانیوں) کے کلام کا کچھ نمونہ دوستوں کی خدمت میں بھیجتا ہوں

تابدیں پردہ آشنا باشند
بامن زار ہمنوا باشند

تاکہ وہ ذرا اس رنگ سے بھی واقف ہوں اور پھر مجھ غریب کی تائید کریں۔

وہ، کہ دیگر ز جادہ برگشتم
خیرہ بودم، سفیہ ترگشتم

افسوس، میں پھر راستے سے ہٹ گیا پہلے ہی غلطی پر تھا اب اور زیادہ نادانی کر بیٹھا۔

وعدۂ خامشی ز یادم رفت
شیوۂ عجز از نہادم رفت

میں نے تو وعدہ کیا تھا کہ خاموش رہوں گا۔ اپنا وعدہ بھول گیا۔ عاجزی اور انکساری کا طور طریقہ طبیعت سے جاتا رہا۔

سادہ لوحم مراچہ رنگ و چہ ریو
آوخ، آوخ ز جاہلانہ غریو

میں سادہ لوح ہوں، مجھے چھل کپٹ سے کیا کام۔ جاہلوں کی طرح شور مچانا بڑے شرم کی بات ہے۔

من کہ و عزم داوری کردن
ساز بزم سخنوری کردن

میں کون کہ فیصلہ کرنے کا ارادہ کروں اور شاعری کی محفل میں اپنی جگہ بنائے رکھوں۔

خاک پائے سخن ورانستم
دوستاں را، ز کہتر انستم

میں تو شاعروں کے پاؤں کی دھول ہوں اور دوستوں کے سامنے چھوٹا ہوں۔

با بزرگان، نیازہا دارم
ہم بدیں شیوہ، نازہا دارم

بزرگوں کے ساتھ نیاز مندی کے تعلقات ہیں اور اس طور پر بھی مجھے فخر ہے۔

بندہ ام بندہ مہربان را
رمز فہمان و نکتہ دانان را

میں تو مہربانوں، نکتہ شناسوں اور باریک بینوں کا خادم ہوں۔

نہ ز آویزشِ بیان ترسم
من و ایمان من، کزان ترسم

میں بیان کی بحث سے نہیں ڈرتا، البتہ ایمان کی قسم، مجھے خوف ہے تو اس بات کا،

کہ پس از من بسالہائے دراز
بزبان ماند ایں حکایت باز

کہ میرے بعد سالہا سال تک زبانوں پر یہ کہانی رہ جائے گی

کہ سفیہی رسیدہ بود اینجا
چند روز آرمیدہ بود اینجا

کہ یہاں ایک نادان، کم ظرف آدمی آیا تھا اور وہ یہاں کچھ دن ٹھیرا رہا۔

با بزرگان ستیزہ پیش گرفت
زحمتی داد و راہ خویش گرفت

اس نے بزرگوں سے نزاع مول لے لیا، ایک مصیبت کھڑی کی اور اپنا راستہ لیا۔

شوخ چشمی و زشت خوی بود
بے حیائی و ہرزہ گوئی بود

وہ شخص بے حیا اور بدطینت تھا، بے شرم اور بکواسی تھا۔

ہم سفیہانہ گفتگوئی داشت
ہم خراباتیانہ ہوئی داشت

چھچھوروں کی طرح کلام کرتا اور شرابیوں کی طرح ہُوحق مچاتا تھا۔

برگ دنیا نہ ساز دینش بود
ننگ دہلی و سرزمینش بود

نہ دنیوی حیثیت رکھتا تھا نہ دین کا سامان، یہ شخص دہلی اور سرزمینِ دہلی کے لیے باعثِ شرم نکلا۔

آہ ، ازاں دم کہ بعد رفتن من
خون دہلی بود بگردن من

کیسے رنج کی بات ہے کہ میرے چلے جانے کے بعد دہلی (کی عزت و آبرو) کا خون میری گردن پر رہ جائے۔

تا بوَم ، رنج دوستاں باشم
بر دل انجمن گران باشم

جب تک رہوں دوستوں کو دکھ دیتا رہوں اور محفل کے دل کا بوجھ بنا رہوں۔

شاد گردند کز میان بروم
آوخ ، از من کہ من چناں بروم

اور چل دوں تو اُن کا جی ٹھنڈا ہو — میرا اس طرح جانا خود میرے لیے شرم ناک ہوگا۔

خستہ و مستمند بر گردم
دژم آیم ، نژند بر گردم

تھکا ہارا اور محتاج یہاں سے واپس جاؤں۔ بدبختی لے کر آؤں اور ملامت لے کر جاؤں۔

بہ وداعم ، کس از شما نرسد
شوق را مژدۂ وفا نرسد

آپ لوگوں میں سے کوئی مجھے رخصت کرنے نہ آئے اور میرے شوق (دوستی) کو وفا کی خوش خبری نہ پہنچے۔

زین سپس نیست دعوئ سخنم
ندمد دود شمع ز انجمنم

اب اس کے بعد مجھے شاعری کا دعوا نہیں اور میری محفل میں شمع سے دھواں نہ نکلے گا۔ (شمعِ محفل بجھ جائے گی)

نالہ بی صرفہ ، چوں جرس نزنم
بی صدا گردم و نفس نزنم

میں جرس کی طرح خواہ مخواہ شور و فریاد نہ کروں گا۔ آواز بند کیے دیتا ہوں اور دم سادھے لیتا ہوں۔

نشکنم بر رُخ بیاں رنگی
برنخیزد ز سازم آہنگی

بیان کے چہرے پر کوئی رنگ نہیں آنے دوں گا اور میرے ساز سے کوئی آواز بلند نہ ہوگی۔

تاب ہنگامہ ام، خدارا نیست
مہربانان دلست، خارا نیست

خدا گواہ کہ مجھے ہنگامہ پسندی کی تاب نہیں. مہربان لوگو، آخر دل ہی تو ہے، پتھر تو نہیں ہے.

وین کہ در پیشگاہ بزم سخن
بزبانہا فتادہ است زمن

اور یہ جو محفل مشاعرہ میں میرے متعلق زبانوں میں چڑھ گیا ہے کہ —

کہ فلاں با قتیل نیکو نیست
مگس خوان نعمت او نیست

فلاں شخص (غالب) قتیل کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتا اس کے خوان نعمت کی مکھی نہیں بنتا.

زلّہ بردارِ کس چرا باشم
من ہمایم مگس چرا باشم

تو مجھے کیا ضرورت کہ کسی کے بچے کھچے ٹکڑے اٹھاؤں، میں خود ہما ہوں مجھے مکھی بننے کی کیا ضرورت!

خود کسی ناسزا چرا گوید
ناسزا آنکہ، ناسزا گوید

کوئی کسی کو بُرا کیوں کہے، نالائق وہ ہے جو بے جا بات زبان سے نکالتا ہو.

فیضی از صحبت قتیلم نیست
رشک بر شہرت قتیلم نیست

میں نے قتیل کی صحبت سے فیض نہیں اٹھایا اور نہ مجھے اس کی شہرت پر رشک آتا ہے.

نہ ہوا خواہی نہ دشمنی
درمیانست پائی ہمفنی

نہ اس سے میری کوئی دوستی، نہ دشمنی، دونوں میں صرف ہمفنی کا تعلق ہے. (یعنی میں بھی شاعر وہ بھی شاعر)

حاش للّٰہ، کہ بد نمی گویم
دانہم از پیش خود نمی گویم

خدا نہ کرے، میں کیوں بُرا لفظ منہ سے نکالتا. وہ بھی اپنی طرف سے چھیڑ خانی کرتے ہوئے — ہرگز نہیں.

مگر آنان کہ پارسی دانند	البتہ وہ لوگ جو فارسی زبان سے
ہم بریں عہد ورای و پیمانند	واقف ہیں وہ یہی پختہ رائے رکھتے ہیں کہ
کہ ز اہلِ زبان نبود قتیلؔ	قتیلؔ اہلِ زبان نہیں تھا،
ہرگز از اصفہان نبود قتیلؔ	نہ اصفہان کا باشندہ تھا۔
لاجرم اعتماد را نسزد	لازمی بات ہے کہ اُس (کی فارسی زبان) پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا
گفتہ اش استناد را نسزد	اُس کا کہا ہوا سند نہیں ہوسکتا۔
کایں زبان خاصِ اہلِ ایران است	کیوں کہ یہ (فارسی) خاص اہلِ ایران کی زبان ہے۔ ہمارے
مشکل ما و سہلِ ایران است	لیے مشکل اور اُن کے لیے آسان ہے۔
سخن است آشکار و پنہان نیست	کھلی بات ہے کوئی راز نہیں کہ دہلی اور لکھنؤ
دہلی و لکھنؤ ز ایران نیست	ایران کے شہر نہیں ہیں۔
دوستاں را اگر زمن گلہ است	اب اگر دوستوں کو مجھ سے یہ شکایت ہے کہ تمہاری چال
کہ خرامت خلاف قافلہ است	اوروں سے الٹی ہے۔
می رویم از پیِ قتیلؔ ہمہ	ہم سب تو قتیلؔ کے پیچھے چل رہے ہیں اور اُسے ہم نے اپنا
ساختہ مرد را دلیل ہمہ	رہنما بنالیا ہے۔
تو ازیں حلقہ، چوں بدر زدہٗ	تم اس حلقے سے نکل گئے اور
گام بر جادہ دگر زدہٗ	دوسرے راستے پر چلنے لگے:

ای تماشائیاں ژرف نگاه
ہان بگوئید حسبتہً للّٰہ

اے گہری نظر رکھنے والے تماشائیو،
تم ہی خدا لگتی کہنا.

کہ چسان از حزیں بہ پیچم سر؛
آن بجادو دمی، بہ دہر سمر

کہ میں علی حزیں کی مخالفت کیسے کروں، وہ جس کے کلام میں
جادو ہے اور زمانے بھر میں شہرت رکھتا ہے.

دل دہد، کز اسیر برگردم
زان نو آئین صفیر برگردم

دل کب اس کی اجازت دیتا ہے کہ جلالؔ اسیر سے پھر جاؤں،
وہ جس کی آواز کا طرز نرالا ہے، اس کو نہ مانوں؟

دامن از کف کنم چگونہ رہا
طالب و عرفی و نظیری را

طالبؔ (آملی) عرفیؔ (شیرازی) اور نظیریؔ (نیشاپوری)
کا دامن ہاتھ سے کیوں چھوڑوں؛

خاصہ روح و روانِ معنی را
آن ظہوری جہانِ معنی را

خاص کر معنی و مضمون کی زندہ روح ظہوریؔ کو کیسے ترک کروں
(جس کے کلام میں) معانی کی ایک دنیا (آباد) ہے؛

آنکہ از سرفرازیِ قلمش
آسماں سا ست پرچمِ علمش

ظہوری کے قلم کو وہ سربلندی حاصل ہے کہ اس کے علم کا پھریرا
آسمان تک پہنچتا ہے.

طرز اندیشہ آفریدۂ اوست
در تنِ لفظ جان دمیدۂ اوست

فکر و تخیل کی طرز اس نے پیدا کی اور
لفظ کے بدن میں اس نے جان ڈالی.

پشتِ معنی قوی ز پہلویش
نامہ را فربہی ز بازویش

ظہوری نے معنی و مضمون کی کمر مضبوط کر دی اور اس کے دست و
بازو نے قلم کو طاقت ور کر دیا.

طرزِ تحریر را نوی از وی — اُس کی بدولت طرزِ تحریر میں جدت پیدا ہوئی اور صفحہ ایسا
صفحہ ارتنگ مانوی از وی — رنگارنگ ہوا جیسے مانی مصوّر کا البم۔

فتنۂ گفتگوئی اینا نم — میں ان شاعروں کے کلام کا شوریدہ سر ہوں، ان کی شکی کی
مست لائی سبوی اینا نم — تلچھٹ نے مجھے مست کر رکھا ہے۔

آں کہ طی کردہ این مواقف را — جس آدمی نے یہ مقامات طے کئے ہوں وہ قتیل اور واقف
چہ شناسد قتیل و واقف را — (جیسے شاعروں) کو کیا خاطر میں لائے گا۔

لیک با آن ہمہ کہ این دارم — لیکن باوجود اس سرمائے کے جو میرے پاس ہے اور معنی کا خزانہ
گنج معنی در آستین دارم — میری آستین میں بھرا ہے،

دل و جانم فدای احباب است — میں دل و جان دوستوں پر قربان کرتا ہوں اور اُن کی خوشی
شوق وقف رضای احباب است — میں اپنی خوشی گم کئے دیتا ہوں۔

میشوم خویش را بصلح دلیل — صلح صفائی کی راہ خود کو دکھاتا ہوں اور
میسرایم نوائی مدح قتیل — قتیل کے کلام کی تعریف پر آمادہ ہوں۔

تانماند زمن دگر گلۂ — تاکہ اس کے بعد مجھ سے شکایت نہ رہ جائے اور قتیل کے ماننے
رسد از پیروانِ وی صلۂ — والوں سے انعام ملے۔

گفتن آئین ہوشیاری نیست — بات کہہ بیٹھنا کوئی عقل مندی کا طریقہ نہیں گو بات کا جاننا اور
لیک دانستن اختیاری نیست — علم ہونا انسان کے اختیار سے باہر ہے۔

گرچہ ایرانیش نخواہم گفت
سعدی ثانیش نخواہم گفت

اگرچہ میں قتیل کو ایرانی نہیں کہہ سکتا اور نہ دوسرا سعدی مانوں گا۔

لیک از من ہزار بار بہ است
از من و ہمچو من ہزار بہ است

لیکن مجھ سے تو ہزار درجہ بہتر ہے، مجھ سے اور مجھ جیسے ہزار سے بڑھ کر ہے۔

من کفِ خاک و او سپہر بلند
خاک را کی رسد بہ چرخ کمند

میں ایک مٹھی بھر خاک، وہ بلند آسمان، مٹی کی کمند آسمان پر کیسے پہنچ سکتی ہے!

وصف او حد چوں منی نبود
مہر در خورد روزنی نبود

اس کی تعریف کرنا مجھ جیسے آدمی کے بس سے باہر ہے، سورج ایک سُوراخ کی گرفت میں نہیں آسکتا۔

مرحبا ساز خوش بیانی او
حبذا شور نکتہ دانی او

اس کی خوش بیانی کا ساز سبحان اللہ، اور اس کی نکتہ دانی کی شہرت واہ وا۔

نظمش، آب حیات را مانَد
دَر رَوانی، فرات را مانَد

اُس کی نظم آب حیات کے مثل ہے اور رَوانی میں دریائے فرات کی مانند۔

نثر او نقش بال طاؤس است
انتخاب صراح و قاموس است

اور اس کی نثر مور کے پروں کی طرح رنگا رنگ جس میں صراح اور قاموس [جیسے جامع لغتوں] کا انتخاب موجود ہے۔

پادشاہی کہ در قلمرو حرف
کردہ ایجاد نکتہ ہائے شگرف

یہ وہ بادشاہ ہے کہ جس نے ملک سخن میں عجیب عجیب نکتے ایجاد کیے۔

خامہ ہندی پارسی دانش
ہندیان سر بخطِ فرمانش

اس کا قلم وہ فارسی داں ہندی ہے جس کے آگے ہندستانیوں نے سر جھکا دیا ہے۔

این رقمہا کہ ریخت کلک خیال
بود سطری ز نامۂ اعمال

خیال کے قلم سے جو تحریر [کاغذ پر] بکھری، یہ میرے نامۂ اعمال کی ایک سطر تھی۔

از من نارسائی ہیچ مدان
معذرت نامہ ایست زی یاران

مجھ جیسے ناپختہ اور بے علم آدمی کی طرف سے یہ دوستوں کی خدمت میں معذرت نامہ ہے۔

بو کہ آید ز عذر خواہی ما
رحم بر ما و بے گناہی ما

امید ہے کہ اب تو آپ کو ہماری عُذر خواہی پر اور ہماری بیگناہی پر رحم آئے گا۔

آشتی نامۂ وِ داد پیام
ختم شد والسلام والاکرام

دوستی کا پیغام دینے والا یہ صلح نامہ تمام ہوا، وَالسلام والاکرام!

مثنوی ششم

بیانِ نموداری شانِ نبوت و ولایت

کہ درحقیقت پرتو نورالانوار حضرت الوہیت ست

بعد حمد ایزد و نعت رسول
مینگارم نکتہ چند از اصول

خدا کی تعریف اور رسول خدا کی نعت کے بعد میں کچھ اصول دین کے نکتے لکھتا ہوں۔

تا سوادش بخشد اندر رسم و راہ
دیدہ ور را سُرمہ اعمیٰ را نگاہ

تاکہ اُن کی عبارت (سیاہی تحریر) دین و مذہب میں صاحب نظر کو سُرمہ اور نابینا کو بینائی عطا کرے۔

حق بود حق، کآمد از نورش پدید
آسمان ہا و زمین ہا را کلید

اُس (خدا) کے نور سے جو نور ظاہر ہوا وہ حق ہے، وہ زمینوں اور آسمانوں کی کنجی ہے۔

نور محض و اصل ہستی ذات اوست
ہر چہ جز حق بینی از آیات اوست

نورِ محض اور موجودات کی اصل اسی (پیدا کرنے والے) کی ذات ہے، حق کے سوا (ماسوا اللہ) جو تمہیں نظر آتا ہے وہ اس کی نشانیوں میں سے ہے۔

تا بخلوت گاہ غیب الغیب بود
حسن را اندیشہ سر درجیب بود

جس وقت تک حُسن (ازلی) غیب الغیب کی تنہائی میں رہا تب تک اسے ایک خیال تھا،

صورت فکر این کہ باری چون کند
تا زجیب غیب سر بیرون کند

فکر اس بات کی کہ وہ کس طرح غیب کے پردے سے ظہور میں آئے۔

جلوہ کرد از خویش ہم بر خویشتن
داد خلوت را فروغ انجمن

چناں چہ اس نے اپنا جلوہ اپنے اوپر ہی کیا اور یوں خلوت کو جلوت کی رونق عطا کردی۔

جلوۂ اوّل کہ حق بر خویش کرد
مشعل از نورِ محمدؐ پیش کرد

حق نے اپنے اوپر، جو پہلا جلوہ کیا تو محمد کے نور کی مشعل سامنے رکھ دی۔

شد عیان زان نور در بزم ظہور
ہر چہ پنہاں بود از نزدیک و دور

اُس نور کی مشعل سے جو کچھ عالم ظہور میں دُور و نزدیک تھا وہ عیاں ہو گیا۔

ہمچو آن ذرات کاندر تاب مہر
از نقاب غیب بنمایند چہر

مثل اُن ذرّوں کے جو سورج کی روشنی پڑتے ہی غیب کی نقاب اُلٹ کر صورت دکھانے لگتے ہیں۔

مہر بر ذرات پرتو افگنست
عالم از تاب یک اختر روشنست

سورج ذرّوں پر عکس ڈالتا ہے تو ساری دنیا ایک ستارے (آفتاب) کی بدولت روشن ہے۔

نور حقست احمدؐ و لمعانِ نور
از نبی در اولیا دارد ظہور

احمد خدا کا نور ہے، اور نبی سے ولیوں میں نور کی چھوٹ پڑتی ہے۔

ہر ولی پرتو پذیرست از نبی
چون مہ از خود مستنیرست از نبی

ہر ایک ولی کو نبی سے شعاعیں پہنچتی ہیں، جس طرح سورج سے چاند روشنی لیتا ہے اسی طرح نبی سے ولی روشنی پاتے ہیں۔

جلوۂ حُسن ازل مستور نیست لیک اعمٰی را نصیب از نور نیست	نورِ الٰہی کا جلوہ چھپا ہوا نہیں ہے، لیکن نابینا کو نہیں سوجھتا۔
از نبی واز ولی خواہی مدد تا پنداری کہ ناجائز بود	نبی اور ولی سے مدد چاہیے تو ہرگز یہ نہ سمجھ لینا کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔
بر نیاید کار بی فرمان شاہ لیک آئینہاست باخاصان شاہ	اگرچہ بادشاہ کے حکم کے بغیر کام نہیں بنتا تاہم بادشاہ کے خواص ہی آئین یا (قوانین مشیت) جانتے ہیں۔
ہرکہ اورا نورِ حق نیرو فزاست ہرچہ از وی خواستی ہم از خداست	وہ جس کو نورِ حق قوت پہنچاتا ہے اس سے جو کچھ دعا کرو وہ خدا سے دعا ہے۔
برلب دریا گر آبی خوردۂ آب از موجی بجام آوردۂ	اگر دریا کنارے پانی پیو تو یہ پانی موج سے ہو کر ہی جام میں آئے گا۔
آب از موج آید اندر جام تو لیکن از دریا بود آشام تو	تمہارے جام میں پانی موج سے آئے گا لیکن جو کچھ پیوگے وہ دریا ہی کا پانی ہے۔
وقت حاجت ہرکہ گوید یا علیؑ باحقش کارست دپوزش با علیؑ	حاجت میں اگر کوئی علی کو پکارتا ہے تو اس کا معاملہ خدا سے ہے اور خطاب علی سے۔
"یا محمدؐ" جان فزاید گفتنش "یا علیؑ" مشکل کشاید گفتنش	جب اس کی زبان پر "یا محمدؐ" آتا ہے تو اس کی جان میں جان آجاتی ہے اور "یا علی" کہنے سے مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

چوں اعانت خواہی از یزدان پاک	اگر خدائے پاک سے مدد چاہنے میں تمہاری زبان پر "یا معین الدین"
'یا معین الدین' اگر گوئی چہ باک	(خواجۂ اجمیر) آجاتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟

ابلہان را زانکہ دانش نارساست	بے وقوفوں کی عقل چوں کہ کوتاہ ہوتی ہے اس لیے وہ پکارنے
گفتگوہا بر سرِ حرفِ نداست	کے لفظ پر بحث کرتے ہیں (یعنی یا محمد اور یا علی کہنے پر معترض ہیں)

مولویِ معنوی عبد العزیز	شاہ عبد العزیز اور شاہ رفیع الدین
واں رفیع الدین دانشمند نیز	جیسے دانش مند نے، (ان کے بعد)
	شاہ عبد القادر
شاہ عبد القادر دانش سگال	جیسے صاحبِ عقل و ہوش نے جن دونوں
کایں دو تن را بود در گوہر ہمال	کی اصل ایک تھی (یعنی دونوں شاہ ولی اللہ کے
	فرزند تھے۔) نبی اور اولیاء اللہ کا
بردنِ نامِ نبی و اولیا	نام پکارنا یعنی انھیں حرفِ ندا سے خطاب
خود روا گفتند با حرفِ ندا	کرنا جائز قرار دیا ہے۔

واں دگر فرزانۂ قدسی سرشت	پھر وہ فرشتہ سیرت مردِ دانا یعنی چشتیہ سلسلے
رہنمائے مسلک پیرانِ چشت	کے بزرگ گزرے ہیں،
	جو اپنے زمانے کے شیخ
آنکہ شیخِ وقت و خضرِ راہ بود	اور رہنمائے اعظم تھے،
نامِ والایش کلیم اللہ بود	جن کا نامِ نامی شیخ کلیم اللہ تھا۔

گفت: استمداد از پیران رواست	انھوں نے کہا کہ پیروں اور بزرگوں سے مدد طلب کرنا جائز ہے،
ہر چہ پیرِ راہ گوید آں رواست	پیرِ طریقت جو کہہ دے وہ صحیح ہے۔

کی غلط گوید چنیں روشن ضمیر
خردہ بر قولِ کلیم اللہ مگیر

وہ (کلیم اللہ جیسا) روشن دل بزرگ غلط کیسے کہہ دے گا۔ اُن کے قول پر نکتہ چینی مت کرو۔

ہمچنیں شیخ المشائخ فخرِ دین
آفتابِ عالمِ علم و یقین

اسی طرح روحانی بزرگوں کے بزرگ مولانا فخرالدین جو علم اور یقین کی دنیا کو زندگی دینے والے ہیں، یہی طریق رکھتے

ہمبرین ہنجار و آئین بودہ است
شیخِ ما حق گوی و حق بین بودہ است

تھے۔ ہمارے پیرومرشد حق بات کہنے اور حق دیکھنے والے آدمی ہیں۔

تا نہ پنداری ز پیران خواستیم
حاجتِ خود را ز یزدان خواستیم

یہ مت سمجھ لینا کہ ہم پیروں سے دعا کرتے ہیں، ہم تو ہر ضرورت خدا کے پاس لے جاتے ہیں۔

لیک در پوزش بدرگاہِ رفیع
ما ہمی آریم پیران را شفیع

لیکن خدا کے دربار میں عُذر وانکسار کرتے وقت ہم ان پیروں کی سفارش چاہتے ہیں۔

ایں چنیں پوزش روا نبود چرا
بحث با عارف خطا نبود چرا

یہ عذر یا وسیلہ طلبی بھلا جائز کیوں نہ ہوگی۔ خدا کی معرفت رکھنے والے سے بحث کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

ور سخن در مولدِ پیغمبر ست
بزمگاہِ دلکش و جان پرور ست

اور اگر میلادِ نبی کے بارے میں کلام ہے تو وہ ایک دلکش اور رُوح پرور بزم ہے۔

خود حدیث از سرورِ دین میرود
میرود وانگہ بآئین میرود

خود رسول اللہ کی حدیث ہے اور حدیث ضوابطِ روایت کے مطابق ہے۔

سعی ما مشکور و نقد ما روا
چیست آن کان را شماری ناروا

ہماری کوشش قابلِ قبول اور ہمارا نقد عمل کھرا ہے۔
اب تم کس بات کو ناجائز قرار دیتے ہو؟

نکہت موئی مبارک جانفزاست
با رگِ جانش ہمی پیوندہاست

(رسول اللہ کے) مبارک بال کی مہک جانفزا ہے، اُن کی
رگِ جاں سے اُس کے گہرے رشتے ہیں۔

بر تن نیکو تر از جان رستہ است
لاجرم از آبِ حیوان رستہ است

(رسولؐ کے بال) ایسے جسم پر اُگے جو رُوح سے زیادہ لطیف تھا،
لازم بات ہے کہ آبِ حیات سے اس کی آبیاری ہوئی ہے۔

دلنشینِ ما بود زان روی موی
وہ کہ گرداند کسی زاں روی موی

اسی لیے موئے مبارک ہمارے دل میں جگہ رکھتے ہیں،
افسوس اس پر جو کوئی اس سے رُوگردانی کرے۔

ہر کرا دل ہست و ایمان نیز ہم
چوں نورزد عشق با "نقشِ قدم"

جس کے (سینے میں) دل ہے اور ایمان بھی ہے وہ (رسول کے)
نقشِ قدم سے عشق کیوں نہ کرے گا!

در رہِ دین تا قدم بہ نہادہ اند
عشق بازان را نشانہا دادہ اند

(رسول سے) عشق کرنے والوں نے دین کی راہ میں قدم رکھا
تو اُن کی نشانیاں دی گئیں۔

برد از خویشم دو صد فرسنگ رشک
می برم زین نقشِ پا بر سنگ رشک

نشانِ قدم دیکھ کر مجھے اس پتھر پر اتنا رشک آتا ہے کہ اپنے وجود
سے دو سو کوس دُور ہو جاتا ہوں (یعنی اس رشک میں کہ بجائے اس
کے میرے اوپر نقش کیوں نہ ہوا، اپنی ذات سے ایسا تنفر ہوتا ہے کہ اس سے دو سو
فرسنگ کی دُوری ہوتی ہے۔

نقشِ پائی کایں چنیں افتادہ است
اہلِ دل را دلنشیں افتادہ است

یہ نقشِ قدم جو (پتھر پر) اس طرح بنا ہوا ہے،
اہلِ دل کے دل نشین ہے۔

کی نشیند در دل آں بدگہر
کش دلی از سنگ باشد سخت تر

لیکن اس بدذات کے دل میں یہ نقش کیسے جگہ بنائے جس کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہے!

بوی پیراہن بمصر آرد صبا
دیدۂ یعقوب زو یابد جلا

ہوا مصر سے (یوسف کے) پیرہن کی خوشبو اڑا کر لائی تو یعقوب کی آنکھوں میں نور دوڑ گیا۔

بر ردا و پیرہن کز مصطفیٰ است
جان نیفشاندن ز امت کی رواست

مصطفےٰ کے چادر اور کرتے پر، (جس میں اُن کے بدن کی خوشبو ہو) امت کیسے جان نثار نہ کرے!

در عرب بودست منعم زادۂ
قیس نامی دل بہ لیلیٰ دادۂ

عرب میں قیس نام کا ایک رئیس زادہ تھا، جس نے لیلےٰ کو دل دے دیا۔

بر سگی کز کوچۂ لیلاستی
قیس از خویشش فزونتر خواستی

لیلیٰ کی گلی کے کتے کو وہ اپنے آپ سے بہتر سمجھتا تھا۔

میتوانی گفت ہان ای تن پرست
پیر کنعان بود پیراہن پرست

اے ظاہر پرست کیا تم کہہ سکتے ہو کہ کنعان کے بزرگ (یعقوب) پیراہن کی پرستش کرتے تھے؟

یا توان گفتن کہ خود چون بودہ است
سگ پرستی کیش مجنوں بودہ است

کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ خود مجنوں ایسا تھا کہ سگ پرستی اس کا ایمان بن گئی؟

حاش للہ! کایں چنیں باشد نورد
ہست از حد سوئ ظن کافر نکرد

توبہ توبہ، کہیں یہ راہ (راست) ہو سکتی ہے۔ ایسا حد سے گزرا گمان تو کافر نے بھی نہیں کیا۔

عشق گر با پیرہن و با ردا ست نیست بہر جامہ از بہر خدا ست	اگر کرتے اور چادر سے عشق ہے تو یہ کوئی لباس کی وجہ سے نہیں بلکہ خدا کی وجہ سے ہے۔
حق فرستادست بہر ما رسول کردہ ایم از بہر حق دینش قبول	خدا نے ہمارے لیے رسول بھیجا اور ہم نے خدا کے لیے اس کا دین قبول کیا۔
گر بسوی خواجہ رو آریم ما دوست از بہر حقش داریم ما	اگر ہم خواجہ (سردارِ دین) کی طرف رُخ کرتے ہیں تو خدا کی وجہ سے ہی اُن سے محبت کرتے ہیں۔
چون نہ گردد طالب دیدار دوست شاد از نظارۂ آثار دوست	اپنے محبوب کی نشانیوں کو دیکھ کر محبوب کے دیدار کا طالب کیوں نہ شاد ہو۔
ایکہ بُردی بہرہ از خوانِ نبی بردۂ از یاد احسان نبی	تم نے تو نبی کے خوانِ کرم سے فیض اٹھایا ہے۔ پھر بھی اُن کا احسان بھلا دیا۔
آمد و آورد پیغام از خدا "لوحش اللہ" مرحبا نام خدا	نبی آیا اور خدا کی طرف سے پیام لایا، آفریں، اُس کی آمد خوش کن، چشم بد اُس سے دُور۔
جادۂ راہی نمایان کرد و رفت راہ رفتن بر تو آسان کرد و رفت	نبی نے (ایمان کا) راستہ دکھایا اور رخصت ہو گیا۔ سفر کی راہ تم پر آسان کر کے گزر گیا۔ (مذہب کا لفظی ترجمہ: راہِ سفر)
چون تو کی از ناسپاسانیم ما پیرو ایزد شناسانیم ما	تمہاری طرح ہم کب ناشکرے ہیں۔ ہم تو عارفانِ خدا کی پیروی کرتے ہیں۔

حق پرستان جملہ این رہ رفتہ اند	سارے خدا پرست اس راہ پر چلے ہیں اور وہ اس لیے چلے
زان کہ با دلہای آگہ رفتہ اند	کہ اُن کے پاس حقیقت آشنا دل تھا۔
اصل ایمانست طرز خاص ما	ہمارا خاص شیوہ ایمان کی اصل بنیاد ہے، ہمارا اخلاص محض
خالصاً للّٰہ بود اخلاص ما	اللہ کے لیے ہوتا ہے۔
عرس واین شمع و چراغ افروختن	اگر (دینی بزرگوں کا) عرس منایا جاتا ہے،
عود در مجمر بر آتش سوختن	چراغاں ہوتا ہے، شمعیں روشن کی
	جاتی ہیں، انگیٹھی میں خوشبوئیں جلاتے ہیں،
جمع گشتن در یکے ایوان ہمی	ایک مقام پر لوگ جمع ہوتے ہیں، اور
پنج آیت خواندن از قرآن ہمی	قرآن کی پانچ آیتیں پڑھتے ہیں۔
	روٹی مانگنے والوں کو روٹی دی جاتی ہے
نان بنان خواہندگان دادن دگر	اور اپنے مُردوں کی رُوح کو ثواب
مردہ را رحمت فرستادن دگر	پہنچایا جاتا ہے تو یہ
	سب خدا کے پسندیدہ بندوں کی
گر پی ترویح روح اولیاست	رُوحوں کو ثواب پہنچانے کے لیے سہی لیکن دراصل خدا کے لیے
درحقیقت آنہم از بہر خداست	(خدا کی راہ میں) کیا جاتا ہے۔
اولیا را گر گرامی داشتیم	اگر ہم اولیا کو عزیز رکھتے ہیں
نز پی رومی و شامی داشتیم	تو ان کے رومی وشامی
	ہونے کے سبب نہیں بلکہ وہ اس لیے (عزیز ہیں)
از برای آنکہ این آزادگان	کہ ان آزاد انسانوں نے
از رہ حق جان بجانان دادگان	راہ راست پر چل کر اپنے محبوب پر جان قربان کردی۔

از شہود حق طرازی داشتند
با خدای خویش رازی داشتند

وہ مشاہدۂ حق کا طریقہ جانتے تھے، اور اپنے خدا سے راز و نیاز رکھتے تھے۔

نورِ چشم آفرینش بودہ اند
شمع روشن ساز بینش بودہ اند

یہ لوگ عالم موجودات کی آنکھ کا نور تھے جنھوں نے بصیرت کی شمع روشن کر دی۔

حق پرستان را بباطل کار نیست
محوِ لیلیٰ را بہ محمل کار نیست

حق کے ماننے والوں کو باطل سے کیا کام! جو لیلیٰ پر مٹا ہوا ہو، اُسے محمل سے واسطہ نہیں ہوتا۔

گر نہ از لیلیٰ بود دیدار جوی
کی بہ محمل آورد دیوانہ روی

اگر عشق کے دیوانے کو لیلےٰ کے دیدار کی تمنا نہ ہوتی تو وہ محمل کی طرف رُخ نہ کرتا۔

گرچہ با لیلیست حرف از جان زدن
لیک بر محمل لگد نتوان زدن

اگرچہ وہ لیلیٰ کے ساتھ اپنی جان کی بات کرنا چاہتا ہے تاہم محمل کو لات نہ مارے گا (کیوں کہ اس کو لیلیٰ سے علاقہ ہے۔)

آن ولی در یادِ حق مستغرقست
عینِ حق گر نیست خود محوِ حقست

خدا کا ولی جو خدا کی یاد میں ڈوبا ہوا ہے وہ بذاتِ خود حق (خدا) نہ سہی، تاہم حق میں محو تو ہے۔

حق بود پیدا نہاں دیگر چہ ماند
چون ولی رفت از میان دیگر چہ ماند

جب ولی ذاتِ حق میں محو ہوا اور جو کچھ بھی ظہور میں ہے وہ حق ہے تو اب باقی کیا رہا۔ (سوائے حق کے)؟

خیز تا حدِّ ادب داری نگاہ
بی ادب را بر دمِ تیغ ست راہ

اٹھو، ہوشیار ہو تا کہ ادب کا پاس رہے، بے ادب کا راستہ تلوار کی دھار پر ہوتا ہے۔

با دلی آویختی دیوانۂ
یا بر آتش ریختی پروانۂ

(اللہ کے) دل سے الجھے ہو، دیوانے ہوئے ہو، یا پروانے ہو کر آگ پر گرتے ہو۔

نیستی عارف کہ گویم خود مباش
بد مبیں و بد مگوی و بد مباش

تم عارف خدا نہیں ہو کہ تم سے خودی مٹانے کو کہوں البتہ (برائے) دیکھو، برا نہ کہو، برے نہ بنو۔

بد شمردی رہروان پیش را
رہرو چالاک گفتی خویش را

اگلوں کو تم نے برا سمجھا اور خود کو (شریعت کی راہ کا) بڑا ہوشیار مسافر کہا۔

گر سفر اینست منزل‌گہ کجاست
'لا الٰہ' گفتی و الّا اللہ کجاست

اگر (تمہارا) سفر یہی ہے تو پھر منزل کہاں ہوگی۔ اللہ کے سوا سب کی نفی کر چکے تو اللہ کا اثبات کہاں ہے؟

ہست رسم خاص در ہر مرز و بوم
خود چہ میخواہی ز نفی این رسوم

ہر ایک سرزمین کی رسم ریت ہوتی ہے، ان رسموں کے انکار سے تمہارا منشا کیا ہے؟

نفی رسم کفر ما ہم می کنیم
داد با دانش فراہم می کنیم

ہم بھی کفر کی رسم سے انکار کرتے ہیں، عقل و انصاف کا شیوہ اختیار کرتے ہیں۔

نفی کفر آئین ارباب صفاست
نفی فیض ای تیرہ دل رسم کجاست

کفر سے انکار کرنا پاکیزہ لوگوں کا دستور ہے، لیکن اے سیاہ باطن لوگو! یہ تو بتاؤ فیض سے انکار کرنا کہاں کی رسم ہے؟

نفی رسم و رہ ہوا را می کشد
نفی فیضست اینکہ ما را می کشد

ریت رسم کا انکار خواہش نفسانی کو مارتا ہے مگر جو فیض پہنچتا ہے اس سے انکار ہم کو مار ڈالتا ہے۔

ای گرفتار خم و پیچ خیال
نفی بی اثبات نبود جز ضلال

خیالات کی بھول بھلیوں میں پھنسنے والے، یہ محض گمراہی ہے کہ انکار تو ہو مگر اس کے ساتھ اقرار نہ ہو۔

ور تو گوئی 'میکنم اثبات حق'
از چه روئی منکر آیات حق

اور اگر تم کہو کہ میں حق کا اثبات کرتا ہوں، تو پھر خدا کی نشانیوں (یعنی اولیا) سے انکار کیوں کرتے ہو؟

دانم از انکار انکار آوری
پیچشی در زلف گفتار آوری

مجھے معلوم ہے کہ تم انکار سے انکار کرتے ہو اور بیان کی زلف کو (خواہ مخواہ) الجھاتے ہو۔

منکر اثبات گوئی نیستم
من حریف این دوروئی نیستم

تم کہتے ہو کہ میں (حق کے) اثبات کا منکر نہیں ہوں، مگر میں اس دورُخی کو نہیں مانتا۔

اولیا خاصان شاهی نیستند
یعنی آیات الٰهی نیستند

(اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو) اولیاء اللہ خاصانِ خدا نہ ہوئے اور اللہ کی نشانیاں ان سے ظاہر نہیں ہوتیں۔

معجزات انبیا آیات کیست
وین صفتها را ظهور از ذات کیست

(تو پھر) نبیوں سے جو معجزے ظاہر ہوئے، وہ کس کی نشانیاں ہیں اور یہ صفات کس کی ذات کی بدولت پائی جاتی ہیں؟

این و آن را هر زه انکاری همی
تا چه از هر در نظر داری همی

تم اس سے بھی انکار کرتے ہو اور اُس سے بھی (یعنی اولیا سے) تو پھر حق سے تمہاری کیا مراد ہے (کیونکہ ان اولیا کی ہستی عین ذاتِ حق ہے)

چون ترا انکار تا این غایتست
آنچه پذرفتی کدامی آیتست

جب تمہارا انکار اس حد کو پہنچا ہوا ہے تو پھر وہ کون سی آیت (نشانی) ہے جو تم نے قبول کی؟

من نہ بد گفتم وگر گفتم مرنج
تو کرا بد گفتۂ در دل بسنج

میں نے کوئی بُری بات نہیں کہی اور اگر کہہ دی ہو تو بُرا مت مانا، ذرا اپنے دل میں سوچو کہ تم نے کس کو بُرا کہا۔

خواجۂ دنیا و دین را منکری
زمرۂ اہلِ یقین را منکری

تم تو دین و دنیا کے آقا سے انکار کرتے ہو جن ہستیوں کو یقین کا مرتبہ حاصل ہے اُن کے منکر ہو۔

با دلِ رنجیدۂ از کینہ پاک
منکری را گر بوَم منکر چہ باک

دکھے ہوئے دل کے ساتھ، جس میں کینہ نہیں ہے، اگر میں منکروں کا انکار کروں تو کیا حرج ہے!

دردِ دل در نظم گفتن نیست بحث
من کہ رندم شیوۂ من نیست بحث

شعر میں اپنے دل کا دکھ بیان کرنا بحث چھیڑنا نہیں ہے۔ میں ایک رند آدمی ہوں مجھے بحث کرنا نہیں آتا۔

من سبکروحم گراں جاں نیستم
صد نشاں پیداست پنہاں نیستم

میں ہلکی پھلکی طبیعت والا، میرے سینے پر بوجھ نہیں رہتا سیکڑوں نشانات ظاہر ہیں، میں کوئی پوشیدہ نہیں ہوں۔

وین کہ می گوئی توانا کردگار
چوں محمد دیگری آرد بکار

اور یہ جو تم کہتے ہو کہ خدائے قادر چاہے تو محمدؐ کی مثل دوسرا پیدا کردے۔

با خداوند دو گیتی آفریں
ممتنع نبود ظہوری ایں چنیں

جس خدا نے دونوں دنیائیں پیدا کی ہیں، اس کی ذات سے یہ ناممکن نہیں کہ وہ محمدؐ کا مثل ظہور میں لے آئے۔

نغز گفتی نغز تر باید شنفت
آنکہ پنداری کہ ہست اندر نہفت

تم نے اچھی بات کہی، اب اس سے اچھی سنو، تم جو سمجھتے ہو کہ عدم میں اُن کا مثل نہاں ہے جو ظہور میں آسکتا ہے۔

گرچہ فخر دودۂ آدم بُود ہم بقدر خاتمیت کم بُود	اگرچہ وہ (دوسرا احمد) نسلِ انسانی کے لئے فخر ہوگا لیکن پھر بھی اس میں خاتمیت (خاتم المرسلین ہونے کی صفت) کی کمی رہ جائے گی۔
صورت آرایش عالم نگر یک مہ و یک مہر و یک خاتم نگر	دیکھ کر دنیا کی آرائش کس طرح ہے، اس میں ایک سورج ہے، ایک چاند ہے اور ایک ہی خاتم (آخری پیغمبر) ہے۔
ایں کہ میگویم جوابِ بیش نیست مہر و مہ زان جلوہ تابی بیش نیست	جو کچھ میں کہتا ہوں وہ تمہارا جواب ہے۔ مہر و ماہ اس کے جلوہ کی ایک چمک سے زیادہ نہیں ہیں۔ (یعنی جلوہ کی چمک اور بھی ہو سکتی ہے مگر باعتبار واقع کے نہیں ہے)
آنکہ مہر و ماہ و اختر آفرید می تواند مہر دیگر آفرید	جس نے سورج، چاند اور ستارے بنائے، وہ چاہے تو دوسرا سورج بھی بنا سکتا ہے۔
حق دو مہر از سوی خاور آورد کور باد آن کو نہ باور آورد	اگر مشرق کی طرف سے وہ دو سورج نکال دے تو جو اس پر ایمان نہ لائے وہ اندھا ہوگا۔
قدرتِ حق بیش ازیں ہم بودہ است ہر چہ اندیشی کم از کم بودہ است	خدا کی قدرت اس سے بھی زیادہ ہے جتنی تم (اس کی قدرت) سمجھتے ہو، وہ بھی کم سے کم ہے۔
لیک در یک عالم از روئی یقین خود نمی گنجد دو ختم المرسلین	لیکن یقین کی رُو سے یہ بات نہیں مانی جا سکتی کہ ایک ہی دنیا میں دُو دُو آخری پیغمبر ہوں۔
یک جہاں تا ہست یک خاتم بس ست قدرتِ حق را نہ یک عالم بس ست	جب تک ایک دنیا ہے ایک ہی اس کا آخری پیغمبر ہوگا۔ البتہ خدا کی قدرت ایک دنیا پر ختم نہیں ہو گئی۔

خواہد از ہر ذرہ آرد عالمی
ہم بود ہر عالمی را خاتمی

وہ چاہے تو ہر ایک ذرّے سے ایک دنیا پیدا کر دے اور پھر ہر دنیا کا ایک خاتم المرسلین ہو۔

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمۃً للعالمینی ہم بود

جہاں کہیں بھی دنیا کی چہل پہل ہوگی وہاں کوئی رحمۃ للعالمین (دنیاؤں کے لیے رحمت) بھی ضرور ہوگا۔

کثرتِ ابداعِ عالم خوب تر
یا بیک عالم دو خاتم خوب تر

بہتر کیا ہے؛ نئی نئی دنیاؤں کا وجود میں آنا یا ایک دنیا میں دو دو خاتم کا ہونا؟

در یکی عالم دو تا خاتم مجوی
صد ہزاران عالم و خاتم بگوی

اس ایک دنیا میں خاتم (آخری پیغمبر) کی امید نہ رکھو، ہاں یہ کہو کہ لاکھوں دنیائیں ہوں اور ان کے اپنے اپنے خاتم ہوں۔

غالب این اندیشہ نپذیرم ہمی
خوردہ ہم بر خویش می گیرم ہمی

غالب یہ کیا (فضول) بات کہی۔ یہ مجھے قبول نہیں، میں خود اپنی غلطی پکڑتا ہوں۔

ایکہ ختم المرسلینش خواندہٗ
دانم از روی یقینش خواندہٗ

یہ جو تم نے (محمدؐ کو) ختم المرسلین کہا تو ظاہر ہے کہ تم نے یقین سے ہی کہا ہوگا۔

این "الف لامی" کہ استغراق راست
حکم ناطق معنی اطلاق راست

یہاں (ختم المرسلین کے لقب میں) الف لام استغراق کا ہے اس کے معنی ہوئے کہ مطلق مرسلین (یعنی جتنے بھی رسول ہو سکتے ہیں وہ اس میں شامل ہیں پس سب کے خاتم آنحضرت ہیں۔)

مبدأ ایجاد ہر عالم یکیست
گر دو صد عالم بود خاتم یکیست

چوں کہ ہر عالم کا مبدا (پیدا کرنے والا) ایک ہی ہے اس لیے اگر دو سو عالم بھی ہوں تو اُن کا خاتم ایک ہی ہوگا۔

خود ہمی گوئی کہ نورش اوّلست
از ہمہ عالم ظہورش اوّلست

تم خود کہتے ہو کہ اس (محمد) کا نور اوّل ہے اور اُن کا ظہور سب سے اوّل ہوا۔

اوّلیت رابود شانی تمام
کی بہر فردی پذیرد انقسام

اولیت کی ایک شان ہے جو اوّل پر تمام ہو جاتی ہے۔ اولیت منقسم ہو کر متعدد ذاتوں میں نہیں پائی جاتی۔

جوہرِ کُل برنتابد تثنیہ
در محمدؐ رہ نیابد تثنیہ

جوہرِ کُل میں دو کے ہونے کی گنجائش نہیں، محمدؐ کی ذات میں دوئی کا گزر نہیں ہوسکتا۔ (یعنی جس کی ذات کل عالم کی اصل ہے اس کی مثل کہاں ہوسکتی ہے)

تا نورزی اندر امکان ریو ورنگ
حیز امکان بود برمثل تنگ

جب تک کہ امکان مثل محمدؐ کے ساتھ مغالطہ آمیز دلیل پیدا نہ کرو اس وقت تک قدرتِ خداوندی کے دائرے میں (محمدؐ کا) مثل نہیں سماسکتا۔

میم امکان اندر احمدؐ منزویست
چون زامکان بگزری دانی کہ چیست

امکان کا میم احمدؐ میں چھپا ہوا ہے اگر امکان کو ساقط کر دو تو جان لو کہ کیا رہا۔ (یعنی احمدؐ سے میم گرایا تو احد رہا۔ اور ذاتِ احد کی مثل محال ہے۔

صانع عالم چنیں کرد اختیار
کس بعالم مثل نبود زینہار

دنیا کے پیدا کرنے والے کی مرضی یہی تھی کہ دنیا میں محمدؐ کے مثل ہرگز نہ ہونے پائے۔

این نہ عجزست اختیارست ای فقیہ
خواجہ بی ہمتا بود لاریب فیہ

اے عالم دین، یہ قدرت خدا کی بے بسی نہیں بلکہ اختیار ہے رسول بے مثال ہیں اور رہیں گے اس میں کوئی شک نہیں (یعنی خدا مثل محمدؐ پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہے بلکہ ارادۃً ایسا کیا کہ اُن کی مثال محال رہے)

ہر کرا باسایہ نہ پسندد خدا
ہمچو اوئی نقش کی بندد خدا

خدا نے جس ہستی کا سایہ تک نہ بنایا ہو اس کا مثال کیسے بنا دے گا۔

ہم گہر مہر منیرش چون بُود سایہ چون نبود نظیرش چون بُود	روشن سورج بھی اُن کی اصل میں موجود نہیں، جس وجود کا سایہ نہ پڑتا ہو اُس کا ثانی کیسے ہوسکتا ہے؟
منفرد اندر کمال ذاتیست لاجرم مثلش محال ذاتیست	رسول اپنی ذاتی صفات میں یکتا ہیں (اس لیے) انکا مثال ہونا قطعی ناممکن ہے.
زین عقیدت بر نگردم والسلام نامہ را در می نوردم والسلام	میں اس عقیدے سے منہ نہیں پھیر سکتا، اب تحریر تمام کرتا ہوں، والسلام!

مثنوی ہفتم

تہنیت عید شوال

بازبرانم کہ بہ دیبائی راز
از اثر ناطقہ بندم طراز

میں پھر ارادہ کر رہا ہوں کہ راز کے ریشم پر قوتِ گویائی کے اثر سے گوٹ چڑھاؤں۔

باز برانم کہ دریں جلوہ گاہ
غازہ نہم بر رُخ خورشید و ماہ

پھر یہ سوچا کہ اس جلوہ گاہ (دنیا) میں سُورج اور چاند کے چہرے پر اُبٹن لگاؤں (انھیں اور چمکا دوں)

باز زانداز رسائی سخن
بافتہ ام دام ہمائی سخن

پھر اس منصوبہ سے جو سخن کو رسائی دینا ہے، شاعری کے ہُما کو گرفتار کرنے کے لئے جال بُن لیا ہے۔

باز بآہنگ سخن گستری
ساختہ ام خامہ زبالِ پری

پھر شاعری (کا کمال) دکھانے کے خیال سے میں نے پری کے بازو کا قلم بنایا ہے۔

پای فرو رفتہ قلم را بگنج
خامہ برقصست و نفس نغمہ سنج

یکایک قلم کا پاؤں ایک خزانے میں اتر گیا، اب وہ رقص میں ہے اور سانس سے نغمے اُبل رہے ہیں۔

رند جہان سوز ملامت کشم
خود ز دو گیتی بہ خیالی خوشم

میں وہ رند ہوں کہ جہان کو جلا دینے والی ملامت مجھ پر کی جا رہی ہے، لیکن میں اپنے خیال میں دونوں جہان سے خوش ہوں۔ (اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو اچھا سمجھتا ہوں)

من نہ ہمین پیکر آب و گلم
راز فراوان بود اندر دلم

میں صرف مٹی پانی کا ایک پتلا ہی نہیں ہوں بلکہ میرے دل میں بہت راز بھرے ہیں۔

یافتہ ام منصب کار آگہی
خاصہ بتوقیع بہادر شہی

مجھے خصوصاً بہادر شاہ کے فرمان سے واقف کار ہونے کا مرتبہ ملا ہے۔

جوہر نابم من و شہ جوہریست
خوبی آئینہ ز روشنگریست

میں ایک خالص جوہر ہوں اور بادشاہ (میرا) جوہری ہے۔ آئینے کی خوبی صیقل سے ہوتی ہے۔

جنبش کلکم بہوائے شہست
نازش نطقم بہ ثنای شہست

میرا قلم ہوائے (محبت) شاہ میں حرکت کرتا ہے اور میری گفتگو کو بادشاہ کی تعریف کرنے پر ناز ہے۔

کردہ قلم از گہر شاہوار
بہر شہنشاہ فراہم نثار

قلم نے بادشاہ پر نچھاور کرنے کو بڑے بڑے نفیس موتی تیار کیے ہیں۔

نیست دوئی در روش دین من
شاہ پرستی بود آئین من

میرے طریق میں دورنگی (کا گزر) نہیں۔ صرف اپنے بادشاہ کی پرستش کرتا ہوں، یہی میرا شیوہ ہے۔

آنکہ ز شاہیست نشان مندیش
چون نہ پذیرم بخداوندیش

وہ بادشاہ جس میں شاہانہ آثار پائے جاتے ہیں اسے میں دل سے اپنا مالک کیوں نہ مان لوں؟

پیشۂ من جملہ ثنا گستریست
کار خداوند رہی پروریست

میرا کام بس اتنا ہے کہ اس کی تعریف کیے جاؤں اور مالک کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کی پرورش کیے جائے۔

باشدم از فرۂ انوار شاہ
فرخیِ عید بدیدار شاہ

بادشاہ کے نور کی یہ شان ہے کہ مجھے اس کی زیارت سے عید کی خوشی ہوتی ہے۔

خامۂ من گشتہ بہ تقریب عید
قفل در گنج سخن را کلید

میرا قلم عید کے جشن کے موقع پر ایک کنجی بن گیا ہے، جس سے شعر شاعری کے خزانے کا تالا کھلتا ہے۔

نکتہ طرازی بمن آموخت عید
سینہ بنور خرد افروخت عید

عید کے موقع نے مجھے نکتہ طرازی سکھا دی ہے اور میرے سینے میں عقل کا نور بھر دیا ہے۔

تا حرم از ہند درازست راہ
بستہ ام احرامِ درِ پادشاہ

ہندوستان سے کعبے تک فاصلہ بہت بڑا ہے (اس لیے) میں نے تو بادشاہ کے دروازے پر احرام باندھ لیا ہے۔ (اور اسی آستانے کے چکر کاٹا کرتا ہوں)

گر نتواں گشت بگرد سرش
جبہہ تواں سود بخاک درش

اگر شاہ کے گرد گھوم کر نثار نہیں ہو سکتا تو (یہی غنیمت ہے کہ) اس کے دروازے پر ماتھا ٹیک سکتا ہوں۔

طلعت شاہ آئینۂ حق نماست
حق طلبان پیرو و شہ پیشواست

بادشاہ کی پیشانی ایک آئینہ ہے جس میں حق کا جلوہ نظر آتا ہے۔ حق کی تلاش کرنے والے مُرید ہیں اور بادشاہ پیرو مرشد۔

شاہ فروزاں رُخ فرّخ گہر
قبلۂ ارباب نظر بوظفر

اہلِ نظر کا قبلہ و کعبہ ابوظفر ایسا بادشاہ ہے جس کے چہرے پر روشنی اور طینت میں بلندی ہے۔

خسرو فرزانۂ فیروز بخت	ایک دانا اور قسمت کا دھنی بادشاہ،
ہم ز ازل وارث دیہیم و تخت	جو ازل سے تاج و تخت کا وارث ہے۔
عالم و این نعمت الوانِ او	اس دنیا کی طرح طرح کی نعمتیں سب اس کے بزرگوں کے
زلّہ از خوانِ نیاگانِ او	دسترخوان کا جھوٹا کھانا ہے۔
تاجوران قافلہ در قافلہ	ایک کے بعد ایک بادشاہ کی قطار
راست چنان دان کہ درین سلسلہ	لگی ہوئی ہے. غور کرو تو یہ سلسلہ (نیچے سے اوپر تک)
	ایسا نظر آتا ہے جیسے
راست بآدم رسد از بنگری	بہادر شاہ سے لے کر آدم تک سرداری، بادشاہی
سروری و شاہی و پیغمبری	اور پیغمبری کا تار بندھا ہوا ہے۔
آنکہ چو شمع خرد افروختہ	یہ وہ ہستی ہے کہ جب اس نے عقل کی شمع روشن کی تو مشتری
مشتری از وی ادب آموختہ	(جیسے مبارک سیارے) نے اس سے سعادت کے قانون سیکھے۔
در بخدنگ افگنی آوردہ روی	اور اگر تیر چلانے کی طرف رخ کیا تو (ایسا اچوک نشانہ لگایا کہ)
از قدر انداز قدر بردہ گوی	قضا و قدر کی نشانہ بازی سے بڑھ گیا۔
قہرش اگر تفرقہ افگن شود	اگر اس بادشاہ کا جلال چیزوں کو برہم کرنا شروع کر دے تو
نامیہ غارت گر گلشن شود	باغ کے پھلنے پھولنے کی قوت ہی اسے برباد کر ڈالے۔
حفظش اگر عام کند ایمنی	اور اگر بادشاہ کی محافظت امن کو عام کر دے تو ہوا سے شمع کو
شمع پذیرد ز ہوا روشنی	روشنی ملنے لگے۔ (بجائے بجھ جانے کے)

عزمش اگر بانگ بر اشہب زند
قافلۂ خور بدل شب زند

اگر اس کا عزم گھوڑے کو للکار دے تو وہ اڑ کر آدھی رات ہی میں سورج کے قافلے پر حملہ کردے۔

لطفش اگر دایہ بہ گلخن دہد
آتش و دودش گل و سوسن دہد

اور اگر اس کا کرم انگیٹھی کو بھیک دے دے تو آگ اور دھوئیں کے بجائے اس میں سے گلاب اور سوسن اگنے لگیں۔

مدح شہنشاہ ہمایوں نژاد
نیست نوای کہ توان ساز داد

مبارک اصل (یا ہمایوں کی نسل) کے شہنشاہ کی تعریف وہ آواز نہیں ہے جو کسی ساز میں سما سکے۔

زین ہمہ اندیشہ کہ من میکنم
گدیۂ اقبال سخن میکنم

میں جو کچھ فکر سے کام لیتا ہوں یہ بھی اس کے اقبال سخن کی بھیک ہے۔

در نبود حلقہ برین در زدن
گام ز اندازہ فراتر زدن

اگر اس آستانے پر بیٹھ کر بھیک نہ مانگی ہوتی تو شاہ کی مدح کرنا اپنی حد سے آگے بڑھنا ہوتا (تو اندازے سے آگے قدم پڑتا)

چون بسخن دسترس او بود
بندہ ہمان بہ کہ دعا گو بود

بندۂ درگاہ کو جب سخن پر قابو ہو تو بہتر یہی ہے کہ بادشاہ کے حق میں دعا کی جائے۔

خواستہ غالب بسخن گستری
تازگی طرز ستایشگری

سخن گستری (شاعرانہ اظہار کمال) سے غالب کے دل کی مراد یہ ہے کہ مدح کرنے کے طرز میں جدت پیدا کرے۔

ز اہل سخن ہر کہ طرازد ثنا
خاتمۂ آن نبود جز دعا

شاعروں میں سے جس کو بھی مدح کرنی ہوتی ہے اس کا خاتمہ کلام دعا پر ہی ہوتا ہے۔

شیوۂ گفتار بآئین خوشست
حرفِ دعا از پس تحسین خوشست

بات سلیقے سے کہی جائے تبھی اچھی رہتی ہے، تعریف کر لینے کے بعد دعا کا کلمہ زبان پر لانا چاہیئے۔

نکتہ سرایانِ فروہیدہ فن
جادہ شناسانِ طریقِ سخن

بلند مرتبت اہلِ قلم جو کلام کے طرز سے خوب آگاہ ہیں، جب دعائیہ کلمہ زبان پر لاتے ہیں تو

حرفِ دعا چون بزبان آورند
شرطِ جزائی بمیان اورند

شرطِ جزا بھی درمیان ہوتا ہے، (جیسے دن رات ہوتے رہیں، ہمارا ممدوح زندہ رہے)

منکہ ندانم سخن آراستن
بس بود اینم ز خدا خواستن

مجھے سخن آرائی نہیں آتی لہذا خدا سے صرف یہ دعا کرتا ہوں کہ

دولتِ شہ دولتِ جاوید باد
تا ابدش عید پس از عید باد

بادشاہ کی سلطنت ہمیشہ قائم رہے اور ابد تک عید کے بعد عید مناتا رہے۔

مثنوی ہشتم

در تہنیت عید بہ ولی عہد

من کہ دریں دائرۂ لاجورد — میں، جس نے اس نیلے گھیرے (دنیا) میں
کردہ ام از حکم ازل آبخورد — حکم خدا سے روزی پائی ہے۔

پیکر از خاک و دل از آتشست — میرا بدن مٹی کا اور دل آگ کا بنا ہے،
روشنی آب و گل از آتشست — میرے ضمیر میں آگ کی روشنی ہے۔

آتشم آنست کہ دودیش نیست — میری آگ وہ ہے جس میں دھواں نہیں،
بر نمط شعلہ نمودیش نیست — شعلے کی صورت تو نہیں دیتی۔

سوختہ ام لیک نسوزندہ ام — میں خود جلا ہوا ہوں، لیکن کسی کو جلاتا نہیں، بے دھوئیں
آتش بی دود فروزندہ ام — کی آگ ہوں اور روشنی دیتا ہوں۔

آتشم اما بفروغ و فراغ — آگ ہوں لیکن اپنی روشنی اور سلامتی میں میری مثال شمع
روشنی شمعم و نور چراغ — کی روشنی اور چراغ کے نور کی ہے۔

ای کہ زنی دم ز ہوا خواہیم
شمع و دانی کہ سحر گاہیم

تم جو میری دوستی کا دم بھرتے ہو، میں شمع ہوں، تم سمجھتے ہو کہ چراغِ سحری (تھوڑی دیر کا مہمان) ہوں۔

دارم ازیں زمزمہ شرمندگی
پرتو مہرم بدرخشندگی

مجھے اپنے اس نغمے (دعوے) سے شرمندگی ہے۔ میں اپنی چمک دمک میں سورج کا پرتو (دھوپ) ہوں

پرتو خورشید گر افتد بخاک
ہست ز آلودگی خاک پاک

اگر دھوپ مٹی پر پڑے تو مٹی کی گندگی سے پاک ہی رہتی ہے۔

خصم گر این نکتہ شمارد دروغ
غم مخور اینک من و اینک فروغ

دشمن اگر سمجھتا ہے کہ اس میں جھوٹ ہے، کیا پروا، میں بھی موجود ہوں، میری آب و تاب بھی موجود ہے۔

نی نی اگر راست سرایم ہمی
مہر جہانتاب نشایم ہمی

نہیں نہیں، اگر سچ کہوں تو دنیا کو نور دینے والے سورج سے مجھے کیا نسبت!

ذرہ ام و دیدۂ بدخواہ کور
ذرہ ز خورشید پذیرفتہ نور

میں ذرہ ہوں، دشمن کی آنکھ بے نور ہو جائے۔ ذرے کو آفتاب سے ہی نور پہنچتا ہے۔

خاک رہ از روشنی آفتاب
جلوہ فروشد کہ منم خویشتاب

راستے میں پڑی مٹی آفتاب کی روشنی کی بدولت جلوہ کرتی ہے (اور اس خوش فہمی میں رہتی ہے) کہ میں بذاتِ خود روشن ہوں۔

ذرہ اگر بال انا الشرق زد
ہم ز درخشانی آں برق زد

ذرہ اگر دعویٰ کرے کہ میں مشرق ہوں تو یہ دعویٰ اسی برق (جہاں تاب) کی روشنی کے دم سے ہے۔

باکہ توان گفت کہ ایں تاب چیست
ذرہ منم مہر جہانتاب کیست

کس سے کہا جائے کہ یہ روشنی کیا ہے، میں ذرہ ہوں تو خورشید جہاں تاب کون ہے؟

مہر ولی عہدِ شہنشاہِ عہد
زیب فزایندۂ ایں ہفت مہد

وہ خورشید شہنشاہ وقت کا ولی عہد ہے، ان ساتوں زمینوں کی رونق بڑھانے والا۔

روشنی چشم ظفر فتح ملک
فرخ و فرخندہ گہر فتح ملک

شاہ ظفر کے آنکھ کی روشنی میرزا فتح الملک، مبارک، اور شریف النسل شہزادہ۔

ہم بدہش داور فریاد رس
ہم بسخن خسرو مشکین نفس

انصاف اور کرم میں وہ فریاد سُننے والا مالک ہے، اور شاعری میں خوش کلام بادشاہ ہے۔

حسن بہار آئینہ روئی او
نکہت گل توشہ کش خوئی او

اس کے صاف چہرے کا آئینہ بہار کا حسن (دکھاتا ہے) اور پھول کی مہک اس کی عادات سے فیض پاتی ہے۔

کارگہ بارگہش نہ سپہر
خاک نشینان رہش ماہ و مہر

اس کی سلطنت کا کاروبار نو آسمانوں میں چلتا ہے اور چاند سورج اس کے راستے میں خاک نشیں ہیں۔

قیصر و فغفور گدائی درش
یافتہ اوج نظر از منظرش

شاہِ روم اور شہنشاہِ چین اس کے دروازے پر خیرات مانگنے والے ہیں جنہیں اس کے سامنے رہنے کی وجہ سے بلندیٔ نظر مل گئی ہے۔

باد فروش سر راہش بہار
گشتہ غزل خواں بنوای ہزار

اس کی راہ میں فخر کرنے والی بہار بلبل کی آواز میں غزل گاتی ہے۔

گوی فلک در خم چوگان اوست
نازش ایام بدوران اوست

آسمان کی گیند اس کے بلّے کی زد میں ہے، اور زمانے کو ناز ہے کہ وہ اس کے عہد میں ہے۔

باد گر اورنگ سلیمان برد
چون بود اکنون کہ نہ فرمان برد

ہوا اگر سلیمان کا تخت اٹھایا کرتی تھی تو اب سے کیا ہوا جو حکم نہ مانے۔

باد خود از بندگی آزاد نیست
توسن شہ چیست اگر باد نیست

(وجہ یہ کہ) ہوا بھی آزاد نہیں، پابند ہے۔ بادشاہ کا گھوڑا ہی اگر ہوا نہیں تو وہ کیا ہے؟

دہر بہ گیتی دگر آئین نہاد
تخت نہاد آن یک و این زین نہاد

اب زمانے نے اپنا دستور بدل دیا ہے، وہ تخت رکھا کرتے تھے اور یہ زین رکھتے ہیں۔

در روش کوکبۂ خسروی
قاعدہ آنست کہ در رہروی
زین چو فرا پشت تگاور نہند
غاشیہ بر دوش سکندر نہند

جب شاہی سواری چلتی ہے تو
قاعدہ یہ ہے کہ
سفر میں گھوڑے کی پشت پر زین جماتے وقت
زین پوش سکندر کے کاندھے پر
ڈال دیتے ہیں۔

گردد اگر دوش سکندر فگار
خضر برد غاشیۂ شہریار

اگر سکندر کا شانہ چھل جائے تو بادشاہ کا زین پوش خضر لے کر چلتے ہیں۔

شکر کہ سعیم ز قلم کام یافت
تہنیت عید سر انجام یافت

خدا کا شکر ہے کہ میری کوشش قلم کی بدولت پھلنے لگی اور عید کی مبارکباد انجام پاگئی۔

پایہ سلطان بلند آستان
برتر ازانست کہ گفتن توان

بلند درگاہ بادشاہ کا مقام اس سے بلند ہے کہ بیان میں سما سکے۔

غالبؔ اگر دم ز ثنا زد مخند
گو نکند دعویٰ ناسود مند

غالب نے اگر تعریف میں لب کشائی کی تو مذاق نہ اڑاؤ، البتہ جتا دو کہ بے حاصل دعوا نہ کر جائے۔

داد نشانی ز ثنا خوانیش
لیک نہ در خورد جہانبانیش

اس نے بادشاہ کی تعریف میں کچھ کہا تو، مگر یہ مدح و ثنا ممدوح کی شانِ حکومت کے شایاں نہیں ہے۔

گرچہ بہ از نظم نظامیست این
مدح مخوان خط غلامیست این

اگرچہ یہ کلام نظامی گنجوی کی شاعری سے بہتر ہے، تاہم اسے مدح نہ کہنا چاہئے، یہ تو غلامی کی دستاویز ہے۔

گویم و دانم کہ زگفتار من
تازہ شود رونق بازار من

میں یہ شعر کہہ رہا ہوں اور جانتا ہوں کہ میرے بیان سے میری حیثیت بن جائے گی۔

لیک حق مدح نگردد ادا
ہیچ نیاید زمن الاّ دعا

لیکن مدح کا حق ادا نہیں ہوگا، مجھ سے دعا کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

کار نہ از روی ریا میکنم
نیم شب آہنگ دعا میکنم

میں کوئی دکھاوے کا کام نہیں کرتا، آدھی رات کو یہ دعا مانگنے کی نیت کرتا ہوں۔

با تو بگویم کہ چگویم ہمی
بہر شہ از دہر چہ جویم ہمی

تمہیں کیا بتاؤں کہ دعا میں کیا کہتا ہوں اور بادشاہ کے لیے زمانے سے کیا طلب کرتا ہوں۔

طالع اسکندر و آن فرخی
زندگی خضر بدان فرخی

سکندر کی تقدیر اور وہی کامیابی اور شرف خضر کی (ابدی) زندگی اور اسی خوبی کے ساتھ۔

با نفسم فیض سحر یار باد
سینۂ من مشرق انوار باد

میرے سانس کو صبح کا فیض پہنچتا رہے اور میرا سینہ روشنیوں کا مشرق بنا رہے۔

مثنوی نہم[9]

دیباچہ

"نثر بست دہفت افسر"[27]

(تصنیف حضرت فلک رفعت شاہ اودھ)

بنام ایزد زہے مجموعہ راز
شگفت آور تراز نیرنگ واعجاز

چشم بددور کیا خوب یہ مجمع اسرار ہے کہ سحر اور معجزے سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز ہے۔

نہ جادو لیک ہوش افزا فسونی
جہان را سوئی دانش رہنمونی

(یہ کتاب) جادو نہیں، پھر بھی ایسا افسوں (جادو بھرا کلمہ) ہے کہ اس سے سمجھ بڑھتی ہے اور عقل کی جانب دنیا کی رہنمائی کرتی ہے۔

تعالی اللہ کتابی مستطابی
غلط گفتم ضمروزان آفتابی

سبحان اللہ! کیا نفیس کتاب ہے! غلطی ہوئی، کہنا یہ تھا کہ وہ ایک روشن آفتاب ہے۔

پری پروانہ شمعی عالم افروز
سوادش شب ولی روشن تراز روز

یہ ایک ایسی عالم افروز شمع ہے کہ پری اس پر پروانہ کی طرح جان قربان کرے، اس کی عبارت رات (سیاہی سے لکھی ہوئی) ہے لیکن دن سے بھی زیادہ روشن۔

زبس خوبی سزد بہر سوادش
سویدائی دل مردم مدادش

لوگوں کے دلوں کے سیاہ نقطے اس کتاب کی رشنائی بن گئے چونکہ یہ کتاب ہی اتنی عمدہ ہے کہ اس کی عبارت کو ایسی رشنائی ملے۔

سوادش زلف مشکینی کہ با اوست
ہزاران نکتہ کان باریک چون موست

اس (کتاب کی) عبارت (تحریر) مشکیں (سیاہ اور مہکتی ہوئی) زلف کے مانند ہے جس میں ہزاروں نکتے بال جیسے باریک ہیں۔

بیاضی کاندران بین السطور است
تو گوئی موجی از دریای نور است

ان سیاہ سطروں کے درمیان جو سفید اُجلی جگہ چھوٹی ہوئی ہے وہ گویا دریائے نور کی موج ہے۔

مگر خود چشمۂ نور است و از وی
بہر سو موج می خیزد پیاپی

غالباً یہ خود نور کا چشمہ ہے جس سے لگاتار ہر طرف کو موجیں اٹھتی ہیں۔

بود ہر موج از عنبر نشاں مند
کہ دارد جا بجا با سطر پیوند

بین السطور کی ہر ایک موج عنبر کا پتہ دیتی ہے۔ کیوں کہ جا بجا تحریر کی سطر سے ملی ہوئی ہے۔ (یعنی روشنائی عنبر ہے)

ید بیضا خریدار بیاضش
کہ بادا گرم بازار بیاضش

(موسیٰ کا معجزنما) روشن ہاتھ اس کی روشنی کا خریدار ہے تاکہ اس کی سپیدی رونق پر آئے۔

ستودم لیک وصفش نی ز من پرس
ہم از سلطان انجم انجمن پرس

میں نے اس کی تعریف کر دی لیکن مجھ سے اس کی خوبیاں نہ پوچھ بلکہ اس بادشاہ سے بھی پوچھ جس کی محفل میں ستارے (حاضر) ہوتے ہیں۔

کہ راز دھر در دفتر نگارد
ہمایون "بست و ہفت افسر" نگارد

وہ بادشاہ جو دنیا کا راز کتاب میں درج کرتا ہے اور ہمایوں "بست و ہفت افسر" (۲۷ مبارک تاج) لکھتا ہے۔

شہ فرزانہ چندین افسرش بین
بہر افسر جہان دیگرش بین

عقل مند بادشاہ کے اتنے تاج دیکھو اور ہر ایک تاج پر دوسری دنیا نظر آئے گی۔

همانا جم حشم سلطان عالم
بهم آمیخته ارکان عالم

وہ جمشید کی شان و شکوہ رکھنے والا جہاں دار ہے جس نے نظامِ دنیا کے ارکان کو آمیزش دی ہے۔

طلسمی بسته اندر آفرینش
که افزاید فروغ چشم بینش

عالم میں اس نے ایک ایسا طلسم باندھا ہے جو بصیرت کی نگاہ کی روشنی بڑھاتا ہے۔

بکف ابرو بدل دریاست سلطان
بدانش گوہر یکتاست سلطان

(اودھ کا) یہ سلطان اپنے ہاتھ سے بادل اور دِل سے دریا (کی طرح فیض رساں) ہے اور عقل میں بے مثال جوہر ہے۔

به لهو ار سلکی از گوہر گسسته
ز دانش نیز نقش چند بسته

اگر اس نے کھیل کھیل میں بھی موتیوں کی لڑی توڑی ہے اس سے دانائی کے سبب کئی ایک نقش بن گئے ہیں۔

اگر یابی زبازی داستان ها
ز دین و داد هم بینی نشانها

اگر (اس کے یہاں) تفریحی شغلوں کی داستانیں پاؤ گے تو انصاف اور دین داری کے نظام بھی ملیں گے۔

نی کلکش که بزم آراست از حرف
بشاخ گلبنی ماناست از حرف

اس کے قلم کی ڈنڈی جس نے حرف (ولفظ) کی بزم سجائی ہے، پھولوں کی ایسی ڈالی کے مانند ہے، جو (نزاکت کے مارے) بوجھ نہیں اٹھا سکتی

که نتواند گرانی را تحمل
نگون گردد ز بار غنچه و گل

اور کلیوں اور پھولوں کے بوجھ سے جھکی جاتی ہے (یعنی قلم کا تحریر کے لیے جھکنا الفاظ کے بوجھ سے ہے)

بدان ظلمت همی ماند دواتش
که باشد درمیان آب حیاتش

اس کی دوات (سیاہی کی وجہ سے) اُس تاریکی کے مانند ہے جس کے اندر آبِ حیات ہو۔

سکندر طالعی ، جم بارگاہی
ثریا منظری ، انجم سپاہی

یہ بادشاہ سکندر کی تقدیر اور جمشید کا سا دربار رکھتا ہے۔ ستاروں کے گچھے، ثریا کا سا منظر اور ستاروں کی سپاہ اس کو حاصل ہے۔

بہ دارائی خردمند یگانہ
بہ دانائی شہنشاہ زمانہ

بادشاہی میں وہ دانائے بے مثال اور دانائی میں شہنشاہِ وقت ہے۔

پُر از راز دو عالم سینۂ او
زہی شاہ و زہی گنجینۂ او

اس کا سینہ دونوں عالم کے راز سے بھرا ہے۔ واہ کیا بادشاہ ہے اور کیا اس کا خزانہ!

کفش از پنجۂ خور زرفشان تر
رگ کلکش ز کفت گوہرفشان تر

سُورج کے پنجے سے زیادہ اس کا ہاتھ سونا بکھیرتا ہے۔ اور ہاتھ سے زیادہ اس کا قلم گوہر فشاں ہے۔

اگر مانی همی نازد به ارژنگ
فرو خور خشم و بگذر گوهر و سنگ

اگر (ایران کا مثالی مصوّر) مانیؔ اپنے (مجموعۂ تصاویر) ارژنگ پر ناز کرتا ہے تو غصہ نہ کرو۔ موتی اور پتھر کو چھوڑ دو۔

نگارستان معنی بین که دانی
که بے معنی است صورت‌ہائے مانی

(بادشاہ کے) اس بامعنی نقوش کے مجموعے کو دیکھو تاکہ پتہ چل جائے کہ مانیؔ کی تصویریں بے معنی ہیں۔

نینگیزد چنیں نقش ار چہ مانیست
کہ آن صورت بود وین خود معانیست

مانی ہو کر بھی ویسے نقش و نگار نہیں اُبھار سکتا۔ وجہ یہ کہ اس کے یہاں صرف ظاہری (حسن) ہے اور (بادشاہ کے) یہ خود معانی (کے پیکر) ہیں۔

چو بینی ایں نقوش دلنشیں را
طراز شاہ معنی آفریں را

جب تم ان دل نشیں نقوش کو دیکھو جو معنی آفریں بادشاہ کے سجائے ہوئے ہیں تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نیر اعظم (بڑا

سزد گر "نیّر اعظم" نہی نام کہ از نامش برآید سال اتمام	ستارہ ۔ سورج) اس کتاب کا نام رکھا جائے، کیوں کہ اس نام سے کتاب کی تکمیل کا سال نکلتا ہے۔
وگر باید ازیں خوشتر گہر سفت ریاض ملک معنی می تواں گفت	اور اس سے بھی عمدہ موتی پرونا ہو تو پھر "ریاضِ ملکِ معنی" کہہ سکتے ہیں۔ (اس سے بھی تاریخی عدد نکلتا ہے)
سپس بہر بقائے حامی دین دعا از غالبؔ و از خلق آمین	اب اس کے بعد دین کے حامی کے عمر کی دعا کی جائے، غالبؔ دعا کرے، باقی لوگ آمین کہیں۔
شہنشہ را حیات جاوداں باد بہارستان جاہش بے خزاں باد	بادشاہ کو عمرِ جاوداں نصیب ہو اور اس کے شان و شوکت کے بہارستان میں خزاں نہ آنے پائے۔

مثنوی دہم

تقریظ "آئین اکبری"

مُصحّحہ سید احمد خاں ـــــ صدر الصدور مراد آباد

مژدہ یاران را کہ ایں دیرین کتاب یافت از اقبالِ سید فتح باب	دوستوں کو مبارک ہو کہ یہ پرانی کتاب سید (احمد خاں) کے اقبال سے اب منظرِ عام پر آرہی ہے۔
دیدہ بینا آمد و بازو قوی کہنگی پوشیدہ تشریفِ نوی	آنکھ میں بینائی اور بازو میں قوت آئی، پرانے پن کو نیا لباس میسر ہوا۔
ویں کہ در تصحیح "آئین" رائی اوست ننگ و عارِ ہمت والای اوست	مگر یہ جو آئین (اکبری) کی تصحیح (درستی) کا ارادہ انھوں نے کیا ان کی بلند ہمت کے آگے (یہ چھوٹا سا کام) ننگ و عار کا سبب ہے۔
دل بہ شغلی بست و خود را شاد کرد خود مبارک بندۂ آزاد کرد	ایک کام میں انھوں نے اپنا دل لگایا اور خوش ہوگئے انھوں نے مبارک بندے کو آزاد کر دیا۔ (یعنی ابو الفضل ابن مبارک کی فارسی تصنیف کو خاص و عام کے لیے مفید بنا دیا۔)
گوہرش را آنکہ نتواند ستود ہم بدیں کارش ہمی داند ستود	جو شخص اُن کے جوہرِ ذاتی کی ستائش نہیں کر سکتا (یعنی اس سے آگاہ نہیں) وہ اس تصنیف ہی سے اس کی ستائش کرے گا۔

برچنیں کاری کہ اصلش این بود
آن نشاید کش ریا آئین بود

جس کام کی اصلیت یہ ہو، اس کی تعریف وہی کرے گا جو ظاہرداری کا عادی ہو۔

من کہ آئین ریا را دشمنم
در وفا اندازہ دانِ خودمنم

میں ظاہرداری یا ریاکاری کا دشمن ہوں اور خود ہی اپنی وفاداری کا اندازہ رکھتا ہوں۔

گر بدیں کارش نگویم آفریں
جای آن دارد کہ جویم آفریں

اگر میں (سید احمد کے) اس کام پر آفریں نہ کروں تو حق یہ ہے کہ مجھے داد ملنی چاہیئے (یعنی یہ کام ایسا ہے جو اُن کی شان سے پست ہے)

با بدآئینان نمانم در سخن
کس نداند آنچہ دانم در سخن

مَیں فنِ سخن میں بے راہ لوگوں کی مانند نہیں ہوں، جو بات مَیں اس فن میں جانتا ہوں وہ کسی کو معلوم نہیں۔

کس مخر باشد بگیتی ایں متاع
خواجہ راچہ بود اُمیدِ انتفاع

دنیا میں کوئی اس مال کا خریدار نہ ہوگا، نہ جانے حضرت کو نفع کی ایسی کیا اُمید تھی۔

گفتہ باشد کایں گرامی دفتر است
تاچہ بیند کان بدیدن درخور است

انھوں نے سوچا ہوگا کہ یہ بیش بہا کتاب ہے (عام کی جائے) تاکہ جو دیکھنے کے قابل ہے اسے دیکھا جائے۔

گر ز آئین میرود با ما سخن
چشم بکشا و اندریں دیرِ کہن

اگر ہم سے آئین (نظام سلطنت) کے متعلق گفتگو ہو تو ہم کہیں گے کہ دنیا کے) اس
پرانے بُت خانے میں
نئے آئین پر آنکھیں کھولو،

صاحبانِ انگلستان را نگر
شیوہ و اندازِ اینان را نگر

انگریزوں کو دیکھو، اُن کے طریقِ کار پر نگاہ ڈالو۔

تا چہ آئین ہا پدید آوردہ اند
آنچہ ہرگز کس ندید آوردہ اند

کیسے کیسے قوانین انھوں نے قائم کردیے ہیں، جو کبھی دیکھا نہ تھا، انھوں نے وہ کرکے دکھا دیا ہے۔

زین ہنرمندان ہنر بیشی گرفت
سعی بر بیشینیان بیشی گرفت

(انگلستان والے) ان ہنرمندوں کی بدولت خود ہنر میں اضافہ ہوگیا۔ ان کی کوششیں اگلوں سے بھی آگے نکل گئیں۔

حق ایں قوم ست "آئین" داشتن
کس نیارد ملک بہ زین داشتن

(سلطنت کا انتظام چلانا اسی قوم کا حق ہے۔ کوئی بھی ان سے بہتر ملک داری نہیں کرسکتا۔

داد و دانش را بہم پیوستہ اند
ہند را صد گونہ آئین بستہ اند

انھوں نے عقل اور انصاف کو یکجا کر دیا ہے۔ اور ہندستان کو سو طرح کے قاعدے قانون دیے ہیں۔

آتشی کز سنگ بیرون آورند
ایں ہنرمندان ز خس چون آورند

آگ یوں تو پتھر (کی رگڑ) سے نکل آتی ہے لیکن ان ہنرمندوں نے تنکے (تار) سے آگ کیسے نکال دی۔

تا چہ افسون خواندہ اند ایشان بر آب
دُود کشتی را ہمی راند در آب

پانی پر انھوں نے کیا جادو کیا کہ دھواں (اسٹیم) کشتی کو لیے جاتا ہے۔

گہ دخان کشتی بجیحون می برد
گہ دخان، گردون بہ ہامون میبرد

کبھی دھواں کشتی کو دریا میں لے جاتا ہے، اور کبھی انجن کو دشت و صحرا میں۔

غلتک گردون بگرداند دخان
نرہ گاو و اسپ را ماند دخان

دھواں انجن کے سلنڈر کو گھماتا ہے اور یوں دوڑتا ہے جیسے تیز رفتار بیل یا گھوڑا۔

از دخان زورق برفتار آمده
باد و موج، این ہر دو بیکار آمده

دھوئیں سے اسٹیمر حرکت میں آجاتے ہیں، ہوا (کے جھونکے) اور موج (کے تھپیڑے) کی اہمیت ہی نہیں رہتی۔

نغمہ ہای زخمہ از ساز آورند
حرف چون طائر بپرواز آورند

مضراب لگائے بغیر باجے سے نغمے پیدا کرتے ہیں اور لفظ یا کلام کو پرندے کی طرح اڑا دیتے ہیں۔ (تار برقی کی طرف اشارہ)

ہین، نمی بینی کہ این دانا گروہ
در دو دم آرند حرف از صد کروہ

کیا دیکھتے نہیں ہو کہ یہ عقلمند گروہ دو منٹ میں سینکڑوں کوس کی بات پہنچا دیتا ہے؟

میزنند آتش بباد اندر ہمی
میدرخشد باد چون اخگر ہمی

یہ لوگ ہوا میں آگ لگا دیتے ہیں اور ہوا انگارے کی طرح دہکنے لگتی ہے۔ (گیس کے ہنڈے جلتے ہیں)

رو بہ لندن کاندران رخشندہ باغ
شہر روشن گشتہ در شب بے چراغ

لندن جاؤ (دیکھو) کہ اس چمکتے ہوئے باغ میں رات کے وقت چراغ کے بغیر شہر روشن ہو جاتا ہے۔

کاروبار مردم ہشیار بین
در ہر آئین صد نو آئین کار بین

ان ہوشیار آدمیوں کے کام دیکھو، ایک ایک نظام میں سو طرح کی کاری گری اور انتظام کا تماشا کرو۔

پیش این آئین کہ دارد روزگار
گشتہ آئین دگر تقویم پار

آج زمانے میں جو آئین چل رہا ہے اس کے سامنے دوسرے آئین پرانی جنتری (کی طرح بیکار) ہو کر رہ گئے ہیں۔

ہست، ای فرزانۂ بیدار مغز
در کتاب اینگونہ آئینہای نغز

اے باخبر اور صاحب نظر شخص، کتاب میں اس قسم کے قیمتی آئین درج ہیں۔

چون چنین گنج گہر بیند کسی خوشہ زان خرمن چرا چیند کسی	(غور کرو کہ) جب جواہرات کا ایسا خزانہ نظر میں ہو تو پھر کوئی اُس ڈھیر سے خوشہ چینی کیوں کرے گا؟
طرز تحریرش اگر گوئی خوشست نی فزون از ہر چہ میجوئی خوشست	ہاں اگر یہ کہو کہ (آئین کی بحث نہیں بلکہ) اس کا طرز تحریر عمدہ ہے تو جو تحریر آئیڈیل ہو اس سے بھی بہتر ہے۔
ہر خوشی را خوشتری ہم بودہ است گر سری ہست، افسری ہم بودہ است	ہر ایک خوب سے خوب تر موجود ہوتا ہے۔ اگر سر ہے تو اس کا تاج بھی ضرور ہوگا۔
مبدأ فیاض را مشمر بخیل نوز میریزد رطب بازان نخیل	خدا کی ذات جو فیض کا سرچشمہ ہے اُسے کنجوس نہ سمجھو۔ اس درختِ خرما سے اب بھی تازہ تازہ کھجور ٹپکتے ہیں۔
مُردہ پروردن، مبارک کار نیست خود بگو کان نیز جز گفتار نیست	مردہ پرستی کوئی اچھی بات نہیں ہے، آپ ہی کہئے کہ وہ (کیا ہے) کلام کے سوا اور کچھ تو نہیں ہے (پچھلے شخص کی تحریر کو سر آنکھوں پر رکھنا کیا معنی؟)
غالبؔ آئینِ خموشی دلکش است گرچہ خوش گفتی، نگفتن ہم خوش است	اے غالبؔ، خاموش رہنے کا آئین (اصول) ہی پسندیدہ ہے۔ اگرچہ بات تم نے اچھی کہی تاہم اس کا نہ کہنا بھی اچھا۔
در جہان سید پرستی دینِ تست از ثنا بگذر، دعا آئینِ تست	تمہارا دین یہ ہے کہ دنیا میں سید (آلِ رسول) کے آگے سر جھکاؤ۔ تعریف چھوڑو، دعا دینا تمہارا طریق ہے۔

این سراپا فرۂ د فرہنگ را	یہ صاحب، سیّد احمد عارف جنگ، جو
سیّد احمد خان عارف جنگ را	سر سے پاؤں تک
	عقل و شکوہ کے پتلے ہیں،
ہر چہ خواہد از خدا موجود باد	خدا سے اپنی ہر ایک مراد پائیں اور نیک بختی
پیش کارش طالع مسعود باد	ان کی خدمت میں حاضر رہے۔

مثنوی یازدہم

ابرِ گہر بار

سپاسے کزو نامہ نامی شود سخن در گزارش گرامی شود	وہ حمد کہ جس سے تحریر کی آبرو بڑھ جاتی ہے. اور بات بیان میں وقعت پاتی ہے.
سپاسے کہ آغاز گفتار زوست سخن چوں خط از رخ نمودار زوست	وہ حمد کہ جس سے بیان کی ابتدا ہوتی ہے. جس سے کلام یوں "نمودار" ہوجاتا ہے جیسے رخسار سے خط
سپاسے کہ تا لب ازو کام یافت روانہا بداں رامش آرام یافت	وہ حمد کہ جیسے ہی لبوں پر آئی. رُوح کو اس نغمے سے راحت ملی.
سپاسے کہ فرزانۂ دم شناس بداں خویش را دارد از دیو پاس	وہ حمد جو صاحب عقل اور ذی شعور انسان خود کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے کرتا ہے.
سپاسے کہ فرخ سروشانِ راز بداں زمزم آباد گویند باز	وہ حمد جسے غیب کے فرشتے اپنی دُعا اور حمد میں بار بار دہراتے ہیں.

سپاسے کہ شوریدگانِ اَلَست
دہندش ببانگِ قلم دل زدست

وہ حمد کہ جسے سنتے ہی عشق الٰہی کے دیوانے،
قلم کی آواز پر دل دے دیتے ہیں۔

سپاسے بپوزش در آمیختہ
ز دل جستہ و با دل آویختہ

وہ حمد کہ جس کے ساتھ استغفار ہو،
جو دل سے نکلے اور دل پر اثر کرے۔

سپاسے زبسیاریٔ جوشِ دل
ز اندیشہ پیوند غفلت گسل

وہ حمد کہ جو دل کے جوش کی شدت سے،
فکر سے غفلت کو دُور کر دے۔

سپاسے دُوئی سوزِ کثرت رُبائی
سپاسے دل افروز بینش فزائی

وہ حمد کہ جس سے "وحدت" کا جلوہ نظر آئے اور دُوئی مٹ جائے،
دل کو روشن کرنے والی اور بصیرت بڑھانے والی حمد۔

خدا را سزد کز دروں پروری
بدیں شیوہ بخشد رسا داوری

اس خدا کے شایان شان ہے جو باطن (نفس) کی پرورش یا تربیت
سے حق بینی عطا کرتا ہے۔ (یا یہ کہ اس شیوۂ حمد میں قدرت بخشتا ہے)

خدائے کہ زانگونہ روزی دہد
کہ ہم روزی و ہم دوروزی دہد

وہ خدا جو اس طرح روزی دیتا ہے،
کہ رزق بھی ملے اور تندرستی بھی۔

بنامے کہ گم گشتہ بُردن درو
ز پرّی نہ گنجد شمردن درو

اس کے ایسے نام کے ساتھ (حمد) کہ جس کو لینا ممکن نہ ہو،
جس کے ہمہ اوست ہونے کے سبب، تعدد کی گنجائش نہ ہو۔

کسے را کہ باشد بر انگشتری
زند گردِ او حلقہ دیو و پری

وہ نام جس کی انگوٹھی پر کندہ ہو، شیطان اور پری سب اس کے
گرد حلقہ باندھ لیتے (اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے) ہیں۔

متاعِ اثر بسکہ ارزاں دهد
مسیحا بداں مردہ راجاں دهد

چونکہ اس نام کا اثر بہت ہے،
اسی اسم سے حضرت عیسیٰ مُردے کو زندہ کر دیتے ہیں۔

رضا داد کاید بَبُردن ہمے
دہد تن بہ بندِ شمردن ہمے

اس نے اجازت دی ہے کہ اس کا نام لیا جائے،
اور وہ اسی پر راضی ہوا ہے کہ اوراشیا کے ساتھ وہ شمار میں آئے۔

نباشد اگر بخششِ عام او
کرا زَہرہٗ بُردنِ نام او

اگر اس کا کرم عام نہ ہوتا تو،
کس کی مجال تھی کہ وہ نام زبان پر لا سکتا۔

بفرخندگی ہر کہ نامش گرفت
ہما از ہوا راہ دامش گرفت

جو شخص بھی اس کا نام لے اس کو اتنی برکت نصیب ہوتی ہے۔
کہ ہما (جیسا مبارک پرندہ) فضا چھوڑ کر اس کے جال میں آ پھنسے۔

بود نام پاکش زبس دل نشیں
تراشند پاکانش از دل نگیں

چونکہ اس کا پاکیزہ نام دل میں جگہ کرنے والا ہے، اس لیے پاکیزہ
لوگ اس نام کے لیے اپنے دل کو نگینہ بناتے ہیں۔

بدل ہر کہ سوزندہ داغش نہاد
پری رخ بہ پیشِ چراغش نہاد

جو شخص بھی اپنے دل میں اس کا جلتا ہوا داغِ عشق رکھے، اس
کے چراغ کے سامنے پری اپنا چہرہ رکھ دیتی ہے (یعنی پری اس
کے تابع ہو جاتی ہے۔

بود سوزِ داغش زبس دل پسند
سویدا سزد بر جمالش سپند

اس کی محبت کے داغ کی جلن ایسی دل پسند ہوتی ہے کہ نظر بد
سے بچانے کے لیے اس داغ کے جمال پر سویدائے دل کو سپند بنا

رضا جوئے ہر دل کہ دردیش ہست
ہوا خواہِ ہر رُخ کہ گردیش ہست

وہ ہر اُس دل کی خوشی چاہتا ہے جس میں اس کا درد ہو،
اور ہر اُس چہرے کو پسند کرتا ہے جس پر اس کا گرد و غبار ہو۔

نہ رنجد ز انبوہِ خواہندگان نیاید ستوہ از پناہندگان	سائلوں کے ہجوم سے وہ اُکتاتا نہیں اور پناہ مانگنے والوں سے پریشان نہیں ہوتا۔
خَرد جنسِ ہستی فروشندگاں دہد مُزدِ بے ہودہ کوشندگاں	جو لوگ اپنی جان بیچنا چاہتے ہیں (یعنی فنافی الحق ہونے والے) اُن کا خریدار ہے۔ بے جا محنت (غلط عبادت) کرنے والوں کو بھی ان کی محنت کا صلہ دیتا ہے۔
رباید دل اما زدلدادگاں کشد ناز لیکن زافتادگاں	دل انھی کا لیتا ہے جو اُسے دل دینے پر تلے ہوں، ناز انھی کے اٹھاتا ہے جو گرے ہوئے ہیں۔
زبادی کہ بردل وَزَد درنہفت زباں را بہ پیدا درآرد بگفت	باطن میں، جو کچھ دل پر گزرتا ہے، زبان کے لیے گفتار سے اس کو ظہور میں لاتا ہے۔
نگہ را کہ بیروں نہ باشد زچشم دہد بالِ پیدائیِ مہر و خشم	وہ نگاہ جو آنکھ کے اندر ہی رہتی ہے، اسی نگاہ کو محبت اور غصہ ظاہر کرنے کی قوت بخشتا ہے۔
دل و دست باہم دگر دوختہ دریں کیسہ کردار اندوختہ	(انسان کے) دل اور ہاتھ کو ایک دوسرے سے یوں سی دیا ہے (یعنی دل کے ارادے کا تابع عمل ہے) کہ اس تھیلی میں "کردار" کو جمع کیا ہے۔ (یعنی انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے)
روان و خرد باہم آمیختہ ازیں پردہ گفتار انگیختہ	جان اور عقل میں ربط اس طرح بٹھایا ہے کہ، (ساز کے) اس پردے سے کلام کی صدا بلند ہوتی ہے۔ (یعنی بہ سبب عقل گفتگو کی قوت پیدا ہوتی ہے۔)
نہ زیں سو گہر باشمردن تواں نہ راہ اندریں پردہ بُردن تواں	نہ پردے کے اِس طرف سے موتی گنے جا سکتے ہیں (یعنی جان و عقل سے جو سخن ہائے نغز ظاہر ہوتے ہیں نہ ان کا شمار ہو سکتا ہے)، اور نہ اس عقل و جان کے ربط کی حقیقت کو پہچانا جا سکتا ہے۔

نگاہے بگردندہ کاخ بلند
کش اندازہ چون ست وآثار چند

اس گھومتے ہوئے بلند محل (آسمان) کی طرف ایک نگاہ ڈالو۔ دیکھو تو اس کی وسعت کتنی ہے، اور کس قدر آثار ہیں۔

زرخشانی گونہ لاژورد
دمادم گونہ گوں زنگش از ہر نورد

لاجوردی رنگ کے رخسار کی چمک سے، طرح طرح کے رنگ اس کی ہر گردش سے نمودار ہوتے ہیں۔

بہر یک نمودش دو صد رنگ در
بہر یک نوردش صد آہنگ در

اس کے ایک ایک روپ میں دو سو رنگوں کی نیرنگی ہے، اور ہر گردش میں سیکڑوں آواز کے تناسب پوشیدہ ہیں۔

اگر جلوہ روشن ور آواز خوش
خم رنگ خوش پردۂ ساز خوش

اگر منظر کائنات روشن ہے، آواز خوشگوار ہے، رنگ کا خم اور ساز کا پردہ خوب اور دل نشیں ہے ____

بیندیش کایں چرخ وپرویں کراست
چنیں پردۂ ساز رنگیں کراست

تو سوچو کہ یہ آسمان اور ستارے کس کے ہیں، اور ساز کا ایسا رنگین پردہ کس نے بنایا ہے۔

نگاہے ببازی گہ روزگار
ز بازی گرانش یکے نوبہار

کبھی تماشے کے اس اکھاڑے یعنی زمانے پر نظر ڈالو اس کے بازی گروں میں ایک نوبہار بھی ہے۔

کہ چوں سیمیا در نمود آورد
اثر ہاز بالا فرود آورد

(بہار کا موسم تماشا دکھاتا ہے تو) سیمیا (جادو کے تماشوں) کی طرح رنگا رنگی ظاہر ہوتی ہے، اور اوپر سے اثرات اتر آتے ہیں۔

کشاید ہوا پرنیانی بنفش
شود شاخ گل کاویانی درفش

ہوا ریشمی بنفشہ کھول دیتی ہے اور، گلاب کی شاخ پر درفش کاویانی (ایرانی شاہوں کا پرچم) لہرانے لگتا ہے۔

شود باغ صحرائے محشر ز سرو
پر نامہ ہر سو ز بالِ تدرو

سروں کے درختوں کی قطار سے باغ (یوں لگتا ہے جیسے) قیامت کا میدان ہے اور تیتروں کے پر نامہ (اعمال) کی طرح اڑتے پھرتے ہیں۔

بحالیکہ عریاں بود پیکرش
دمد چشم نرگس ز فرقِ سرش

چونکہ نرگس کا جسم برہنہ ہے، تو سر سے اس کی آنکھ ابھر آئی ہے۔

چمن خلد و کوثر شود آبگیر
خیاباں ز جوشِ سمن جوئے شیر

باغ، جنّت کا باغ معلوم ہوتا ہے، تالاب حوضِ کوثر بن جاتا ہے اور چمیلی کی کثرت سے کیاریاں دُودھ کی نہر نظر آتی ہیں۔

بیندیش کایں روزگار از کجاست
نمودِ طلسمِ بہار از کجاست

ذرا سوچو کہ یہ (بدلتا ہوا) زمانہ کہاں سے آیا، اور بہار کا یہ جادو کدھر سے رنگ لایا۔

بہ نیروئے نہ چرخ برہم زدن
نشاید ز دانستِ او دم زدن

ایسی قوت سے بھی جو نو آسمانوں کو برہم کر دے، یہ ممکن نہیں کہ اس (طلسمِ بہار) کی حقیقت کو پہونچ سکیں۔

گروہے بہ بندِ گہر یافتن
فروبستہ دل در زمیں کافتن

لوگوں کا ایک گروہ ہے کہ جواہرات کی تلاش میں لگا ہوا ہے اور زمین کی کھدائی کی دُھن میں ہے،

یکے را دمِ تیشہ برکاں نخورد
یکے رہ بنایاب گوہر نبرد

کسی ایک کے تیشے کی دھار کان تک نہیں پہنچی، اور کسی نے یہ نایاب گوہر نہ پایا۔

بدانش ترا دیدہ ور کردہ اند
چراغے دریں بزم بر کردہ اند

تمہیں عقل دے کر صاحبِ نظر بنایا گیا ہے، یہ ایک چراغ ہے جو اس محفل میں اُجالا کر رہا ہے۔

خرد کز جہانیست پیشش خبر
نباشد ز عنوانِ خویشش خبر

یہی عقل جس کو خبروں کا ایک جہان حاصل ہے (یعنی بے شمار اخبار) اس کو اپنی اصل کی خبر نہیں ہے۔

نہ بیند خرد ہیچ بینندہ
کہ مارا بود آفرینندہ

کسی صاحب نظر کی نگاہ اس کے سوا اور نہیں دیکھتی کہ ہمارا کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ضرور ہے۔

کہ اندازۂ آفرینش بدوست
دمِ دانش و دادِ بینش بدوست

جسے (دنیا کی) پیدائش کا صحیح اندازہ ہے،
اور ہم کو عقل اور بصیرت کا بہرہ اسی سے ملا ہے۔

جہاں داور دانش آموزگار
بہ خور روشنائی دہ روزگار

جہان کا حاکم اور عقل سکھانے والا،
اور دنیا کو سورج کے ذریعے روشنی دینے والا کوئی ہے۔

کشایندۂ گوہر آگیں پرند
ز پردیں بہ پہنائے آں نقشبند

موتیوں سے بھرے ہوئے پرند (آسمان) کو کھول دینے والا (حرکت کے لیے) اور ثریا سے اس کی سطح پر نقش و نگار بنانے والا۔

نگارندۂ پیکرِ آب و گل
شمارندۂ گوہرِ جان و دل

پانی، مٹی کی مورت بنانے والا،
اور جان و دل کے موتی کی قدر کا اندازہ کرنے والا۔

بگردش در آرندۂ نہ سپہر
بگردوں بر آرندۂ ماہ و مہر

نو آسمانوں کو گردش دینے والا،
اور ان پر چاند ستارے نکالنے والا۔

رواں را بدانست سرمایہ ساز
زباں را بہ گفتار پیرایہ ساز

روح کو سوجھ بوجھ سے مالا مال کرنے والا،
اور زبان کو کلام کا زیور بخشنے والا۔

به شاهی نشاننده خسرواں — بادشاہوں کو (تختِ) شاہی پر بٹھانے والا،
ز رہزن رہاننده رہرواں — اور لوٹنے والوں سے مسافروں کو بچانے والا۔

بہ دانش بہ اندیشِ فرزانگاں — عقل کے ذریعے عقل مندوں کی بھلائی کرنے والا،
بہ مستی نگہدارِ دیوانگاں — اور مستی کے عالم میں دیوانوں پر نظر رکھنے والا۔

شناساگرِ راز داناں براست — جو لوگ راز داں ہیں (نکتے کی بات سمجھتے ہیں) اُن کو راہِ راست سے روشناس کرنے والا، اور کمزوروں کو مطلوبہ طاقت دینے والا۔
توانا کنِ ناتواناں بخواست

جگر را ز خوناب آشام دِہ — لہو دے کر جگر کی پیاس بجھانے والا،
نفس را بہ بیتابے آرام دِہ — اور سانس کو (آمد و رفت کی بے قراری سے) راحت بخشنے والا۔

بہر دم ز آواز پیوند بخش — ہر سانس کو آواز کے ساتھ ربط دینے والا، اور ہر ایک جسم کو دل دے کر سب سے عزیز شے (جگر بند) عطا کرنے والا۔
بہر پیکر از دل جگر بند بخش

ہم از سرخوشی شور در مَی فگن — شراب میں، سرمستی سے شورش پیدا کرنے والا،
ہم از نالہ جاں در تنِ نی فگن — اور بانسری کے بدن میں نالۂ سرود سے جان ڈالنے والا۔

رواں را بہ دانش گہر زائے دار — جان کو عقل دے کر اس قابل کرنے والا کہ وہ موتی اگلے،
جہاں را بدستور برپائے دار — اور دنیا کے نظام کو قائم رکھنے والا۔

شناسندگاں را بخود رہنمائے — جو پہچاننے والے ہیں ان کو اپنی جانب راستہ دکھانے والا،
ہراسندگاں را غم از دل ربائے — اور ڈرنے والوں سے ڈر کا غم دُور کرنے والا۔

نفسہا بسودائے او نالہ خیز
جگرہا بہ صحرائے او ریز ریز

وہی ہے جس کی دھن میں سانسوں سے فریاد اٹھتی ہے،
اور اسی کے صحرا میں جگر ٹکڑے ہوتے ہیں۔

رگِ ابر را اشکباری ازوست
دمِ برق را بیقراری ازوست

بادل کی رگ سے آنسو ٹپکتا ہے تو اس کی بدولت،
اور بجلی میں بے چینی بھری ہے تو اس کے سبب۔

زبانہائے خاموش گویائے او
نہاں ہائے اندیشہ پیدائے او

خاموش زبانیں (زبانِ حال سے) اس کے وجود کی شاہد ہیں،
اور خیال میں چھپی ہوئی باتیں اس پر ظاہر ہیں۔

بگویائی ازوے زبانِ فصیح
خورد زلہ زاچ سورِ مسیح

اس کی ذات سے فصیح زبان گفتار میں
ولادتِ مسیح کے جشن کی دعوت سے ٹکڑے چنتی ہے۔

بجنبش ازو نالِ کلکِ دبیر
نماید بمردم رگِ جان تیر

انشاپرداز کا قلم اپنی حرکت میں اسی کی ذات سے
لوگوں کو عطارد کی رگِ جاں دکھاتا ہے۔

خرد راکہ جوید شناسائیش
نگہ خیرہ در برق پیدائیش

عقل جو اس کا عرفان چاہتی ہے تو،
اس عرفان کے ظہور سے عقل کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں

دوئی بے کفن مردہ در راہش
خودی دادگر شحنۂ درگہش

اس کی راہ میں دوئی (کا وجود نہیں وہ) بے کفن مُردہ ہے اور خودی
اس کی درگاہ کا منصف پاسبان ہے (کہ جو اپنی ذات کو بیچے وہ اس کی بارگاہ
میں پہنچایا جاتا ہے)۔

گر از جاں سپاران نازش کسیت
ور از پردہ داران رازش کسیت

اگر کوئی اس کے ناز پر جان دینے والا ہے،
اور اگر کسی نے اس کے راز کی پردہ داری کی

مر آں را بلارک رگِ گردنے
مرایں را روانِ مجرّد تنے

تو گردن کی رگ اس کے لیے تلوار بن گئی (تلوار کی دھار پر زندگی
کاٹ دی) اور اس کی جان جسم سے مستغنی ہوگئی۔

زگرمی کہ باشد بہ ہنگامہ اش
زتیزی کہ دارد قط خامہ اش

اس کے ہنگامے میں اتنی شدید گرمی ہے،
اور اس کے قلم کے قط میں وہ تیزی ہے کہ

زبانہائے افسردگاں آتشیں
منشہائے سنگیں دلاں نازنیں

بجھے ہوئے لوگوں کی زبانیں آگ لگنے لگتی ہیں، اور پتھر جیسے دل
والوں کی فطرت بدل کر نازک ہو جاتی ہے۔ خلاصہ: جس کی لو
اس سے لگی ہو اس کی ماہیت بدل جاتی ہے، افسردگی آگ میں اور پتھر
موم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

نہ ہے ہستی محض و عینِ وجود
کہ نازد بیکتائیش ہست و بود

اس ہستیٔ مطلق کا کیا کہنا جو عین وجود ہے،
جو کچھ ہے، جو کچھ تھا، (سارا عالم) اس کی یکتائی پر ناز کرتا ہے۔

زشاخابہ کز قلزمے سر دہد
بہر تشنہ آشام دیگر دہد

وہ اس نہر سے جو (اس کے وجود کے) سمندر سے کٹ کر نکلی ہے،
ہر ایک پیاسے کی پیاس الگ بجھا دیتا ہے۔

بیک بادہ بخشد ز پیمانہ
بہر ذرہ رقصِ جداگانہ

ایک ہی شراب سے ایک ایسا پیمانہ دیتا ہے کہ
ہر ذرہ اس کی مستی میں انوکھا رقص کرتا ہے۔

جہانے ز طوفاں بغرقاب در
ہنوزش ہماں چیں بگرداب در

ایک عالم طوفان میں ڈوبا جا رہا ہے پھر بھی، بھنور کی صورت میں
اس کے ماتھے کا بل وہی موجود ہے (یعنی مزید غرقابی کا طالب ہے)

گروہے ز مستی بغوغا دروں
ہنوزش ہماں مے بہ مینا دروں

ایک گروہ مستی میں شور مچائے جا رہا ہے،
تاہم شراب ویسے ہی بوتل میں بھری ہے۔

اسیرش زبندے کہ برپائے اوست
سگالد کہ بر تختِ چیں جائے اوست

جو شخص اس کی (محبت کی) قید میں ہے، وہ اس بیڑی پر ایسا فخر کرتا ہے گویا سلطنتِ چین کے تخت پر جلوہ افروز ہو۔

شہیدش بخویش از طرب بہرہ مند
بجز چشم زخمش نباشد گزند

جو اس پر قربان ہو گیا وہ اپنی جگہ ایسا خوش ہے کہ نظر بد کے سوا کوئی تکلیف اُسے نہیں پہنچ سکتی۔

زبانگے کہ خیزد زخوں در دلش
بداں تار ماند رگِ بسملش

اس (شہید) کے دل میں جو آواز خون سے اٹھتی ہے اس کی وجہ سے رگِ بسمل ایسے تار کی مانند ہو جاتی ہے۔

کہ چوں خواہدش رغبت انگیز تر
مغنّی کند زخمہ را تیز تر

اسے تڑپنے پر زیادہ راغب کرنا چاہتا ہے تو، مغنّی (خدا) زخمہ تیز کر دیتا ہے (مضراب ساز پر تیز چلاتا ہے)

شبستانیانش زمے غازہ جوئے
بیابانیانش زخور تازہ روئے

جو لوگ، اس کے شبستانی ہیں (یاد کی خلوت میں رات بسر کرتے ہیں) اُن کے چہروں پر شراب کا آب و رنگ ہے اور جو اس کے بیابانی ہیں (جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں) ان کے چہرے آفتاب کے دمک رہے ہیں۔

گرانمایگاں غرقِ کوثر ازو
خساں خستۂ موجِ ساغر ازو

جن کے مرتبے بلند ہیں وہ اس کی بدولت حوضِ کوثر میں غرق ہیں، اور جو کم درجے کے لوگ ہیں، وہ پیالے کی موج سے ہی ہلاک ہو رہے ہیں۔

مناجاتیاں پیشِ وے در نماز
خراباتیاں را بدو چشم باز

نماز میں دعا مانگنے والے اس کے سامنے سر بسجدہ ہیں، اور جو میخانے کے رسیا ہیں وہ بھی اس کی طرف آنکھیں کھلی رکھتے ہیں۔

اگر کافرانند زنہاریش
دگر مومناں در پرستاریش

اگر کافر ہیں تب بھی اس کی پناہ چاہتے ہیں
اور "مومن" ہیں تو اس کی عبادت میں لگے ہیں۔

ہوالحق سرایانِ او غیب جوئے
اناالحق نوایانِ او تلخ گوئے

جنہوں نے کہا کہ بس وہی حق ہے، انھوں نے غیب کے راز کی تلاش کی، اور جنھوں نے نعرہ لگایا کہ میں حق ہوں (خدا کو اپنی "ذات" پایا) وہ ایک تلخ (سچی) بات کہہ گئے۔

رہش راز جانہا غبارے بلند
غمش راز خالِ عروساں سپند

اس کی راہ میں جانوں کا غبار اٹھا ہوا ہے، (یعنی اس کی راہ میں اس قدر جانیں قربان ہوئی ہیں کہ راہ جانوں کے غبار سے بھر گئی ہے)
اور اس کے غم (الفت) پر دلہنوں کے چہرے کے تل، رائی کے کالے دانوں کی جگہ جلتے ہیں۔

نہ تنہا خوشے ناز پروردِ اوست
کہ غم نیز دل راہ آوردِ اوست

صرف خوشی ہی اس کی چہیتی نہیں
بلکہ دل کو غم کی سوغات بھی اسی نے دی ہے۔

اگر شاد کامے شکر می خورد
دگر نامرادے جگر می خورد

اگر کوئی بامراد آدمی شکر کھاتا ہے (زندگی کے مزے لیتا ہے)،
اور اگر کوئی نامراد اپنا لہو پی رہا ہے،

نہ آں را نشاطے بہ پیوندِ اوست
کہ ایں ہم بہ ہستی نشاں مندِ اوست

تو نہ صرف اوّل الذکر کا نشاط خدا کے علاقہ سے ہے
بلکہ یہ دوسرا بھی اپنے وجود سے اس کی ذات کا نشان دے رہا ہے۔

زآئیں نگاراں بہ ہنگامہ در
رقم گشتہ نامش بہر نامہ در

قوانینِ الٰہی لکھنے والے ہنگامۂ تحریر میں
ہر کتاب میں اسی کا نام لکھتے ہیں۔ (یعنی سب دین کی کتابیں اللہ سے منسوب ہیں)

لغت زاں شود تازی و پہلوے
کہ بالد سخن چوں پزیرد نوے

انسانی زبانیں اس وجہ سے عربی اور فارسی میں بٹی ہوئی ہیں، (بہت سی الگ الگ زبانیں اس لیے ہیں)
کہ کلام نئے لباس میں آکر بہتر ہوتا ہے۔

سخن گر بصد پردہ دمساز گشت
چناں کامد از وے بوے باز گشت

کلام چاہے سو پردوں سے نکلے لیکن،
جس طرح شروع اس کی ذات سے ہوا ایسے ہی اس کی ذات کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ (کلام کی ابتدا بھی اسی سے ہے، انتہا بھی اسی کی)

بہر لب کہ جوئی نوائے از وست
بہر سر کہ بینی ہوائے از وست

جس لب کو دیکھو اسی کی صدا پاؤ گے،
ہر ایک سر میں اسی کا سودا سمایا ہوا ہے۔

اگر دیو ساریست بیہوش و منگ
کہ ہموارہ پیکر تراشد ز سنگ

اگر کوئی شیطان صفت ہے عقل و ہوش کھو بیٹھا ہے،
اور پتھر کے بت تراش کرتا ہے

بہ بت سجدہ زاں رو روا داشتہ
کہ بت را خداوند پنداشتہ

تو اس نے بھی بت کے آگے سر جھکانا اسی لیے گوارا کیا،
کہ مورتی کو (خدا) سمجھتا ہے۔

دگر خیرہ چشمیست نیر پرست
بہ دُردِ می از جام اندیشہ مست

اگر کوئی شخص آنکھیں چکاچوند ہونے کے سبب ٹھیک سے نہیں دیکھ سکتا
اور سورج کی پوجا کر رہا ہے خیال کے جام سے تلچھٹ پی کر ہی مست

بہ مہرش ازاں راہ جنبیدہ مہر
کزیں روزنش دوست بنمودہ چہر

ہو گیا ہے تو بھی اسی کی محبت میں سورج تک گیا ہے (سورج کے روشن
جھروکے سے دوست (خدا) نے ہی اسے درشن دئے ہیں۔

زتارے درو نانِ اہرمینی	سیاہ باطن لوگوں میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو عقل کی دشمنی
گروہے بود کز خرد دشمنی	میں ناسمجھی اور غلط فہمی کا شکار ہو گیا،
زبس داد نا آشنائی دہند	اس نے آگ کو ہی،
بہ آتش نشان خدائی دہند	خدا کا رُوپ سمجھ لیا۔
بہ تن ہا بہ آذر گرایش کناں	دلیکن حقیقت یہ ہے کہ) اُن کے بدن ہی بدن اگنی پوجا کر رہے ہیں،
بہ دِلہا خدا را نیایش کناں	ورنہ دلوں میں خدا کا گُن گان بھرا ہے۔
گروہے سراسیمہ در دشت و کوئے	ایک گروہ ہے جو دشت اَور بستی میں پریشان ہے،
خداوند جوی و خداوند گوئے	اسے بھی خدا کی ہی کی جستجو ہے اور اس کا نام زبان پر ہے۔
ز رسمے کہ خود را بر آں بستہ اند	انھوں نے خود کو جس ریت رسم کا پابند کر لیا ہے،
بہ یزداں پرستی میاں بستہ اند	اس کے ذریعے خدا پرستی پر ہی کمر باندھی ہے۔
زمہرے کہ بیخواست در دل بوُد	اُن کے دلوں میں آپ سے آپ جو (خدا کا) پیار سمایا ہے، تو بھی غلط طریقے
پرستند حق گر بباطل بود	سے سہی لیکن پُوجا حق (ستیہ) کی ہی کر رہے ہیں۔
نظر گاہِ جمعِ پریشاں یکیست	بکھرے ہوئے لوگوں کی اس بھیڑ کا مرکزِ نگاہ ایک ہی ہے پوجنے والا
پرستندہ انبوہ و یزداں یکیست	ایک ہجوم لیکن جسے پوجا جاتا ہے وہ ایک ہی ہے۔
کدامے کشش کاں ازاں سُو نیست	وہ کون سی کشش ہے جو اس کی طرف سے نہیں ہے،
بد و نیک را جز بوَے روئے نیست	بُرا ہو یا اچھا، ہر ایک کا رُخ اسی کی طرف ہے۔

جہاں چیست آئینۂ آگہی
فضائے نظرگاہِ وجہ اللٰہی

یہ دنیا کیا ہے، علم و خبر کا ایک آئینہ، ایک فضا پھیلی ہے جس میں نظر ٹھیرتی ہے تو سامنے خدا کی صورت دیکھتی ہے۔

نہ ہر سو کہ رو آوری سوئے اوست
خود آں رو کہ آوردہ روئے اوست

صرف یہی نہیں کہ جدھر منہ کرو اسی کی طرف رُخ ہوگا، بلکہ وہ چہرہ جو تم موڑو گے وہ بھی اسی کا چہرہ ہوگا۔

ز ہر ذرہ کارے بہ تنہائیش
نشاں باز یابے ز یکتائیش

اپنی تنہائی میں جو خدا نے ذرہ کاری کی ہے، تو ہر ذرہ کاری سے تم اس کی یکتائی کا نشان پاؤ گے۔

چوں ایں جملہ راگفتۂ عالم اوست
بگفت آنچہ ہرگز نیاید ہم اوست

جس طرح یہ سب کی سب جن کو تم نے عالم کہا، اسی کی ذاتِ واحد ہیں اسی طرح وہ چیزیں جو ہیں اور بیان میں نہیں آسکتیں، وہ بھی اسی کی ذات ہیں۔

چوں ایں جا رسیدم ہمایوں سروش
بمن بانگ برزد کہ غالبؔ خموش

جب میں اس شعر پر پہنچا تو مبارک فرشتے نے مجھے پکارا، کہ غالبؔ بس اب چپ ہو جاؤ۔

بپاشید در لرزہ بندم ز بند
تپاں ہمچو بر روئے آتش سپند

مجھے کپکپی چڑھ گئی اور جوڑ جوڑ ٹوٹنے لگا۔ بدن ایسا تپا جیسے آگ پر رائی کے سیاہ دانے۔

چو از وے پذیرائے راز آمدم
مناجات را پردہ ساز آمدم

جب میں نے اس فرشتے سے راز کا پیغام قبول کر لیا تو مناجات لکھنے کی طرف مائل ہوا۔

بہ ساز نیایش شدم نغمہ ریز
بداں تا بدینساں کنم زخمہ تیز

میں جو حمد کے ساز پر نغمہ گا تا رہا، وہ اس لیے کہ مضراب کو ایسا تیز کر لوں۔

مناجات
بدرگاہ قاضی الحاجات

خدایا زبانے کہ بخشیدۂ
بہ نیروئے جانے کہ بخشیدۂ

اے خدا، یہ زبان جو تونے بخشی ہے،
تیری عطا کی ہوئی قوت سے

دما دم بہ جنبش گر آید ہمے
ز راز تو حرفے سراید ہمے

لحظہ بہ لحظہ حرکت میں آتی ہے تو
تیرے ہی راز کی باتیں بیان کرتی ہے۔

نہ دانم کہ پیوندِ حرف از کجاست
دریں پردہ لحنے شگرف از کجاست

مجھے نہیں معلوم کہ حرف (و لفظ) کا تعلق کس ذات سے ہے،
اور اس پردے میں اعلا درجے کی سُریلی آواز کیوں کر آجاتی ہے۔

گر از دل شناسم جنوں بیش نیست
کہ آں نیز یک قطرۂ خوں بیش نیست

اگر سوچوں کہ یہ سب دل کی بدولت ہے تو یہ خیال جنون ہوگا،
وہ خود لہو کی ایک بوند ہے اور بس۔

خرد را سگالم کہ نیرو دہد
خود او را زمن حیرتے رو دہد

اگر یہ خیال کروں کہ عقل، لفظ میں وصف پیدا کرتی ہے،
تو عقل کو میرے معاملے میں حیرت ہے۔

نہ آخر سخن را کشایش ز تست
بہ نابود چندیں نمایش ز تست

کلام کو یہ وسعت (اور اظہار کی صلاحیت) کس نے دی اگر تو نے نہیں دی؟ کلام کہ نابود شے ہے، اس سے اظہار معانی تیری ہی ذات سے ہے۔

چو پیدا تو باشی نہاں ہم توئی
اگر پردہ باشد آں ہم توئی

جو کچھ ظاہر ہے وہ تو ہی ہے اور جو کچھ نہاں ہے وہ بھی تو ہی ہے اگر تیری ذات پردے میں ہے تو وہ بھی تو ہی ہے۔

بہر پردہ دمساز کس جز تو نیست
شناسندۂ راز کس جز تو نیست

ہر ایک معاملے میں تیرے سوا کوئی رفیق نہیں اور تیرے سوا اس راز کو کوئی نہیں جانتا۔

چہ باشد چنیں پردہ ہا ساختن
شگفے بہر پردہ انداختن

یہ کیا معاملہ ہے کہ اس قدر پردے ڈالے ہیں اور پھر ہر ایک پردے میں جھری بھی کھلی رکھی ہے؟

بدیں روئے روشن نقاب از چہ رو
چو کس جز تو نبود حجاب از چہ رو

ایسے روشن چہرے پر نقاب ڈالنے کی وجہ کیا؟ جب (عالم وجود میں) تیرے سوا کوئی بھی نہیں تو پردہ کس لیے؟

همانا از آنجا کہ توقیع ذات
بود فرد فہرست حسن صفات

جب یہ قطعی بات ہے کہ، خود ذات باری مستجمع صفات کمال ہے۔ تو

تقاضائے فرمانروائی در وست
ظہور شیون خدائی در وست

فرماں روائی کا تقاضا اس کی ذات میں ہے، کیوں کہ خدائی کی شانوں کا ظہور اس میں ہونا چاہیے۔

ز فرماں دہی خاست فرماں بری
شناسا وری شد شناساگری

فرماں روائی سے، فرماں برداری پیدا ہوئی۔ پہچانے جانے کی خواہش سے پہچاننے کی قوت۔

ترا باخود اندر پرندِ خیال
بود نقطۂ از صفاتِ کمال

خود تیرے تصور کی پرواز میں ہی کمال کی صفات کا نقطہ
موجود تھا (صفات علمِ خداوندی میں شامل ہیں۔)

کزاں نقطہ خیزد سیاہ و سپید
وزاں پردہ بالد ہراس و امید

کہ اسی نقطے سے (صفات کمال کے نقطے) سیاہ و سفید اُبھرتے ہیں
اور اسی پردے سے امید و بیم (متضاد صفات) کی کیفیت پیدا ہوئی

بداں تازہ گردد مشام از شمیم
بداں بشگفد گل بباغ از نسیم

اسی کی بدولت دماغ خوشبو سے بھر جاتا ہے،
اور اسی کی بدولت خنک ہوا سے باغ میں پھول کھل جاتے ہیں۔

از آنجا نگہ روشنائی برد
وز آنجا نفس نغمہ زائی برد

وہیں سے نگاہ کو روشنی ملتی ہے،
اور سانس کو نغمہ سرائی۔

از آں جنبش آید بشوخی بروں
اگر موج رنگست ور موجِ خوں

لہریں اسی جنبش سے موجِ رنگ،
اور موجِ خون کا ظہور ہے۔

اگر سود گوہر بدامن برد
زیاں گر خود اخگر بخرمن برد

اگر نفع اپنا دامن موتیوں سے بھرتا ہے تو
نقصان اپنے کھلیان میں خود چنگاری ڈالتا ہے۔

ز آلایشِ کفر و پرواز دیں
ز داغِ گمان و فروغِ یقیں

وہ انکار کی گندگی ہو یا دین کی بلندی،
شک کا داغ ہو یا یقین کا نور۔

بہر گونہ پردازش ہست و بود
جمال و جلال تو گیرد نمود

ساری دنیائے وجود ہر رنگ، ہر صورت میں،
تیری ہی جمالی اور جلالی صفتیں سامنے لاتی ہے۔

بہ گردوں ز مہر و بہ اختر ز تاب
بہ دریا ز موج و بگوہر ز آب

آسمان پر سورج سے، تاروں میں چمک سے،
دریا میں موج سے اور موتی میں اس کی آب سے،

بہ انساں ز نطق و بمرغ از خروش
بناداں ز وہم و بدانا ز ہوش

انسان میں گویائی کی قوت سے، پرندوں میں چہچہاہٹ اور شور سے۔
بے عقل میں وہم سے اور عقل مند میں ہوش سے۔

بچشم از نگاہ و بہ آہو ز رم
بچنگ از نوائے و بمطرب ز دم

آنکھ میں نگاہ سے، ہرن میں اس کی پھرتی سے،
باجے میں اس کی آواز سے، نغمہ نواز میں اس کی سانس سے۔

بباغ از بہار و بشاہ از نگیں
بگیسو ز پیچ و بہ ابرو ز چیں

باغ میں بہار سے، بادشاہ میں اس کی مہر سلطنت سے۔
زلف میں الجھاؤ سے اور چتون میں بل سے

عیار وجود آشکارا کنے
نشانہائے جود آشکارا کنے

تو نے ہی وجود کا معیار ظاہر کیا ہے
اور اپنے کرم کی نشانیاں نمودار کی ہیں۔

جمال تو ذوق تو از روئے تو
جلال تو تاب تو از خوئے تو

تیرا جمال خود تیرے ہی چہرے سے تیرا ذوق ہے۔ (اپنے ظہور کا ذوق ہی
جمال خداوندی ہے)، اور تیرا جلال تیری خو کی چمک ہے۔

جمال ترا ذرہ از آفتاب
جلال ترا یوسف اندر نقاب

آفتاب تیرے جمال کا ایک ذرہ ہے اور
تیرے جلال کے اندر حسن نہاں ہے۔

چہ باشد چنیں عالم آرائیے
ہمانا خیالے و تنہائیے

ایسی اور اتنی عالم آرائی کی حقیقت کیا ہے؟
محض ایک خیال اور ایک تنہائی (خدا کی یکتائی)۔

توئی آنکہ چوں پاگزاری براہ — تو وہ ہے کہ اگر آگے چلے تو،
نیابے بجز خویشتن جلوہ گاہ — بجز تیری ذات کے آگے چلنے کو کوئی جگہ نہیں۔

چو رو در تماشائے خویش آوری — جب تو اپنا جلوہ دیکھنے پر آتا ہے تو (اس کے لیے)
ہم از خویش آئینہ پیش آوری — آئینہ بھی اپنے وجود سے ہی سامنے رکھتا ہے۔

نہ چنداں کنی جلوہ بر خویشتن — تو اس طرح اپنی ذات پر جلوہ گر ہے کہ
کہ کس جز تو گنجد دریں انجمن — دوسرے وجود کی وہاں گنجائش ہی نہیں۔

بفرمان خواہش کہ آں شان تست — فرماں روائی کی خواہش سے کہ وہ (فرماں روائی) تیری شان ہے،
ہم از خویش بر خویش فرمان تست — تیری حکمرانی تیری ذات پر ہے (یعنی مخلوق خود خالق ہے)

کنی ساز ہنگامہ اندر ضمیر — لوگوں کے دل میں یوں ہنگامہ برپا کیا ہے،
چو نم در یم و رشتہ اندر حریر — جیسے دریا میں نمی اور ریشم میں باریک تار۔

ظہور صفات تو جز در تو نیست — تیری صفات کا جو ظہور (نظر آتا) ہے وہ تجھ سے باہر وجود نہیں رکھتا،
نشاں ہائے ذات تو جز در تو نیست — اور تیری ذات کی نشانیاں بھی خود تجھی میں بسی ہوئی ہیں۔

زخواہش بکوری چشم دوئی — تو نے چاہا کہ اہل کثرت کے اندھے پن کے لیے
بآرائش دہر کاہم توئی — عالم کی آرائش کرے حالانکہ خود تو ہی ہے۔

کشائی نوردِ ہنر رنگ رنگ — تُو تو اپنی صنعت کے طرح طرح کے کام دکھاتا ہے، اور اُن پر پردے
کشے پردہ بر روئے ہم تنگ تنگ — خوب کس دئے ہیں، (جن کے سبب لوگ اُن کو جُدا موجود مانتے ہیں)۔

ز ہر پردہ پیدا نوا سازیئے
بہر جلوہ پنہاں نظر بازیئے

ہر ایک پردے سے نواگری چمکتی ہے اور،
ہر جلوے میں تو، خود چھپ کر اپنا جلوہ دیکھ رہا ہے۔

پدید آورے برگ و سازے فراخ
چو نخلے بہ انبوہئ برگ و شاخ

تو سامان پیدا کرتا ہے اور اس کو وسعت دیتا ہے،
جیسے درخت اپنے برگ و بار نکال کر بڑا ہو جاتا ہے۔

دریں گونہ گوں آرزو خواستن
بود چوں بائیست آراستن

طرح طرح کی خواہشوں کا جو سلسلہ ہے، اسی میں (دنیا کی)
بناوٹ سجاوٹ کا جیسا چاہیے ویسا سامان ہے۔

ز ہر پردہ رنگے کہ گردد کشاد
چناں دل کش افتد کہ بی آں مباد

ہر ایک پردے سے جو رنگ بھی پیدا ہوتا ہے
وہ ایسا دل کش ہوتا ہے کہ بغیر اس کے ہونا ہی نہیں (یعنی اگر وہ
رنگ نہ ہو تو زندگی بیکار رہے)۔

قلم در کف و تاج بر سر رسد
بہر جا رسد ہر چہ از در رسد

مثلاً صاحبِ قلم ہونا یا صاحبِ تاج و تخت ہونا وغیرہ (ایسی
نعمتیں ہیں کہ اُن کا اہل بغیر ان کے، مرنے کو ترجیح دے گا)،
جو شے جس لائق ہوتی ہے وہ ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔

بہ نُہ چرخ والائی و برترے
بچار آخشیج آدمے پیکرے

نو آسمانوں کو بلندی و برتری،
اور چار عناصر (آگ، پانی، مٹی، ہوا) کو آدمی کا جسم ہونا۔

بہ یزدانیاں فرۂ ایزدے
بیونانیاں بہرۂ بخردے

خدا والوں کو شانِ ایزدی اور
یونانیوں کو عقل کا نصیبہ۔

به کشور کشایان دم گیر و دار
به مسکیں گدایان غمِ پود و تار

جنھیں ملک فتح کرنے کا حوصلہ ہے انھیں جنگ و جدل کا حوصلہ دیا،
اور بے زبان فقیروں کو تانے بانے (کپڑے لتے) کی فکر دی۔

بناہیدیان بادۂ بے غمے
به کیوانیان گونۂ ماتمے

گانے بجانے کے شوقینوں کو بے فکری کی شراب،
اور سوگواروں کو ماتمی لباس،

به مستان نشید و به عشاق آه
به آہن کلید و به زر نام شاہ

مستوں کو الاپ دی، عاشقوں کو آہ،
لوہے کو چابی، اور سونے کو بادشاہ کا نام (سکہ شاہی)۔

به بیرنگ نقش و به پرکار سیر
بطامات لعن و بطاعات خیر

بیرنگ کو نقش دیا اور پرکار کو گھومنا، اعمالِ بد کو لعنت اور
طاعت کو ثواب (بیرنگ: تصویر کا خاکہ اور نقش: رنگ جو تصویر میں
بھرے گئے)۔

به ابراز پے خاک آبِ حیات
به خاک از نمِ ابر جوشِ نبات

بادل کو (پیاسی) دھرتی کی خاطر امرت دیا،
اور پھر مٹی کو اس نمی سے یہ قوت دی کہ نباتات اگائے۔

بمے در فروغے که چوں بردمد
زسیمائے مے خوارہ نیّر دمد

شراب میں رونق کہ جب وہ رنگ لاتی ہے تو
مے خوار کی پیشانی سے آفتاب چمکتا ہے۔

به نے در نوائے که چوں برکشند
به آوازِ آں نالہ ساغر کشند

بانسری (کے گلے) میں وہ رس ڈالا کہ جب سُر نکالتے ہیں
تو اس آواز پر جام شراب پیتے ہیں۔

به ساقی خرامے که از دلبری
زشاہد برد دل به ساقی گری

ساقی کو وہ اندازِ رفتار دیا کہ،
شراب پلانے میں وہ معشوق کو اپنا عاشق کر لیتا ہے۔

بہ شاہد ادائے کہ از سر خوشی
بہ ساقی دہد داروئے بیہشی

اور معشوق کو وہ ادا دی کہ اُس کا سُرور کا عالم،
خود ساقی کے لیے داروئے بے ہوشی ہو جاتا ہے۔

بہ آزادہ دستے کہ ساغر زند
بہ اُفتادہ سنگے کہ بر سر زند

آزاد مرد کو وہ ہاتھ دیا جو ساغر اٹھاتا ہے،
اور گرے پڑے آدمی کو وہ پتھر دیا جو سر پر مارتا ہے،

ہر آئینہ ما را کہ تر دامنیم
ز دیوانگی با خرد دشمنیم

رہے ہم جو گنہ گار ہیں، اور
اپنے دیوانے پن میں عقل سے بیر باندھے ہوئے ہیں

ز آلودگیہا گرانی بود
ہمہ سختی و سخت جانی بود

ہم کو اپنی رندانہ حرکتوں سے ناگواری،
سختیاں اور سخت جانی ملی ہے۔

ز ہر شیوہ ناسازگاری رسد
ز ہر گوشہ صد گونہ خواری رسد

ہم کو یہ ملا کہ ہر پانسہ اُلٹا پڑتا ہے،
اور ہر طرف سے سو طرح کی ذلت وخواری ملتی ہے۔

بہ بزم ار چہ در خوردن بادہ ایم
ولیکن بداں گوشہ افتادہ ایم

محفل میں اگرچہ ہم شراب پینے کی نیت سے موجود ہیں،
لیکن (بیٹھنے کو) ایسا کونہ ملا کہ

کہ چوں سُوئے ما ساقی آرد بسیچ
نیابیم جز گردش از جام ہیچ

جب ساقی ہماری طرف رُخ کرتا ہے تو،
جام سے ہمارے ہاتھ گردش (چکر) کے سوا کچھ نہیں آتا۔

بہ کفر آنچناں کردہ کوشش کہ خویش
نباشیم تارے ز زنار بیش

کفر حاصل کرنے کی اس قدر کوشش کی ہے
کہ ہماری ذات تارِ زنار ہو کر رہ گئی ہے۔

زلب جز بہ ناگفتنی کار نہ
زخود جز بہ نفریں سزاوار نہ

ہونٹوں سے اس کے سوا کوئی کام نہیں ہوا کہ نہ کہنے لائق باتیں کہتے رہے، اور اب ہم اسی قابل ہیں کہ خود پر لعنت بھیجتے رہیں۔

نہ سودائے عشق و نہ راہ صواب
نہ در سینہ آتش نہ در دیدہ آب

نہ (سر میں) عشق کا سودا، نہ سیدھی راہ سامنے، نہ سینے میں آگ رہی، نہ آنکھ میں آنسو۔

نہ دستوردان و نہ خسرو شناس
نہ از شحنۂ شرع در دل ہراس

نہ بادشاہ کو پہچانیں، نہ وزیر کو جانیں، اور نہ شریعت کے محتسب سے دل میں کوئی خوف و خطر۔

نیاسودہ از ما بہ کنج دکمیں
کسے جز وقائع نگارِ یمیں

کہیں کسی گوشہ یا چھپی ہوئی جگہ میں بھی ہم سے کسی کو آرام نہیں پہنچا، سوائے داہنے ہاتھ کے واقعہ نگار کے (فرشتہ جو نیک اعمال درج کرتا ہے) کیونکہ کوئی نیک عمل نہیں کیا کہ اس فرشتے کو لکھنا پڑے،

گنہ آں قدر ہا بروں از شمار
کہ رنجد یسارِ سروش یسار

اور گناہ ہم اتنی کثرت سے کرتے ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہوتا، اور بائیں طرف والے (بُرے اعمال درج کرنے والے فرشتے) کا بایاں بازو دکھ گیا ہے۔

چو از پردۂ پرس و جو بگزرند
روانہائے ما را بدوزخ برند

(قیامت کے روز) جب حساب کتاب کے مرحلے سے ہم گزریں گے، ہماری جانوں کو دوزخ میں جھونکا جائے گا۔

ہر آئینہ از ما بہ تردامنی
فرو میرد آتش بداں روشنی

ہماری تردامنی (گنہگاری) کے مارے، آگ جو اس قدر روشن ہے، بجھ جائے گی۔

بداں تا چو ایں گرد خیزد ز راہ
بسوزند ما را بشرمِ گناہ

جب دوزخ کی آگ ہمارے دامنِ تر سے بجھے گی اور اس سے غبار اٹھے گا، تو بالآخر ہم کو ہماری گنہگاری کی شرم سے جلایا جائے گا۔

ولے باچنیں آتش خانہ سوز
تر و خشک و آباد و ویرانہ سوز

لیکن ایسی گھر پھونکنے والی آگ کے ہوتے ہوئے،
جو تر، خشک، آباد اور ویرانے کو بھسم کر دے،

نہ ایں بس کہ سوزاں بداغ تو ایم
ز پروانگانِ چراغ تو ایم

کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ہم تیرے داغ (الفت) سے جل رہے ہیں؛
اور تیری شمع کے پروانے ہیں؛

بہر گونہ کالا روائے ز تست
بما بہرۂ ناروائے ز تست

بہر صورت متاع کی قبولیت و قدر تیری ہی طرف سے ہے،
اور اگر ہمیں نامقبولی کا حصہ ملا تو وہ بھی تجھی سے ملا۔

ز ابرے کہ بارد بہ گلزار بر
بروید گیاہے بہ دیوار بر

باغ میں جو بادل برستاہے وہ باغ کی دیوار
پہ گھاس اگاتا ہے۔

بداں نابرومندی آں ناتواں
ز سر سبزیٔ باغ بخشد نشاں

یہ غریب گھاس اپنی بے حیثیتی میں بھی،
باغ کی سرسبزی کا نشان دیتی ہے۔

اگر خوار در ناروائیم ما
بہ باغ تو برگ گیائیم ما

اگر ہم ذلیل ہیں (بے حیثیت اور) نامقبول ہیں۔
تب بھی تیرے ہی باغ میں اُگی ہوئی گھاس کا پتہ ہیں۔

بخویش از ظہور جلالت خوشیم
فروزینۂ ایزدے آتشیم

ہم یوں بھی خوش ہیں کہ ہماری ذات میں تیرے جلال (غصہ) کا ظہور
ہے کہ اس آتش ایزدی کے سلگانے کے لئے ہم چنگاری بنے ہیں۔

تراب جگر خستگی را نمی است
کہ گلہائے باغ ترا شبنمی است

زخم جگر کی مٹی میں نمی ہے۔
اسی طرح جیسے تیرے باغ کے پھولوں کو شبنم ملتی ہے۔

زرہ ناشناسانِ کژرو بگشت دمد جادۂ دیگر از روئے دشت	جو لوگ گمراہ ہیں اُن کے چلنے سے، ایک اور راہ پیدا ہو جاتی ہے (وہ راہ یہ ہے جس میں شعر گوئی بھی ہے)
فزاید بغوغائے یوسف دو بہر ترنج در کفِ خُردہ گیرانِ شہر	اس شہر کے طعن کرنے والوں کے ہاتھ میں لیموں دیا گیا تو اس سے یوسف کے حُسن کی شہرت دوگنی ہوگئی (یعنی میرے حاسدوں کی طعن سے میری شہرت زیادہ ہوئی)
اگر کاسۂ قیس مسکیں شکست صدائے ز لیلےٰ دراں کاسہ ہست	اگر غریب مجنوں کا پیالہ ٹوٹ گیا تو اس کی چھنک میں لیلی کی آواز مجنوں کو سنائی دی کیوں کہ اس کے ذہن پر لیلی چھائی تھی۔ (اسی طرح میں نے طعنوں کو خدا کی آواز سمجھا)

حکایت

شنیدم کہ شاہی دریں دیر تنگ
زپہلو بروں راند لشکر بجنگ

میں نے سنا ہے کہ اس تنگ بت خانے یعنی دنیا میں ایک بادشاہ نے
مقام پہلو سے لشکر کو لڑائی کے لیے باہر نکالا۔

گزیں شہسواراں عناں برعناں
نہیں نیزہ داراں سناں برسناں

عمدہ شہسوار لگام پر لگام اٹھائے ہوئے،
زبردست نیزہ باز بہت سی برچھیاں سنبھالے ہوئے چل پڑے۔

بہ پیچش زرہ میں عناں ہائے سخت
زحل را بدلو اندروں پارہ رخت

چڑے کی سخت لگامیں ایسی الجھی ہوئی، بل کھائی ہوئی تھیں کہ
برج دلو میں زحل کے لباس کے پرزے اڑ گئے تھے۔

بجنبش زرخشاں سناں ہائے تیز
بروئے ہوا نور خور ریز ریز

ان چمکتے ہوئے اور تیز نیزوں کی جنبش سے،
ہوا میں سورج کی کرنیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھیں۔

دلیرانہ بالشکر نامجوئے
بہ اقلیم بیگانہ آورد روئے

شہرت کے طالب لشکر کو لیے ہوئے دلیری کے ساتھ،
وہ غیر ملک میں داخل ہو گیا۔

زبس چست خود را بہ پیکار برد	چونکہ بہت پھرتی کے ساتھ جنگ کے لیے گیا تھا اس لیے
بہ دشمن شبیخوں بایوار برد	دشمن پر سرِ شام ہی شب خوں مارا۔
بداں دم کہ در رہروی بر گرفت	اسی سانس کے ساتھ جو رہروی میں لی تھی،
زبد خواہ اورنگ و افسر گرفت	دشمن سے تاج و تخت کو لے لیا۔
زکالائے تاراج دامن فشاند	مالِ غنیمت میں جو کچھ ملا اس سے ہاتھ اٹھایا،
بہ لشکر زر و مالِ دشمن فشاند	اور اپنے لشکر پر مال و زر تقسیم کر دیا۔
ازآں گنج کز لعل و گوہر شمرد	اس خزانہ سے جس میں ہیرے موتی تھے،
سرِ خصم پا مزدِ خود بر شمرد	بادشاہ نے اگر کچھ لیا تو اپنی محنت کا صلہ صرف دشمن کا سر لے لیا،
	(باقی سب دوسروں کو ملا)
ہنوز از غبارے کہ برجستہ بود	ابھی جنگی طوفان کا غبار بھی
بسا ذرہ بر خاک ننشستہ بود	پوری طرح بیٹھنے نہ پایا تھا کہ
کہ در جنبش از چرخ آرام یافت	تقدیر نے حرکت کو راحت میں بدل دیا،
ز دادار پیروزگر کام یافت	اور فتح دینے والے پروردگار نے اس کی مراد پوری کر دی۔
نیازش ز فرخندگی ناز گشت	خدا سے اس کی دعا نیاز و ناز میں تبدیل ہو گئی اور،
سوئے کشورِ خویشتن باز گشت	وہ اپنے ملک کو واپس ہوا۔
خود آہستہ رو بود در رہ زپیش	خود تو شاہی لشکر کے ساتھ آہستہ آہستہ چلا،
فرستاد فرماں بدستورِ خویشتن	مگر پہلے سے اپنے وزیر کو فرمان روانہ کر دیا۔

که فرماں دہد تا بہر گونہ بہر
بہ بندند آئین شادی بہ شہر

اس مطلب کا حکم جاری کیا جائے کہ ہر طرح سے ہر حصۂ شہر کو
جشنِ عیش کے لیے آراستہ کریں۔

ممطہا بہ آراستن نو کنند
پرستاری بخت خسرو کنند

راستے بنا سجا کر نئے کر دیے جائیں اور
بادشاہ کی فتح مندی شان سے منائی جائے۔

بدیں دلکشا مژدہ کز شہ رسید
بہارِ طرب را سحر گہہ رسید

بادشاہ کی طرف سے اس خوش خبری کا آنا تھا کہ
عیش و کامرانی کی بہار کا آغاز ہوا۔

بہ روزے کہ بایستی از شاہراہ
بایواں خرامد خداوندگاہ

اس روز جس دن کہ شاہی سواری شاہراہ سے
آنا چاہیے تھی کہ محل میں داخل ہو۔

ہم از شام مشعل برافروختند
امیناں بکوشش نفس سوختند

تو شام ہی سے چراغاں ہونے لگا۔
اور انتظامی محکمے کے لوگوں نے بہت دوڑ دھوپ دکھائی۔

بہ مہتاب شستند سیمائے خاک
فشاندند پروین بدیبائے خاک

مٹی کی پیشانی چاندنی سے دھوئی اور
خاک کے ریشمی فرش پر ثریا کے ستارے بکھیر دیے۔

ببازارہا سو بسو صف بہ صف
بہ پیرایہ بندی کشودند کف

بازاروں میں ہر طرف آرائش کے لیے قطار در قطار،
لوگوں نے ہاتھ کھولے۔

ز ہر پردہ نقشے برانگیختند
بہر گوشہ چینے در آویختند

ہر پردہ پر رنگیں تصویر بنائی اور
ہر ایک گوشے میں چین کی نقاشی فراہم کر دی۔

بداں گونہ آئینہ ہا ساختند	آئینے اس وضع کے بنائے گئے تھے کہ
کہ بینندگاں چشم و دل باختند	دیکھنے والوں کی آنکھ اور دل ان آئینوں ہی کے ہو کر رہ گئے۔
سحرگاہ چوں داد بار آفتاب	صبح ہوتے جب آفتاب برآمد ہوا تو (آئینوں کی بدولت)
زہر گوشہ سرزد ہزار آفتاب	ہر ایک گوشے سے ہزاروں آفتاب جھلکنے لگے۔
زمیں راز گرمے بجوشید مغز	گرمی کے مارے زمین کا بھیجا پگھل گیا۔
بروں داد از کاں گہرہائے نغز	کان سے عمدہ عمدہ جواہر اُبل پڑے۔
بہ آرائش جادۂ رہ گزار	سواری کے راستے کی سجاوٹ کی خاطر
صدف ریخت از بحر دُر بر کنار	سیپی نے سمندر کے اندر سے کنارے پر موتی اُگل دئے۔
تو گوئی ز تاب گہرہا بروز	یوں کہو کہ موتیوں کی آب و تاب سے دن کے وقت
کہ نگسستہ پیرایۂ شب ہنوز	وہ عالم تھا گویا (تارے چمک رہے ہیں) رات ابھی باقی ہے۔
چو ہر کس بہ اندازۂ دسترس	جب ہر ایک نے اپنی بساط کے مطابق جشن میں
بہ شادی زد از خود نمائی نفس	آرائش کا پورا اہتمام کیا۔
گروہے ز بے مایہ زندانیاں	تو قیدیوں کے ایک مفلس گروہ نے بھی،
علی الرغم نوکیسہ سامانیاں	پیٹ بھرے نودولتیوں کے مقابلے میں (سجاوٹ کی ٹھانی) اور
بہ آئیں بہ بستند از خویشتن	اپنی طرف سے انھوں نے
سیہ پردۂ بر رخ انجمن	ایک سیاہ پردہ اس انجمن میں قائم کیا۔

که هر تار زاں پرده زنجیر بود	پردہ بھی کیسا، جس کے ہر ایک تار میں زنجیر کی کیفیت سمائی ہوئی تھی،
نوا ناله گر بم و گر زیر بود	اونچے نیچے سُروں سے جو موسیقی پیدا کی وہ فریاد کی تھی۔
به مرغوله کاندر نوا داشتند	اُس پیچ وتاب سے جو اُن کی آواز میں تھی،
هماں دُودِ دل بر هوا داشتند	دل کے دھوئیں ہوا میں اڑاتے تھے۔
بر اجزائے تن جا بجا بند سخت	اُن کے بدن کے جوڑ جوڑ پر سخت گرہیں تھیں،
بهر بند لختے ز تن لخت لخت	اور ہر گرہ میں بدن کے ٹکڑے کسے ہوئے تھے۔
نفس گرم شعل چراغاں ز آه	گرم آہ کی وجہ سے ان کے سانسوں کی لپٹ نے چراغاں کر رکھا
زگرمے خس و خار سوزاں براه	تھا اور اس کی گرمی سے راہ کے خس وخار جلتے تھے۔
چو گیتی کشا موکب خسروے	جب یہ جہانگیر سواروں کا شاہی گروہ
قدم سنج اندازهٔ رهروے	شان کے ساتھ قدم تولتا ہوا آہستہ آہستہ
به شهر اندر آورد از راه روئ	شہر کے اندر داخل ہوا
رسیدند گوهر کشاں پوئی پوئی	تو موتیوں کا انبار لانے والے دوڑتے ہوئے پہنچے۔
بداں جاده گوهر فرو ریختند	انھوں نے بادشاہ کے راستے پر بہت سے موتی بکھیر دیے، زمین کے
به مغز زمیں رنگ و بو ریختند	اندر رنگ و بُو پیدا کیا، یعنی رنگ اور خوشبو کی چیزیں ڈالیں۔
ز آئیں که در شهر بر بسته بود	شہر میں جو سجاوٹ کا اہتمام ہوا تھا،
دو صد نقش بر یکدگر بسته بود	اس میں بے شمار آرائش پر آرائش تھی۔

بداں تارود خطوۂ چند پیش	اس کے ساتھ چند قدم آگے چلنے کو،
بجنبید ہر نقش برجائے خویش	ہر صورت نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔
جگر گوں نگاہانِ خونیں نوا	وہ سرخ آنکھ والے اور نالۂ خونیں کرنے والے
گرفتند چوں داغ برسینہ جا	سینے کی داغ کی طرح سامنے آئے۔
ز اشکِ فرو خوردہ مشتی گہر	جیسے اوروں نے راہ میں موتی بکھیرے تھے،
ملک رافشاندند بر رہگذر	ان بدنصیبوں نے ضبط کئے ہوئے آنسو کے موتیوں کا بکھراؤ کر دیا۔
زخوں گشتہ پنہاں ہوسہائے خویش	ان کی جو آرزوئیں گھل کر لہو ہو چکی تھیں،
کشیدند خوانہائے یاقوت پیش	انھیں کے یاقوت سامنے خوان میں چن دیے۔
شہ دیدہ ور را دل ازجائے رفت	صاحبِ نظر بادشاہ کا دل بے چین ہو گیا،
بخاموشیش بر زباں ہائے رفت	اور وہ خاموش تھا کہ یکایک زبان سے آہ نکلی۔
خموشی بدلجوئی آواز شد	دل جوئی کے لیے خاموشی آواز ہو گئی،
ترحم بہ گفتار دمساز شد	اور رحم کا کلمہ زبان تک آیا۔
لب از جوشِ دل چشمۂ نوش ریخت	سینے کے جوش سے لب تک حرفِ شیریں پہنچا،
نوید رہائے بسر جوش ریخت	رہائی کا مژدہ اس کی زبان تک آیا۔
دہ دودۂ دگنجہا زپے	ایک کارواں خاندانی جاگیر اور خزانے لیے ہوئے پیچھے پیچھے،
گدایاں رواں کاروانہا زپے	اور ان بے نواؤں کا قافلہ آگے آگے روانہ ہوا۔ (یعنی شاہ نے یہ عطا کی)

عزیزی کہ یارائے گفتار داشت
بہرپردہ اندازۂ بار داشت

بادشاہ کا ایک مُقرب جسے بات کرنے کی ہمت تھی
اور ہر خلوت میں آنے کی اجازت تھی۔

زبیداد ذوقِ شناساوری
فغاں برکشید اندراں داوری

وہ اس عنایت بے جا پر ضبط نہ کرسکا (راز جاننے کے شوق کی شدت سے)
اور اس نے احتجاج کیا (اس داد و دہش کے بارے میں آواز بلند کی) کہ

کہ الماس در زر نشانندگان
نہ سنجیدہ گوہر فشانندگان

جو لوگ سونے میں ہیرے رکھتے ہیں، (یعنی امرا اور جوہری)
اور جن تو موتی لٹانے والے (یعنی جن امرا نے شاہ کے خیر مقدم میں
سونے کے ساتھ ہیرے لٹائے، موتی بکھیرے)

بیایند و داغ بیائے زنند
جگر تشنۂ مرحبائے زنند

وہ آتے ہیں اور پیرایہ جینے کا داغ اٹھا کر چلتے ہیں اور ان کا خیر مقدم
بھی نہیں ہوتا (یعنی شاہ نے ان سے مرحبا بھی نہ کہا)

تہی کیسگاں تا دمی برکشند
بگردوں زر و لعل و گوہر کشند

مفلس لوگوں نے ایک سانس لی تو،
گاڑی بھر بھر کے زر و لعل و گوہر لے گئے (حالانکہ شاہ کے خیر مقدم
میں انھوں نے کچھ بھی نہ کیا تھا)

بہ حرفے کز و لب گہر خیز شد
جہانباں چنیں پاسخ انگیز شد

ایسے لفظ سے جس کے ادا کرنے میں لب سے موتی گرے،
بادشاہ نے یوں جواب دیا۔

کہ ایناں جگر خستگاں منند
بہ آہن فرو بستگاں منند

یہ لوگ میرے کارن دکھی ہیں اور، اگر انھیں طوق و زنجیر میں
جکڑا گیا تو میرے حکم پر ہی جکڑا گیا ہے۔

بجز موی و ناخن کہ بینی دراز
زباں کوتہ از دعوئ برگ و ساز

ان کے بال و ناخن دراز ہیں اور
دعوئ سرو سامان سے زبان کوتاہ ہے۔

لباس از گلیم و زر از آہن است
گر آہن ز من در گلیم از من است

اُن کے کپڑے پھٹی پرانی گوڈری کے اور اُن کے زیور بجائے سونے کے لوہے کے ہیں، لوہا اور گوڈر دونوں میرے ہی دئے ہوئے ہیں۔

نیاوردہ اند آنچہ آوردہ اند
ز من بردہ اند آنچہ آوردہ اند

جو کچھ یہ لوگ لائے ہیں اپنی طرف سے نہیں، بلکہ جو میں نے دیا وہی لائے ہیں۔

بہ آئیں در آئینۂ انجمن
مرا کردہ اند آشکارا بہ من

محفل کی آرائش میں شریک ہو کر، انھوں نے مجھے آئینہ دکھا دیا اور میری یہ حقیقت مجھ پر ظاہر کر دی کہ

از آں رو کہ در تب ز تابِ منند
ہماں ذرّۂ آفتابِ منند

یہ لوگ میرے ہی تاب (غصّہ) سے تپ میں ہیں، اس لیے میرے آفتاب ہی کے ذرّے ہیں (اس تمثیل کے بعد شاعر خدا سے مخاطب ہوتا ہے)

تو نیز اے کہ ہر چیز و ہر کس ز تست
بہار و خزاں و گل و خس ز تست

اے وہ، کہ ہر چیز تجھ سے ہے، تیرے ہی ذات سے بہار، خزاں پھول اور گھاس سب کا ظہور ہوا ہے۔

بروزے کہ مردم شوند انجمن
شود تازہ پیوندِ جاں ہا بہ تن

اس روز کہ جب [آخری حساب ہوگا] سب لوگ اکٹھے ہو جائیں گے اور جسموں میں پھر سے جان ڈالی جائے گی

رواں را بہ نیکی نوازندگاں
بسرمایۂ خویش نازندگاں

تو وہ لوگ جنھوں نے روح پر نیکیوں کا احسان کیا ہے، اپنے سرمائے پر ناز کرتے ہوئے

گہرہائے شہوار پیش آورند
فروہیدہ کردار پیش آورند

ایک سے ایک بڑا موتی لا کر رکھ دیں گے اور ایک سے ایک اچھے اعمال پیش کریں گے۔

زنوری کہ ریزند و خرمن کنند
جہاں را بخود چشم روشن کنند

اس نور کے سبب جو اُن سے پھیلے گا، (ان کے جواہرات سے جو نور پھیلا پڑے گا) اور جو اُن کا حاصل ہوگا، وہ اپنی ذات سے جہاں کی آنکھیں روشن کریں گے۔ (اس کی بدولت دنیا روشن ہوجائے گی)

بہ ہنگامہ با ایں جگر گوشگاں
درآیند مشتے جگر توشگاں

اس ہنگامہ میں محبوب لوگوں کے ساتھ،
کچھ جگر کھانے والے آئیں گے۔

زحسرت بدل بردہ دنداں فرو
زخجلت سر اندر گریباں فرو

یہ لوگ حسرت کے مارے شدید الم و تکلیف میں ہوں گے،
اور شرم سے سر جھکائے ہوئے۔

درآں حلقہ من باشم و سینۂ
زغم ہائے ایام گنجینۂ

انھی لوگوں کے حلقے میں یہ گنہگار بھی،
زمانے بھر کے غموں سے بھرا ہوا سینہ لیے موجود ہوگا۔

در آب و در آتش بسر بردۂ
ز دشواریٔ زیستن مردۂ

میں، جس نے برسات کے پانی اور گرمی کی آگ دونوں کے دُکھ اٹھائے ہیں اور مر مر کے جیا ہوں۔

تن از سایۂ خود بہ بیم اندروں
دل از غم بہ پہلو دو نیم اندروں

جس کا جسم اپنے ہی سائے سے ڈرتا رہا اور،
غموں کے مارے پہلو میں دل دو ٹکڑے رہا۔

ز ناسازی و ناتوانی بہم
دم اندر کشاکش زپیوندِ دم

حالات کی ناسازی اور اپنی بے بسی کے مارے،
میرا سانس لینا دو بھر تھا، زندگی اجیرن تھی۔

زبس تیرگی ہائے روزِ سیاہ
نگہ خوردہ آسیب دوش از نگاہ

بُرے دنوں کے شدید اندھیرے کے سبب،
شبِ گذشتہ کا ضرر اب بھی سامنے ہے۔

به بخشائے بر ناکسی ہلئے من — میری نالائقی پر ترس کھا کر مجھے اس روز بخش دینا،
تہیدست و درماندہ ام وائے من — میں خالی ہاتھ ہوں اور عاجز ہوں افسوس میری حالت پر۔

بہ دوشِ ترازو مَنِہ بارِ من — اس روز (اے پروردگار) ترازو کے پلڑے میں میرے اعمال
نسنجیدہ بگزار کردارِ من — نہ رکھنا، بن تولے ہی مجھ سے درگزر کرنا۔

بہ کردار سنجے میفزائے رنج — اعمال وزن کر کے میرا دکھ اور نہ بڑھانا،
گرانبارئ دردِ عمرم بسنج — تولنا تو یہ کہ عمر بھر میں کتنے دکھوں سے لدا رہا ہوں۔

کہ من با خود از ہر چہ سنجد خیال — خیال میں جتنی چیزیں آسکتی ہیں، اُن سب میں سے میرے
ندارم بغیر از نشانِ جلال — پاس سوائے "نشانِ جلال" (تیرے غضب کے آثار) کے اور کچھ نہیں رہا ہے۔

اگر دیگراں را بود گفت و کرد — دوسروں کے پاس تو قول وعمل کا ذخیرہ ہوگا بھی،
مرا مایۂ عمر رنجست و درد — میرے پاس لے دے کر عمر بھر کی کمائی درد و رنج ہے اور بس!

چہ پرسی چو آں رنج و درد از تو بود — جب وہ درد و رنج سب تیرا ہی دیا ہوا ہے تو پھر اس کا پوچھنا کیا،
غمی تازہ در ہر نورد از تو بود — ہر تغیر حال میں ایک نیا غم تیری طرف سے پہنچا۔

فرو ہل کہ حسرت خمیرِ منست — مجھے چھوڑ دے کہ حسرت میری گھٹی میں پڑی ہے، اور، میری آہِ سرد
دمِ سردِ من زمہریرِ منست — ہی جسم وجاں کو کپکپانے اور عذاب میں رکھنے کے لیے کافی ہے۔

مبادا بہ گیتی چو من ہیچ کس — دنیا میں کوئی مجھ جیسا بدبخت نہ ہو جس کے دل میں جہنم کی آگ اور
جحیمے دل و زمہریری نفس — سانس میں برفانی کرۂ زمہریر کی سردی۔

بہ پرسش مرا در ہم افسردہ گیر
پرِ کاہ را صرصرے بُردہ گیر

مجھے سوال وجواب سے ریزہ ریزہ ہُوا محسوب کر،
سمجھ لے کہ گھاس کا تنکا تھا جسے آندھی اڑا کر لے گئی۔

پس آنگہ بدوزخ فرستادہ داں
در آتش خس از باد افتادہ داں

اس کے بعد یہ سمجھ لے کہ مجھے دوزخ بھیجا جاچکا،
جیسے کوئی تنکا تھا جو ہوا کے جھونکے سے آگ میں جا پڑا۔

ز دودی کہ برخیزد از سوزِ من
شود بیش تاریکیٔ روزِ من

میرے بھسم ہونے سے جو دھواں اُٹھے گا،
اس سے میرے دن یا تقدیر کی سیاہی اور بڑھ جائے گی۔

در آں تیرگی نبود آبِ حیات
کہ بروی خضر را نویسی برات

یہ وہ تاریکی ہوگی جس میں آبِ حیات نہیں،
کہ جس پر خضر کو نصیبہ عطا ہوجائے۔

ز دودِ شرارے کہ من در دہم
نہ گردوں فرازم نہ اختر دہم

جو دھواں اور شرر میرے جلنے سے اٹھے گا،
وہ نہ آسمان بنائے گا اور نہ تارے۔

فُتد بر تنم چوں ازاں شعلہ داغ
نسوزد بخاکِ شہیداں چراغ

میرے جسم پر جب اس شعلے کا چھکا لگے گا تو
اس سے شہیدوں کی قبر پر چراغ نہیں جلے گا۔

اگر نالم از غم زغوغائے من
نہ پیچد بفردوس آوائے من

اگر میں غم والم سے فریاد کروں تو،
یہ فریادیں اتنی بلند بھی نہ ہوں گی کہ جنت تک آواز جائے۔

کہ زُہّاد مینو نشیں زاں صدا
بہ افشاندنِ دست کوبند پا

کہ بہشت نشیں عابد وزاہد لوگ سن کر
تالیاں بجائیں اور خوشی سے ناچیں۔

دگرہم چنین ست فرجام کار	اور اگر یہی انجام کار ہے،
کہ می باید از کردہ راندن شمار	کہ دنیا میں انسان نے جو کچھ کیا اس کا شمار کیا جائے۔
مرا نیز یارائے گفتار دہ	تو مجھے بھی بات کہنے کی طاقت دے — اور
چو گویم بر آں گفتہ زنہار دہ	جو میں کہوں اس پر میری خطا معاف ہو۔
دریں خستگی پوزش از من مجوئے	اتنا تنگ آچکا ہوں کہ عذر معذرت کی توقع مجھ سے نہ رکھی جائے،
بود بندۂ خستہ گستاخ گوئے	آدمی بہت تنگ ہوگا تو گستاخی پر اتر آئے گا۔
دل از غصہ خوں شد نہفتن چہ سود	میرا دل غم و غصے نے لہولہان کر رکھا ہے اب چھپانے سے کیا فائدہ؟
چو ناگفتہ دانی نہ گفتن چہ سود	یوں جب بن کہے تجھے سب خبر ہے پھر نہ کہنے سے کیا حاصل!
زباں گرچہ من دارم آں از تست	اگرچہ منہ میں زبان میں رکھتا ہوں لیکن دی ہے تو نے ہی،
بہ تست ارچہ گفتارم آں از تست	اور جو کچھ میں تجھے کہتا ہوں وہ بھی تیرا ہی کرنا ہے۔
ہمانا تو دانی کہ کافر نیَم	تجھے خوب معلوم ہے کہ (میں جیسا کچھ ہوں) کافر بہر حال نہیں ہوں،
پرستار خورشید و آذر نیَم	میں سورج یا آگ کی پوجا نہیں کرتا۔
نہ کشتم کسے را بہ اہریمنے	نہ کسی کو مکر و دغا سے میں نے قتل کیا،
نبُردم ز کس مایہ در رہزنے	نہ زبردستی کسی کا مال و اسباب لوٹا۔
مگر می کہ آتش بگورم از وست	البتہ (اتنا ہی جرم کیا کہ) شراب پی جس سے میری قبر میں آگ ہے
بہ ہنگامہ پروازِ مورم از وست	اور پی کر ہنگامہ آرائی میں چیونٹی کی سی اڑان بھری۔

من اندوہگین و می اندہ رُبائی	میں غم کا مارا اور شراب کی خاصیت یہ کہ غم غلط کر دیتی ہے پی لی،
چہ می کردم اے بندہ پرور خدائی	یہ نہ کرتا تو اے بندہ پرور، میں کیا کرتا!
حساب می و رامش و رنگ و بوئے	شراب اور موسیقی و رنگ و بُو کا حساب،
ز جمشید و بہرام و پرویز جوئے	تو جمشید، بہرام اور خسرو پرویز جیسے بادشاہوں سے لے،
کہ از بادہ تا چہرہ افروختند	کہ یہ لوگ جب شراب سے چہرہ پر رونق پیدا کرتے تو،
دلِ دشمن و چشمِ بد سوختند	اپنے دشمنوں کا دل اور آنکھ جلاتے تھے.
نہ از من کہ از تاب می گاہ گاہ	نہ مجھ سے کہ شراب کے اثر سے کبھی کبھی،
بدریوزہ رُخ کردہ باشم سیاہ	بھیک مانگ کر اپنا منہ کالا کیا ہے.
نہ بستاں سرائی نہ مے خانۂ	شراب پینے کو (سروسامان چاہیے جو میسر نہ آیا) نہ باغ باغیچہ، نہ سلیقے کے مے خانے.
نہ دستاں سرائی نہ جانانۂ	نہ مطرب نہ معشوق،
نہ رقص پری پیکراں بر بساط	نہ محفل کے فرش پر پری پیکروں کا رقص،
نہ غوغائے رامشگراں در رباط	نہ دیوان خانے میں گانے بجانے والوں کا شور.
شبانگہ بہ می رہنمونم شدی	ہم نوالہ، ہم پیالہ معشوق کی تمنا رات کی تاریکی میں پینے کی طرف اکسا کر لے جاتی تھی اور،
سحرگہ طلب گار خونم شدی	دن میں شراب فروش (اپنا تقاضا لئے) میرا خون پینے پر تلا ہوتا تھا.

تمنائے معشوقۂ بادہ نوشش تقاضائے بیہودۂ میفروشش	(لف و نشر مرتب ہے۔ شعر سابق کے دونوں مصرعے یہاں کے دونوں مصرعوں کو بالترتیب کھولتے ہیں)
چہ گویم چو ہنگامِ گفتن گزشت زعمرِ گرانمایہ برمن گزشت	جب کہنے کا وقت گزر گیا تو اب میں کیا کہوں کہ گرانمایہ عمر میں مجھ پر کیا کیا گذری۔
بسا روزگاران بدلداد گے بسا نو بہاراں بہ بی باد گے	بہت زمانے عاشقی میں کٹے، اور بہت سے موسم بہار ایسے بھی گذرے کہ شراب نہ ملی،
بسا روزِ باراں وشب ہائے ماہ کہ بودست بی می بچشم سیاہ	بہت سے برسات کے دن اور پونم کی راتیں، میری نظر میں شراب نہ ہونے سے سیاہ تھیں۔
افق ہا پُراز ابرِ بہمن مہے سفالینہ جام من از مَی تہے	برسات کے موسم میں گھٹائیں گھر گھر کر آتی تھیں لیکن میرا مٹی کا پیالہ سوکھا پڑا رہتا تھا۔
بہاران و من در غمِ برگ و ساز درِ خانہ از بے نوائی فراز	بہار کے دن اور میں سروسامان کی فکر میں مبتلا، بے نوائی کے سبب دروازہ کھلا رہتا۔ (سامان ہی نہ تھا کہ چوری کا ڈر ہو)
جہاں از گل و لالہ پربوئ و رنگ من و حجرہ و دامنی زیر سنگ	دنیا میں پھولوں سے چمن کے تختے بھرے اور رنگ و بو کا سیلاب، اور میں حجرہ میں بند عاجز و بے مایہ رہا۔
دمِ عیش جز رقصِ بسمل نبود باندازۂ خواہشِ دل نبود۔	عیش کا جو لمحہ زندگی میں میسر آیا وہ مرغِ بسمل کی پھڑک تھا، اور وہ بھی جتنا دل چاہتا تھا ویسا نہ ملا۔

اگر تافتم رشتہ گوہر شکست
دگر یافتم بادہ ساغر شکست

حالت یہ رہی کہ (ہار بنانے کو) اگر تاگا بٹ لیا تو موتی ٹوٹ گیا۔
اور کہیں سے شراب نصیب ہوئی تو پیالہ ٹوٹ گیا۔

چہ خواہی ز دلق می آلود من
ببیں جسم خمیازہ فرسود من

میری شراب آلود گودڑی سے (اے مالکِ روزِ حساب) اب کیا چاہیے؟
انگڑائیوں (بدانجامیوں) سے میرے تھکے تھکائے جسم کو دیکھ۔

ز پائیز گویم بہارم گزشت
زمی بگزرم روزگارم گزشت

بہار کا ذکر ختم ہوا، اب اپنے خزاں کے زمانہ کا ذکر کرتا ہوں
شراب کا ذکر چھوڑتا ہوں کہ میرا (پینے پلانے کا) زمانہ گذر گیا

بنا سازگاری ز ہمسایگاں
بسر مایہ جوئی ز بیمایگاں

کہ یہ سارا زمانہ ہمسایوں سے بگاڑ مول لینے میں اور،
بے حیثیت لوگوں سے مانگنے تانگنے میں ہی گذر گیا۔

سر از منتِ ناکساں زیرِ خاک
لب از خاکبوسِ خساں چاک چاک

نالائقوں کے احسان سے زمین میں سر دھنسا رہا،
اور کمینوں کی قدم بوسی سے لب اُدھڑے رہے۔

بہ گیتی درم بے نوا داشتے
دلم را اسیرِ ہوا داشتے

اے پروردگار تُو نے دنیا میں مجھ کو بے حیثیت رکھا اور اس بے نوائی
پر ستم یہ کہ سینے کو آرزوؤں سے بھر دیا۔

نہ بخشندہ شاہی کہ بارم دہد
بہر بار زر پیل بارم دہد

نہ وہ دریا دل بادشاہ جس کے دربار میں میری رسائی ہوتی اور
ہر باریابی پر ہاتھی بھر کے سونا دیا جاتا۔

کہ چوں پیل ز انجا بر انگیزمے
زرش بر گدایاں فرو ریزمے

کہ میں وہاں سے ہاتھی پر سونا لادے نکلتا تو
محتاجوں پر ساری دولت بکھیرتا چلا جاتا۔

نہ نازک نگارے کہ نازش کشم
بہر بوسہ زلف درازش کشم

(دولت اور اس کے جائز مصرف سے جو محرومی رہی وہ اپنی جگہ) ایسا نازک بدن محبوب بھی مجھے نصیب نہ ہوا جس کے ناز اٹھاتا، پیار کرنے میں لمبی زلفیں کھینچ لیا کرتا۔

چو زاں غمزہ نیشی بدل برخورد
رگِ جاں غمِ نوکِ نشتر خورد

کہ جب اس کے غمزے کا نشتر دل پر پہنچے تو رگِ جاں اس کی تکلیف کا لطف اُٹھائے۔

بداں عمرِ ناخوش کہ من داشتم
ز جاں خار در پیرہن داشتم

اپنی ناگوار زندگی کے سبب، جسم میں جان ایسے تھی جیسے لباس کے اندر کانٹا ہو۔

چو دل زیں ہوسہا بجوش آمدی
ز دل بانگ خونم بگوش آمدی

ان آرزوؤں سے جب میرا دل جوش میں آتا تو دل سے کانوں تک خون کی سنساہٹ سنائی دیتی تھی۔

ہنوزم ہماں دل بجوش اندرست
ز دل بانگ خونم بگوش اندرست

اب بھی وہی دل جوش کھا رہا ہے اور دل سے کانوں تک خون کی آواز سنائی دیتی ہے۔

چوں آں نامرادی بیاد آیدم
بفردوس ہم دل نیاسایدم

جب مجھے اپنی زندگی کی وہ ناکامی یاد آئے گی تو جنت میں بھی راحت نہ ملے گی (یہ یاد بے چین رکھے گی)۔

دلے را کہ کمتر شکیبد بہ باغ
در آتش چہ سوزی بسوزندہ داغ

میرا جیسا دل، جسے باغ (باغِ بہشت) میں چین نہ ملتا ہو، اسے جہنم کی آگ میں جلانا کیا ضرور (جلانے کو) داغِ حسرت تو تھا ہی۔

صبوحی خورم گر شرابِ طہور
کجا زہرہ صبح و جامِ بلور

اگر صبح سویرے شرابِ طہور منہ کو لگائی بھی تو صبح کا ستارہ اور بلور کا جام (جنت میں) کہاں نصیب ہوگا۔

دم شب رَوی ہائے مستانہ کو
بہ ہنگامہ غوغائے مستانہ کو

مستی میں راتوں کا مٹرگشت کہاں ہو سکتا ہے کہ ہنگامہ کریں اور مستی میں شور مچائیں۔

دراں پاک میخانۂ بے خروش
چہ گنجائی شورش نائی و نوش

جنت تو ایک پاکیزہ مے خانہ ہے جس میں ہو حق کا گذر نہیں، نہ گلنے اور شراب نوشی کا شور میسر۔

سیہ مستیٔ ابر و باراں کجا
خزاں چوں نہ باشد بہاراں کجا

بادل اٹھیں، بارش ہو اور اس میں پھر پی کر بہنے کا لطف آئے، یہ بات جنت میں میسر نہیں آسکتی کیوں کہ جب وہاں خزاں ہی نہیں تو بہار کا لطف کیا خاک آئے گا۔

اگر حُور در دل خیالش کہ چہ
غم ہجر و ذوق وصالش کہ چہ

جب حور موجود ہو گی تو دل میں اس کا خیال کیسے آئے گا، نہ غم ہجر ہو گا نہ شوقِ وصل!

چہ منّت نہد ناشناسا نگار
چہ لذت دہد وصل بے انتظار

جس حسینہ سے پہلے کی جان پہچان نہ ہو وہ ہم پر کیا احسان دھرے گی، اور جس وصل کی خاطر انتظار کی کٹھن گھڑیاں نہ گذاری ہوں، اس میں کیا لذت ملنے والی ہے!

گریزد دم بوسہ اینش کجا
فریبد بسوگند دینش کجا

اس حور کو بھلا یہ کہاں آتا ہے کہ ہم پیار کرنے لگیں تو وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگ دے، نہ یہ کہ جھوٹی قسمیں کھا کر فریب دے۔

بَرد حکم و نبَود لبش تلخ گوئی
دہد کام و نبَود دلش کام جوئی

اُسے ہمارے حکم کی تعمیل سے غرض ہو گی جلی کٹی باتوں سے اس کے لب آشنا نہ ہوں گے، (یہ بھی کیا یک طرفہ معاملہ ہوا کہ) ہماری پیاس تو بجھا دے لیکن خود اسے کسی بات کی کوئی پیاس نہ ہو۔

نظر بازی و ذوق دیدار کو
بفردوس روزن بہ دیوار کو

جنّت میں نہ منظر بازی کا لطف، نہ کسی کو تکنے کی آرزو، یہ سب باتیں وہاں ہوتی ہیں جہاں دیوار اور روزنِ دیوار ہو، جب یہی نہ ہوں گے تو تاکنے جھانکنے کے لطف سے بھی محروم رہیں گے۔

نہ چشم آرزو مندِ دلالۂ
نہ دل تشنۂ ماہ پر کالۂ

نہ آنکھوں کو یہ آرزو ہوگی کہ دلالہ آئے اور اُدھر سے پیغام لائے، نہ دل کو کسی مہ پارہ کی طلب ہوگی۔

از ینہا کہ پیوستہ میخواست دل
ہنوزم ہماں حسرت آلاست دل

یہ ساری آرزوئیں دل میں بھری ہوئی اس دنیا سے لایا ہوں اور ان کے سبب آج تک دل حسرت زدہ ہے۔

چو پرسِش رگے را بکاود ز دل
دو صد دجلہ خونم تراود ز دل

جب سوال و جواب کی کش مکش ہوگی تو دل کی کوئی دکھتی رگ کھرچ جائے گی اور خون کے دو سو دریا اُبل پڑیں گے۔

بہر جرم کز روئے دفتر رسد
زمن حسرتے در برابر رسد

میرے نامۂ اعمال میں جتنے جرم سامنے آئیں گے، اُن میں سے ایک ایک کے مقابل ایک حسرت ہوگی۔

بہ فرمائے کایں داوری چوں بود
کہ از جرم من حسرت افزوں بود

اب آپ ہی فرمایئے کہ یہ کیسی عدالت ہوئی جہاں میرے گناہوں سے بڑھ کر حسرتیں نکل آئیں۔

ہر آئینہ ہم چوں منے را بہ بند
تلافی فراخور بود نے گزند

یقیناً مجھ جیسے گنہگار کی ـــــ حالتِ قید میں تلافی کی جائے نہ کہ سزا دی جائے۔

بدیں مویہ در روز امید و بیم
بگریم بدانساں کہ عرشِ عظیم

قیامت کے دن میں ایسے نالہ وزاری سے روؤں گا کہ عرشِ عظیم

شود از تو سیلاب را چارہ جوی	پہ طوفان آجائے گا اور بخشش تجھ سے پناہ چاہے گا۔
تو بخشی بداں گریہ ام آبروی	اور تو میرے اس رونے کے سبب مجھے آبرو بخش دینا۔
دگر خون حسرت ہدر کردۂ	اور اگر تو نے میری حسرتوں کا خون جائز کیا۔
ز پاداشش قطع نظر کردۂ	اور فیصلہ کیا کہ جرم و سزا کا معاملہ ٹال دیا جائے، تو
گزشتم ز حسرت امیدیم ہست	حسرت کو میں نے چھوڑا، مجھے ایک امید ہے کہ
سپید آب روئے سپیدیم ہست	روسپیدی کے لیے ایک سپید آب (صاف پانی) موجود ہے۔
کہ البتہ ایں رند نا پارسا	کہ یہ رند فطرت انسان جس نے پرہیزگاری کی زندگی بسر نہیں کی،
کج اندیشہ گبرِ مسلماں نما	جس کے خیالات کج مج، ظاہر کو مسلمان اور ویسے بے دین ہے۔
پرستارِ فرخندہ منشورِ تست	تیرے پاکیزہ فرمان (قرآن) کا ماننے والا،
ہوادارِ فرزانہ وخشورِ تست	اور تیرے دانش مند نبی کا چاہنے والا ہے۔
بہ بند امید استواری فرست	اس کی امید کی کڑی کو مضبوطی عطا کر اور
بہ غالب خط رستگاری فرست	نجات کا پروانہ غالب کے نام روانہ کر دے۔

نعت

بنام ایزد اے کلکِ قدسی صریر
بہر جنبش از غیب نیرو پذیر

سبحان اللہ اے وہ قلم کہ جس کی سرسراہٹ فرشتے کے نزول کی آواز جیسی ہے، تیری ہر حرکت کو غیب سے قوت ملتی ہے،

زِ ہمدم بدل ہمچو آہ اندر آئی
زِ دل تا بر آرم بگردوں بر آئی

محبت میں مثل آہ کے میرے دل کے اندر اُتر آ — اور جب باہر نکالوں تو آسمان پر پہنچ جا۔

چو بر سلسبیلت رہ افتد بخم
خیاباں خیاباں بہ مینو بچم

خم کھاتی ہوئی راہ سے جب تو (جنت) نہر سلسبیل تک جا نکلے تو کیاریوں کیاریوں جنت میں ٹہلتا رہ۔

بدم در کش آبِ گہر سائی را
نمودار کن گوہر لائی را

اس پانی کو جو موتی کی مانند ہے، اپنے اندر بھر لے اور تلچھٹ کے جوہر کو نمودار کر دے۔ یعنی تہ تک پہنچ

فرو رو بداں لائی و دیگر بری
زِ سر سبز گرد و فردسو بپوئی

اس تلچھٹ میں اُتر اور اُتر، سر سے سبز ہو (یعنی کنارے پر روشنائی نے) اور نیچے کو اور اس طرف دوڑ کر نکل آ۔

شگافی از آں در بخویش اندر آر
بہشتی نسیمی بہ پیش اندر آر

تو اس درے (یا دراڑے) لپنے اندر شگاف (قلم کا شگاف) پیدا
نسیمِ بہشتی سامنے لائے (یعنی تیری تحریر میں نسیمِ جنت کا لطف ہو)۔

بدآں نم کہ اندر سرشت آوری
بداں بادِ خوشش کز بہشت آوری

جو نمی اپنی ذات میں لیے ہوئے آئے گا،
اور اس نسیم سے جو بہشت سے لائے گا۔

دلآویز تر جنبشے ساز کن
بجنبش رقم سنجے آغاز کن

اس سے کام لے کر کچھ اور ہی دلآویز حرکت دکھا،
اور اس حرکت سے تحریر کی ابتدا کر۔

درودے بہ عنوانِ دفتر نویس
بہ دیباچہ نعتِ پیمبر نویس

دفتر کے سرنامے پر درود لکھ اور
آغازِ کلام رسولِ خدا کی نعت سے کر۔

محمد کز آئینۂ روئے دوست
جز منیش ندانست دانا کہ اوست

محمد کی ذات جو دوست (خدا) کے جلوے کا آئینہ ہے،
صاحبِ نظر کو خدا میں اور اس میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

زہی روشن آئینۂ ایزدے
کہ دروی نگنجیدہ زنگ خودے

خداوند عالم کے اس روشن آئینے کا کیا کہنا،
جس میں خودی (الگ سے اپنے وجود) کا زنگ تک نہیں لگا۔

ز رازِ نہاں پردہ بر زدہ
ز ذاتِ خدا معجزے سر زدہ

رازِ نہاں سے اُس نے پردہ اٹھا لیا۔
ایک اعجاز ہے جو خدا کی ذات سے ظاہر ہوا۔

تمنائے دیرینۂ کردگار
بوے ایزد از خویش امیدوار

خدا کو ایک زمانے سے آرزو تھی: سو وہ محمد کی تخلیق کے ساتھ ظاہر
ہوئی، اُن کا وجود ایسا ہے جس سے خدا کی امیدیں وابستہ ہیں۔

تن از نور پالودہ سرچشمۂ
دلے ہمچو مہتاب در چشمۂ

ان کا جسم ایک سرچشمہ ہے جو نور سے ڈھکا ہوا ہے،
جیسے چاند کا عکس کسی چشمے میں محدود ہو۔

بہر جام از و تشنۂ جرعہ خواہ
بہر گام از و معجزے سر براہ

اُن کے جام سے ہر ایک پیاسا ایک گھونٹ کا طلبگار ہے،
اور ہر قدم پر اُن کے وجود سے معجزے ظاہر ہوتے ہیں۔

کلامش بدل در فرود آمدن
زِدم جستہ پیشی بزود آمدن

اُن کا کلام ایسا ہے کہ اِدھر ادا ہوا اُدھر دل میں اُتر گیا،
نیچے اترنے میں اس نے سانس پر سبقت حاصل کی ہے۔

خرامش بہ سنگ از قدم نقشبند
بہ رنگے کہ نادیدہ پایش گزند

جب وہ چلتے ہیں تو پتھر پر نشانِ قدم بن جاتے ہیں:
اس طرح کہ اُن کے قدموں کو ضرر نہیں ہوتا۔

بہ دستش کشادِ قلم نارسا
بہ کلکش سوادِ رقم نارسا

اُن کے ہاتھ میں آئے تو قلم کی ساری جولانی دھری رہ جائے اور
اُن کے قلم تک تحریر کی سیاہی کی پہنچ نہیں ہے۔

دل امید جائے زیاں دیدگاں
نظر قبلہ گاہِ جہاں دیدگاں

اُن کا دل زیاں کاروں کی اُمید گاہ ہے اور
اُن کی نظر جہاں دیدہ بزرگوں کی قبلہ گاہ ہے۔

بہ رفتار صحرا گلستاں کنے
بہ گفتار کافر مسلماں کنے

محمدؐ اگر بیاباں سے گذریں تو وہاں باغ لہلہانے لگیں،
زباں کھول دیں تو بے دینوں کو ایمان نصیب ہو جائے۔

بدنیا ز دیں روشنائی دہے
بہ عقبیٰ ز آتش رہائی دہے

دنیا میں دین کی روشنی عطا کرتے ہیں اور
آخرت میں جہنم کے عذاب سے نجات دلواتے ہیں۔

بخوئی خوش اندوہ کاہ ہمہ
بہ آمرزش امیدگاہ ہمہ

اپنی خوش خلقی سے ہر ایک کا دُکھ بٹانے والے اور
بخشش کے لیے سبھوں کے کام آنے والے۔

لب نازنینش گزارش پذیر
جہاں آفرینش سپارش پذیر

اُن کے نازک لبوں پر حرفِ شفاعت آتا ہے اور
خالق اُن کی زبانی سفارش قبول کرلیتا ہے۔

زمیں دل زکف دادہ پائے او
خود از نقش پایش سویدائے او

محمدؐ کے پاؤں زمین پر پڑے تو زمین اُن پر جی جان سے فدا ہوگئی
اور یہ نقشِ قدم زمین کے دل کا سویدا ہوگئے۔

پےٗ آنکہ اورا ببوسد قدم
لب آوردہ یثرب ز زمزم بہم

صرف اس خیال سے کہ اُن کے قدم چوم سکے،
یثرب کی سرزمین نے زمزم کے کنوئیں سے لب پیدا کیے۔

زبس محرمِ پردۂ راز بود
بہ نزدیکیِ حق سرافراز بود

چونکہ آں حضرتؐ اللہ کے راز جاننے والے تھے
اور قربتِ الٰہی سے سرفراز تھے

زرازے کہ باوے سرودی سروش
صدائیش بودی زاوّل بگوش

اس لیے جب فرشتہ کوئی راز کی بات لے کر آتا ہے اور ان تک
پہنچاتا ہے تو پہلے ہی اس کی صدا اُن کے کانوں میں سمائی ہوتی ہے۔

زہی قبلۂ آدمی زادگاں
نظرگاہ پیشیں فرستادگاں

کیا کہنے ہیں انسانوں کے اس قبلہ گاہ کے،
جن پر پہلے کے پیغبروں کی نگاہ لگی ہوئی تھی۔

کشائی دہِ نسلِ آدم بخویش
روائی دہِ نقدِ عالم بخویش

اپنی نسبت سے انھوں نے بنی آدم کو ایک قدر و منزلت دے دی،
اور اہلِ دنیا کے متاع (اعمال) کو قبولیت عطا کی۔

بلندی دہِ کعبہ بالائے او
گرامے کنِ سجدہ سیمائے او

رسول کا قد و قامت کعبے کو بلندی عطا کرتا ہے، اور
اُن کی پیشانی کی بدولت سجدے کو وقار نصیب ہوتا ہے۔

یمن روشن از پرتوِ روئے او
ختن بستۂ چینِ گیسوئے او

ان کے چہرے کے نور سے یمن کے علاقے کی روشنی ہے، اور
اُن کی زلفوں کے شکن سے ختن (چین کا مغربی علاقہ) وابستہ ہے۔

بہ کیش فرلوِر جہاں رہنمائی
زبیراہہ پویاں خرامش ربائی

عظیم الشان دین کی طرف انھوں نے ہی دنیا کی رہنمائی کی اور
جو لوگ گمراہ تھے ان کی رفتار کا خاتمہ کر دیا۔

زبت بندگی مردم آزاد کن
جہانے بیک خانہ آباد کن

انسانوں کو بتوں کی پوجا سے آزاد کر دیا،
دنیا کو ایک گھر میں بسا دیا۔

بہ محراب مسجد رُخ آرائے دیر
بہ اندیشِ خویش و دعا گوئے غیر

مسجد کی محراب سے انھوں نے بُت خانے کا سُدھار کر دیا۔
اپنوں کی فکر کی، غیروں کو دعا دی۔

تو گوئی زبس دل ز دشمن رباست
کہ سنگ درش سنگِ آہن رباست

دشمنوں تک کے دل اس آسانی سے چھین لیتے ہیں کہ
گویا اُن کے دروازے کا پتھر نہ ہوا، مقناطیسی پتھر ہو گیا۔

زخونیکہ در کربلا شد سبیل
ادا کرد وامِ زمانِ خلیل

وہ خون جو کربلا میں (پانی کی طرح) بہہ گیا، (اپنے عزیزوں کا) وہ خون
دے کر انھوں نے ابراہیم خلیل اللہ پر خدا کا جو قرض تھا ادا کر دیا۔

گزیں بندہ کز بندگی سرنتافت
ز والا پسیچی عوض برنتافت

وہ ایک پاکیزہ اور بلند مرتبہ بندۂ خدا ہیں جنھوں نے اس کے حکم کی
اطاعت کی، اور عالی ہمتی کی وجہ سے کوئی صلہ بھی نہ چاہا۔

کنش را بداں گونہ شیرازہ بست بدیں صفحہ نقشی چناں تازہ بست	دین کی اس طرح شیرازہ بندی کردی اور اس صفحے پر ایسا ایک تازہ نقش ابھارا کہ
کہ تا گردشِ چرخِ نیلوفری بود سبز جالیش بہ پیغمبری	جب تک نیلگوں آسمان کی گردش باقی ہے، پیغمبری میں اُن کی جگہ خالی رہے گی۔ (ان کے بعد کوئی پیغمبر نہ ہوگا)
دل افسردہ مالک ز خوشخوئیش کمر بستہ رضواں بدل جوئیش	اُن کی خوش خلقی سے مالک دوزخ کا دل خوش نہیں ہوتے تھے۔ داروغہ جنت رضواں کو ہمیشہ فکر لگی رہتی ہے کہ اُن کی ہر ایک خواہش کی تکمیل کی جائے۔
ز کوثر بہ بیند تا درگہش ز طوبے ہماں تا بہ لشکر گہش	چشمۂ کوثر سے اُن کی درگاہ تک اور جنت کے درخت طوبیٰ سے لے کر اُن کی لشکر گاہ تک،
کدوئے گدا و شرابِ طہور کفِ پائے درویش و رخسارِ حُور	یہ منظر نظر آتا ہے کہ فقیروں اور سائلوں کی تونبی میں شرابِ طہور بھری ہے اور درویشوں کے پاؤں پر حُوریں اپنے رخسار بچھا رہی ہیں۔
ز بادی کہ از دم بر افلاک زد ز نقشی کہ از مہر بر خاک زد	اس کے سانس سے جو جھونکا آسمانوں پر پہنچا، عالم بالا نے اس کو پنے سے بلند مرتبہ پایا اور جو نقش مہربانی سے زمین پر ڈالا
فرازیں ہمانش ز خود بیش دید فرودیں گروہش ہم از خویش دید	اس کو نیچے کے گروہ (انسانوں) نے اپنا سمجھا (یعنی وہ عالم بالا سے برتر ہستی تھے مگر انسانوں کی ادنیٰ ہستی میں ایک بشر تھے)۔

مگس ران خوانش پر جبرئیلؑ
بخوان گستری پیشکارش خلیلؑ

رسولؐ کے دسترخوان پر جبرئیل فرشتہ اپنے پروں سے پنکھا جھلتا ہے اور ابراہیم خلیل اللہ جیسا پیغمبر ان کی مہمان نوازی کے وقت اوپر کا کام انجام دیتا ہے۔

جمالش دل افروز روحانیاں
خیالش نظر سوز یونانیاں

اُن کا حسن وہ ہے جس سے رُوحانی ہستیوں کے دل روشن ہیں، اور ان کا خیال وہاں پہنچتا ہے کہ یونان کے فلسفیوں کی نظر خیرہ ہو جاتی ہے۔

بدم حرز بازوئے افلاکیاں
بہ پیوند پیرایۂ خاکیاں

اُن کے سانس فرشتوں کے لیے بازو کا تعویذ، اور چونکہ [رسول کا وجود انسانی ہے اور خاک سے بنا ہے اس تعلق سے] خاکی بندوں کا زیور ہے۔

بہ معراج رایت بہ گردوں بری
بدیں شبرواں بر شبیخوں بری

معراج کی رات وہ آسمانوں پر اپنا علم لے گئے اور اپنے دین سے (کفر پر) شبخون مارنے کو رات کے چلنے والوں کو لے گئے۔

سخن تا دم از ذکر معراج زد
بمن چشمکِ خواہش تاج زد

معراج کا ذکر زبان پر آیا ہی تھا کہ شاعری کے دل میں تاج حاصل کرنے کی خواہش گدگدی کرنے لگی۔

ہمانا تہیدستم انگاشتہ
کہ خواری بمن بر روا داشتہ

غالباً سخن نے مجھے مفلس و بے مایہ سمجھا اسی لیے میری ذلت کو روا رکھا۔ (بیان معراج میں مجھے عاجز و محتاج جانا)

چو نبود مرا زیں تمنا گزیر
ہر آئینہ گردم تمنا پذیر

اس تاج حاصل کرنے کی تمنا سے چارہ نہ تھا، اب میں اس کا چیلنج قبول کیے لیتا ہوں۔

زمہ پایہ تا کلبۂ مشتری
برد بم فلک را بجولا نگری

چاند کے مقام سے مشتری تک اب میں دوڑ لگاؤں گا اور آسمان کی دھول اڑا دوں گا۔

نفس ریزہ ہائے فروزندہ ہور
جگر پارہ ہائے کواکب زلور

آفتاب عالم تاب کے وہ ذرے اور ستاروں کے جگر گوشے

کہ افتادہ بینم بداں رہ گذار
گدایانہ برچینم از رہ نثار

جو مجھے راستے میں پڑے ملیں گے۔ سب چن چن کر سمیٹ لوں گا راستے کی بھیک لوٹنے والوں کی طرح۔

نثار شبے کش ستایشگرم
بہ چیدن ز بالا فرود آورم

یہ سب اس رات پر قربان کروں گا جس کی مدح کرنے چلا ہوں ان کو چن کر اوپر سے نیچے لاؤں گا۔

کنم تاج طرح از گہر ریزہ ہا
ز گوہر بتاج اندر آویزہ ہا

جواہرات کے ٹکڑوں سے ایک تاج بناؤں گا۔ اور سچے موتیوں کے گوشوارے اس تاج میں لٹکاؤں گا۔

بہ سائل دہم تار سانم سرش
بجائی کز آنجا رسید افسرش

یہ تاج تیار کر کے مانگنے والے کو بخش دوں گا کہ یہ لے اور وہ سربلند ہو کر وہاں پہنچ جائے گا جہاں سے اس کا تاج آیا ہے یعنی معراج کے ذکر میں کلام کی حیثیت بلند ہو کر ماہ و مشتری کی گذرگاہ تک جا پہنچے گی۔۱

بیانِ معراج

ہمانا در اندیشۂ روزگار	زمانے کے خیال میں وہ رات ایسی ہے جو
شبے بود سرجوشِ لیل ونہار	راتوں اور دنوں کا اصل جوہر ہے ۔
شبے دیدہ روشن کن دل فروز	ایسی رات جو روشن دلوں کی آنکھ کو روشن کرے اور
ز اجزائے خود سرمۂ چشم روز	اپنے اجزا کی بدولت دن کی آنکھوں میں سُرمہ بن جائے۔
شبے فردِ فہرست آثار عید	ایسی رات جو عید کے آثار کی فردِ فہرست ہے جس کی
بیاضش ز جوش رقم ناپدید	سپیدی کثرتِ تحریر سے غائب ہوئی ہے۔
ز ایام فیضِ سحر یافتہ	ایسی رات جسے زمانے نے صبح کا فیض پہنچایا ہو اور
بہ شبگیر خورشید در یافتہ	رات ہی سے سفر کرکے خورشید کو پکڑ لیا ہو۔
بروشندلی مایہ اندوز بود	جس رات کے ضمیر نے روشنی کی دولت سمیٹ رکھی تھی،
چنیں شب مگر مہر یک روز بود	ایسی رات تھی کہ روز روز نہیں آتی صرف ایک دن کا مقدر ہو چکی تھی۔

درآن روزِ فرخندہ آں شب نخست　　اس مبارک دن کو رات نے اوّل تو
ہمہ روز خود را بخورشید شست　　سورج کے نور سے دن بھر خود کو دھویا۔

فرو رفت چوں روز لیلائے شب　　اور جب دن ڈوب گیا تو
برآراست محمل برسم عرب　　عربوں کے دستور کے مطابق رات کی لیلا نے اپنا محمل درست کیا۔

رُخِ جلوہ گر در پرند سیاہ　　رات میں ایک ایسا رُخ جلوہ گر تھا
چو از مردمک جوشش نور نگاہ　　جیسے آنکھ کی سیاہ پتلی سے نگاہ کی روشنی جھلکتی ہے۔

بہ راہش زبس نور می بیختند　　محملِ شب کے راستے میں چوں کہ نور کا چھڑکاؤ ہوتا جاتا تھا
بہر ذرہ خورشید می ریختند　　اس لیے ذرّے ذرّے میں خورشید کی دمک بھر گئی تھی۔

چہ بود از درخشندگی کاں نداشت　　چمک دمک کا وہ کون سامان تھا جو اس رات کو میسر نہ ہو اور
نیازے بخورشید تاباں نداشت　　اس پر بھی خورشید کا کوئی احسان اس کے سر نہ تھا۔

نگویم شبے ماہ وش دلبرے　　میں اس رات کو ماہ وش دلبر نہیں کہتا،
خور از زیور پیکرش گوہرے　　اس کے تو جسم کا ایک زیور آفتاب تھا۔ (پھر ماہ وش کیونکر کہوں)

گر از زیورے گوہرے کم شود　　اگر زیور میں سے ایک موتی کم ہو جائے تو
چہ از تابشِ پیکرے کم شود　　کوئی نقصان نہیں کیوں کہ سارے جسم کی آب و تاب تو وہی رہتی ہے

بہ زیر زمیں کردہ خفاش روئے　　چمگادڑ جسے تاریکی کی تلاش ہوتی ہے، زمین کے نیچے جا چھپی اور
پئے امن گردید خورشید جوئے　　جان کی امان کے لیے اسے سورج کی تمنا کرنی پڑی۔

چناں گشتہ سرتاسر اجزائے خاک — مٹی کے سب اجزا یوں دمک اٹھے،
فروغانی و روشن و تابناک — چمکے اور روشن ہوئے

کہ گوئی مگر مہر زیرِ زمیں — گویا زمین کے نیچے سورج نہیں تھا بلکہ،
فروزان فوہ بود و پشت نگیں — ایک روشن ڈانک تھا جو نگینہ دمکانے کے لیے نیچے لگا دیا جاتا ہے؛

دیا خاک با جوہر آفتاب — یا آفتاب کے جوہر نورانی کے ساتھ مٹی اس طرح گھل مل گئی تھی
بیامیخت چوں دُردِ باشراب — جیسے شراب میں اس کی تلچھٹ۔

سحر باخود از خود بریدہ امید — صبح کو اپنے وجود کی امید ہی نہ رہی تھی،
کہ چوں پیش ایں شب تواں شد سپید — اسے اندیشہ تھا کہ اس رات کے سامنے کس طرح سپید ہو سکے گی۔

بہ فرض ار دراں شب زخیرہ روی — فرض کرو اگر سورج گمرہی کی وجہ سے
زدے مہرِ تاباں دم از شب روی — اس رات سفر پر نکل پڑتا۔

بداں گونہ بودی بچشمِ خیال — تو اس روشن رات میں سورج کو یوں سمجھو کہ
کہ شاہد نہد بر رُخ از مشک خال — کوئی حسینہ اپنے چہرے پر مشک کا تل لگائے۔

شدہ چشمِ اعمٰے دراں جوش نور — نور کا وہ جوش تھا کہ نابینا کی آنکھ بھی
تماشا گرِ حالِ اہلِ قبور — قبر کے اندر مُردوں کا حال دیکھ سکتی تھی۔

دریغا نبودم اگر بودمے — افسوس کہ معراج کی اس روشن رات کے وقت میرا وجود نہ تھا،
وزاں روشنی بینش افزودمے — اگر میں زندہ ہوتا تو اس کی روشنی سے اپنی بینش یا دانائی اس قدر بڑھا لیتا....

بخندیدے بر ذیر یسار
چو او را زخود دیدے شرمسار

کہ بائیں بازو کے فرشتے پر (جو ہماری برائیاں درج کیا کرتا ہے) خوب ہنستا کیوں کہ اس کو میرے سامنے شرمندگی ہوتی (یعنی اس کو لکھنے کو کچھ نہ ہوتا کیوں کہ بہ وجہ دانائی میں غلط راہ نہ چلتا۔)

خرد گر بگوشش نفس سوختے
بروں زیں نمط مایہ ندوختے

اگر عقل اس کے کان میں کام کی بات ڈال دیتی تو، اگر عقل اپنی کوشش میں دم کو گرم کرتی) وہ اس طرح کی کارگزاری میں سرت کھپاتا اور نامۂ اعمال میں برائیاں نہ بڑھاتا۔ (یا اگر میری بینش سے باہر کوئی امر نہ ہو پاتا)

کہ برقیست امشب کہ رم نیستش
زجا جستن دمبدم نیستش

یہ رات کون سی بجلی ہے۔ جو چمکتی ہے مگر
آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی اور دم بدم اپنی جگہ سے ہٹتی نہیں۔

چگویم چساں گیتی افروز بود
شبے بود کز روشنی روز بود

کیا عرض کروں، کیسی جہاں افروز رات تھی،
روشنی سے دن معلوم ہوتی تھی۔

از آں روز تشبیہ عارض بہ شب
اگر رسم گشتے نبودے عجب

اس دن سے اگر رسم پڑجاتی کہ روشن رخساروں کو
رات سے تشبیہ دی جایا کرے تو کچھ تعجب نہیں۔

درآں شب ز بس بود رخشاں سرشت
فروخواندہ مردم خطِ سرنوشت

اس رات تقدیر کی عبارت اتنی صاف چمک رہی تھی
کہ لوگوں نے اپنے مستقبل کے حالات پڑھ لیے۔

نگہ را بہ ہنگامہ بے سعی و رنج
نمایاں ز دل راز و از خاک گنج

بغیر کسی دشواری اور زحمت کے
دل کے راز اور زمین تلے کے خزانے آنکھوں پر روشن ہوگئے۔

زبس ریزشِ نور بالائے نور بہ گیتی رواں بود دریائے نور	نور پر نور کی موجیں اس طرح اُمڈی پڑتی تھیں کہ دنیا میں نور کا دریا رواں تھا۔
کہ ناگہ درود سروشاں سروش درآں بیکراں قلزم افگند جوش	اتنے میں فرشتوں کا فرشتہ وارد ہوا اور اس کی آمد سے نور کا بے کراں سمندر اُبل پڑا۔
زبادیکہ از بالِ جبریلؑ خاست تومند موجی ازاں نیل خاست	یہ جبرئیل تھا، اس کے پَروں سے جو ہوا چلی اُس سے دریا کی ایک زبردست موج بلند ہوگئی۔
صدائے رسید از پر بھینے کہ خود گوش چشمے شد از فرشتے	فرشتے کے مبارک پر سے ایسی آواز آئی کہ روشنی کی بدولت کان ہی آنکھ بن گئے۔
نہیں پردہ دارِ در کبریا کشانندۂ پردہ بر انبیا	یہ وہ فرشتہ تھا جو خداوند عالم کا سب سے بڑا دربان ہے، اور پیغمبروں کے سامنے پردے اٹھاتا ہے۔
ہمایوں ہمای پیام آورے بہ آوردنِ نامہ نام آورے	وہ مبارک پرندہ جو پیغام لاتا ہے اور جس نے اسی خدمت میں ناموری حاصل کی ہے۔
روان و خرد را روانی بدو نبیؐ را دم راز دانی بدو	روح اور عقل کا کام اس کی بدولت چلتا ہے اور نبی کو غیبی راز معلوم ہوتے رہتے ہیں۔
امینی نخستیں خرد نام او زسر جوش نور حق آشام او	امین، عقلِ اوّل اس کا نام ہے اور حق کے نور کا اصل جوہر اس کی پیاس بجھاتا رہتا ہے۔

فروزاں بفقرش فروغ یقیں	یقین کے نور سے اس درجہ روشن ہے کہ
چناں کز محمدؐ دل از وی جبیں	جو محمدؐ کے دل میں ہے، وہ اس کی پیشانی پر ہے۔
سرایندۂ راز بعد از درود	درود پڑھنے کے بعد اس نے
بدیں پردہ راز نہانی سرود	عالمِ غیب کا رازدارانہ پیغام یوں پہنچایا۔
کہ اے چشم ہستی برئے تو باز	کہ اے محمدؐ آپ پر کائنات کی نگاہ لگی رہتی ہے اور
نیاز تو ہنگامہ آرائے ناز	آپ کی بندگی میں خداوندی کا عالم ہے۔
خداوند گیتی خریدار تست	مالک زمین و آسمان آپؐ کا طلب گار ہے،
شبست ایں ولی روز بازار تست	کہنے کو یہ رات کا وقت ہے لیکن آپ کے لیے یہی "روز بازار" ہے۔
چنیں لنگر ناز سنگیں چرا	ناز برداری کے لیے آپ کو سنگین زحمت نہیں دی جائے گی،
نہ طور اظہار تمکیں چرا	آپ کوئی طور نہیں ہیں کہ جلوہ خداوندی اس پر تمکنت دکھائے۔
کساں جلوہ بر طور گر دیدہ اند	وہ بھی لوگ تھے (حضرت موسیٰ) جنھیں کوہ طور پر جلوہ دکھایا گیا۔
زراہ تو آں سنگ برچیدہ اند	آپ کے راستے سے وہ پتھر ہٹا دئے گئے ہیں (یعنی جلوہ کے لیے طور کی شرط نہ رہی۔)
نہ بینی براہ اندروں سنگلاخ	آپ کو اپنے راستے میں پتھریلی زمین نہیں ملے گی۔ اس کنارے
کراں تا کرانست راہی فراخ	سے اس کنارے تک ایک وسیع شاہراہ کھلی ہے۔
بلی از گدایان دیدار خواہ	فقیروں میں جو دیدار شاہ کے طالب ہوتے ہیں وہ
نہ بیند کسی جز برہ روئے شاہ	صرف راہ میں ہی اس کا دیدار کر سکتے ہیں۔

عزیزی کہ فرمان شاہش بوُد
گزیں پایہ در بارگاہش بوُد

لیکن جس عزت والے کے لیے فرمان شاہی طلب میں آئے
اس کو بارگاہ میں عمدہ مقام ملتا ہے۔

بہ دُور تو شد لن ترانی کہن
فصاحت مکرر نسنجد سخن

آپ کی باری آئی ہے تو (وہ جواب جو نورِ خدا کی طرف سے موسیٰ پیغمبر کو دیا گیا تھا)، لن ترانی یعنی اے موسیٰ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے متروک ہو گیا۔
فصاحت اسے گوارا نہیں کرتی کہ لفظ کی تکرار کلام میں آئے۔

ترا خواستگار ست یزدانِ پاک
ہر آئینہ از لن ترانی چہ باک

خداوند عالم خود آپ سے ملاقات چاہتا ہے تو
اب لن ترانی کا کوئی اندیشہ ہی نہیں رہا۔

توئی کانچہ موسیٰؑ باو گفتہ ست
خداوند یکتا بتو گفتہ است

آپ کی تو وہ ہستی ہے کہ موسیٰ نے خدا سے جو تقاضا کیا تھا (رب اَرِنی، اے خدا مجھے اپنا جلوہ دکھا دے۔)
وہی تقاضا خداوندِ یکتا آپ سے کر رہا ہے۔

توئی آنکہ تا مر ترا خواندہ اند
دریں رہ گذر گرد بنشاندہ اند

آپ کی تو وہ ہستی ہے کہ صرف آپ کے بلائے جانے کی بدولت
راستے کا گرد و غبار بٹھا دیا ہے۔

ز ایمن چہ گوئی کہ راہ ایمنست
بہ شب گیر بر شو کہ شب روشنست

وادیٔ ایمن کا ذکر کیا، یہ پوری راہ ایمن (سلامت) ہے
رات رہے سے سفر کے لیے اٹھیے کہ رات روشن ہے۔

بنہ در رہ از پرتوِ روئے خویش
چراغ فرا طاق ابروئے خویش

اپنے چہرے کی روشنی سے
طاقِ ابرو پر چراغ رکھیے۔

نہ گویم کہ یزداں ترا عاشق است	میں یہ تو نہیں کہتا کہ خداوند عالم آپ کے عشق میں مبتلا ہے۔
ولی زاں طرف جذبۂ صادق است	تاہم اتنا کہوں گا کہ اُدھر سے جذبۂ طلب سچا ہے۔
جہاں آفریں را خور و خواب نیست	دنیا پیدا کرنے والے خدا پر کھانا اور سونا حرام ہے (دونوں منسوب ہوتے ہیں)، یہ خدا کی صفات میں سے ہے کہ اسے نہ نیند آتی ہے نہ بھوک
تو فارغ بہ بستر چہ خسپی بالسیت	لگتی ہے اور یہ کہ آپ کی طلب میں ایک بے چینی ہے؛ آپ آرام سے کیا سوتے ہیں؛ اٹھیے!
بیارائے شمشاد بے سایہ را	اپنے شمشاد جیسے سیدھے قد سے جس کا سایہ نہیں پڑتا اٹھیے اور
بہ پیمائے اورنگ نہ پایہ را	نو درجے کے تخت یعنی آسمان کو طے کر ڈالیے۔
چو خاطر بہ گفتار خویشش کشید	جب فرشتے نے اپنی بات کی طرف محمدؐ کی توجہ دلائی تو
ہما سایہ رخشی بہ پیشش کشید	ہما جیسے مبارک سایہ رکھنے والے گھوڑے کو اُن کے سامنے پیش کر دیا۔
بروحانیاں پرورش یافتہ	کیا سواری تھی جس نے روحانی ماحول میں تربیت پائی اور
ز ریحان مینو خورش یافتہ	جنت کی خوشبودار گھاس کھائی تھی۔
ہیونی کہ تا دم ز مستی زند	یہ سواری کا ایسا گھوڑا تھا کہ مزے میں آجائے تو،
ز بالا قدم سوئے پستی زند	اوپر سے ایک دم نیچے اتر پڑے۔
ز گنبد بہ غلطانے ار گردگاں	جتنی دیر میں گنبد سے گیند نیچے گرے،
نیفتد کہ آید فرو ز آسماں	اتنی دیر میں یہ گھوڑا آسمان سے زمین پر آتا ہے۔
شتابش برفتار زاں حد گذشت	اس سواری کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ
کہ تا گوئے آید ز آمد گذشت	جتنی دیر میں زبان سے لفظ "آتا ہے" کہو وہ آیا اور آگے نکل گیا۔

بہ ہم چشمے ہور ساغر سمے	اس کے ساغر جیسے سُم سورج سے آنکھ ملاتے تھے
بہمدوشئ حور گیسو دُمے	اور گیسو جیسی دم حُور کا مقابلہ کرتی تھی۔
سبک خیزیش خندہ زن بر نسیم	نسیم سحر سے بڑھ کر سبک رفتار کہ
کہ در جنبش انگیزد از گل شمیم	جب حرکت کرے تو اس کے جھونکے سے، پھول سے نکہت اٹھتی ہے
ہم از باد صبح سبک خیز تر	صبح کی ہوا سے زیادہ نرم رَو،
ہم از نکہت گل دلآویز تر	اور پھول کی مہک سے بھی زیادہ دلآویز۔
ز ساق و سُمش گر بہ بزم مدام	یہ ایسا گھوڑا تھا کہ اگر شراب کی محفل میں
کنی ساز تشبیہہ مینا و جام	کہیں اس کی پنڈلی کو بوتل اور سم کو جام سے تشبیہہ دی جائے
نباشد شگفت ار بدیدن رسد	تو کوئی تعجب نہیں،
کہ آں بادہ پیش از رسیدن رسد	کہ شراب کسی تک پہنچنے سے پہلے ہی نشہ پیدا کر دے۔
ز تیزی بہ گلبرگ گر بگزرد	تیزی کے ساتھ اگر وہ پھول کی پتیوں سے گذرے تو
ز گلبرگ رنگ آنچناں بسترد	پتیوں سے رنگ اس طرح صاف اڑا لے جائے کہ
کہ دیگر بداں دیدۂ راست بین	باغباں اپنی صحیح نظر اور پہچان کے باوجود
کہ یورند اند گل از یاسمین	یہ شناخت نہ کر سکے کہ کون گلاب ہے، کون چنبیلی۔
دو صد رہ ز چشم ار بدل در رود	اگر آنکھ سے دل کا فاصلہ دو سو بار بھی طے کرے تو
دریں رہ بجستن سراسر رود	اس تیزی اور صفائی کے ساتھ نکل جائے گا کہ

نہ اجزائے بینش ز ہم بگسلد — نہ تو بینائی کے تسلسل میں کوئی خلل پڑے گا اور
نہ پیوند ہنجار دم بگسلد — نہ سانس کی آمد و رفت میں فتور آئے گا۔

پیمبر بدیں مژدۂ دل نواز — پیغمبر خدا نے وہ خوش خبری سنتے ہی
کہ بودش در اندیشہ از دیر باز — جو بہت عرصے سے اُن کے خیال میں موجود تھی،

ز بس ذوق ناسودہ بر یال دست — سفر پر روانہ ہونے کے شوق میں ابھی انھوں نے گھوڑے کی
یال پر ہاتھ اچھی طرح رکھا بھی نہ تھا
بر آں بارہ یکبارگی بر نشست — کہ ایک دم سوار ہو گئے۔

مثل زد بریں ماجرا بلبلے — اس واقعہ پر ایک بلبل نے یہ رائے زنی کی کہ
کہ باد آمد و برد بوئے گلے — ہوا کا جھونکا آیا اور پھول کی باس اڑا لے گیا۔

خرامی ز مقراض "لا" تیز تر — اس کا چلنا نفی (لا الہ) کی قینچی سے زیادہ تیز کترنے والا
جمالے ز "الا" دلآویز تر — اور اس کا جمال اثبات (الا اللہ) سے زیادہ دلآویز۔

چو بود آتش آں پویہ آتشیں — چونکہ وہ آتشیں سواری آگ ہی آگ تھی،
بر افروختش باد دامان زیں — تو زین کے دامن کو ہوا نے روشن کر دیا۔

براق از قدم خار در راہ سوخت — آتشیں گھوڑے (براق) کے قدم جہاں پڑتے، راستے کے کانٹے جل بجھتے
پیمبر بدم ماسوای اللہ سوخت — تھے اور پیغمبر کے سانس سے اللہ کے سوا ہر شے کا وجود صاف ہوتا تھا۔

زمیں چوں سواری سرافراز یافت — سواری کو جب ایسا سربلند سوار ملا تو
دمی تازہ در خویشتن باز یافت — اس کے تن بدن میں نئی جان پڑ گئی۔

بجنبش درآمد عناں ناگہش	اتنے میں اس کے لگام کو حرکت ہوئی اور
فضائے زمیں گشت جولانگہش	زمین کی فضا میں وہ فراٹے بھرنے لگا۔
بہ سُم گنج قاروں نمایاں کناں	سُم پڑتے تو (زمین کے اندر) قارون کا خزانہ نکل آتا اور
بہ دُم عقد پرویں پریشاں کناں	دُم کی حرکت سے پروین ستاروں کی لڑی بکھر جاتی۔
چنیں تاز بیت المقدس گزشت	اس تیز رفتاری کے ساتھ وہ بیت المقدس سے گذر گیا،
ازیں کہنہ کاخ مقرنس گزشت	اس پُرانے محل سے جس پر کلس لگا ہوا ہے۔
ہوا تا زند بوسہ برپائے او	ہوا اس کے قدموں کو بوسہ دینا چاہتی تھی تو
براہ اندر آویخت درپائے او	راستے میں اس کے پاؤں سے لپٹ گئی۔
ولی توسن از بسکہ سرکش گذشت	لیکن چونکہ گھوڑا بہت زور روں میں سر اٹھائے جا رہا تھا،
ہوا تا دہد بوسہ زآتش گذشت	ہوا بوسہ دینے نہ پائی تھی کہ وہ کرۂ ہوا سے گزر کر کرۂ نار میں پہنچا۔
قدم تا بر اورنگ ماہش رسید	براق کا قدم چاند کے تخت پر پڑا تو
باکلیل کیواں کلاہش رسید	کیواں کے تاج تک اس کی کلغی جا پہنچی۔
ببالید چنداں ز بیشیٔ قدر	چاند اس قدر افزائی سے ایسا پھولا
کہ بے منت مہر گردید بدر	کہ سورج کی نظر کرم کے بغیر ہی مہ کامل بن گیا۔
شُد از پر دلی ہم بہ تحت الشعاع	چاند کا حوصلہ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ تحت الشعاع میں آ کر (جہاں
مقابل بخورشید در اجتماع	وہ نظر ہی نہیں آتا) وہ خورشید کے مقابل روشن ہو گیا۔

زمہ گر کند مہر پہلو تہی
چہ غم چوں زخویشش بود فربہی

اب اگر سورج کی طرف سے چاند کے ساتھ سرد مہری کا بھی برتاؤ ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اب وہ بذاتِ خود بلند حیثیت رکھتا تھا۔

چو فرماں چناں بودش از شہریار
کہ گردد دراں راہ منزل شمار

چونکہ شاہ وشبِ معراج کی طرف سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ راستے میں منزلوں کا شمار کیا جائے۔

بہ ہنگام عرضِ نشانہائے راہ
بر آں پیکِ دانا بہ بخشود شاہ

اس لیے جب دانش مند قاصد (جبرئیل) نے نشانہائے راہ کو بیان کیا تو آں حضرت نے اس پر بخشش کی

بقرِ قبول خودشس خاص کرد
بہ داغش نشانمند اخلاص کرد

کہ فرشتے کو قبولِ خاص بخشا، اس طرح کہ اس کے ماتھے پر داغ غلامی لگا کر مخلص خاص ہونے کا مرتبہ عطا کیا۔

بہ سیمائے مہ داغ چوں بر نہاد
دوم پایہ را پایہ برتر نہاد

چاند کی پیشانی پر داغ لگایا تو فلک دوم کا مقام بلند کر دیا۔

صفائی کشاد خدنگِ نگاہ
بداں حد کہ شد تیرش آماجگاہ

نگاہ کے تیر کی صفائی اس حد کو پہنچی کہ عطارد اس کا ہدف ہوا (تیر بمعنی عطارد)

بہ شمعی کہ بینش بہ شبگیر سوخت
شہ دیدہ ور تیر برتیر دوخت

اس شمع سے جو بینائی رسول نے رات کے سفر میں روشن کی، آں حضرت نے تیرِ نگاہ عطارد پر مارا۔

عطارد بہ آہنگِ مدحت گری
زباں جست بہرِ زباں آوری

عطارد نے (جو دبیرِ فلک کہلاتا ہے) کوشش کی کہ وہ زبان ملے جو شاہ کی مدح کر سکے۔

بدستورِ خواہشِ روزگار نہانِ خود از پردہ کرد آشکار	زمانے کے تقاضے کے مطابق اس نے اپنی چھپی ہوئی ذات کو آشکار اکیا۔
در اندیشہ پیوند قالب گرفت بخود در شد و شکل غالب گرفت	اس فکر میں اس نے ایک قالب اختیار کیا، اپنے وجود میں در آیا اور غالب کی شکل اختیار کی۔
بدل گرمیٔ شوق جرأت فزائے شد از دست و گردید دستاں سرائے	شوق کے جوش نے اس کی جرأت اتنی بڑھادی کہ بے قابو ہو کر اس نے پیغمبر کی مدح سرائی شروع کردی۔
دریں صفحہ مدحے کہ من می کنم خود از گفتۂ خود سخن می کنم	اس صفحے میں جو مدح میری زبانی لکھی جارہی ہے، یہ اس غالب کی کہی ہوئی بات ہے جس کو میں کہتا ہوں۔
کہ اے ذرّۂ گردِ راہِ تو من زخود رفتۂ جلوہ گاہ تو من	اے پیغمبر میں آپ کے راستے کے غبار کا ایک ذرہ ہوں، اور آپ کی جلوہ گاہ سے بیخود ہو گیا ہوں۔
نظر محوِ حسنِ خدا دادِ تو ستم کشتۂ غمزۂ دادِ تو	میری نگاہ آپ کے حسن خداداد میں محو ہے اور، آپ کے انصاف کے غمزے نے ظلم و ستم کا خاتمہ کر دیا ہے۔
برفتار رخشِ تو اختر نشاں بہ گفتار لعلِ تو گوہر فشاں	آپ کے مرکب کی رفتار کے لیے ستارے نشانِ راہ ہیں، اور آپ کے لب گفتار کے موتی بکھیرتے ہیں۔
قبولِ غمت حرزِ بازوئے شاہ غریبِ رہت جنت آرام گاہ	جس شخص کو آپ کی محبت قبولیت کا شرف عطا کرے، وہ بادشاہوں کے بازو کا تعویذ بن جائے، آپ کے راستے کے گرے پڑے لوگ جنت میں آرام پانے والے ہیں۔

خراجِ تو بر گنجِ گلشائیاں
نثارِ تو پارنجِ مشائیاں

گلشائی شاہوں کے خزانے پر آپ کا خراج واجب ہے اور
فلسفی مشائیوں کے گروہ کی دماغی محنت کا صلہ آپ پر نثار کیا
ہوا زر و گوہر ہے۔

جہاں آفریں را گرایش بتو
گنہ بخشش را نمایش بتو

دنیا کا پیدا کرنے والا آپ کی طرف مائل ہے
اور اس کی گناہ بخشی آپ کے دم سے ہوتی ہے۔

سرِ من کہ بر خطِ فرمان تست
نجاتش ز دوراں بدرمانِ تست

میرا سر جو آپ کے ہر ایک حکم پر جھکا ہوا ہے،
زمانے کے غموں سے اس کی نجات آپ کی ہی تدبیر سے ممکن ہے۔

دریں رہ ستائش نگارِ توام
بخشایش امیدوارِ توام

معراج کے اس سفر میں آپ کی مدح میری زبان قلم پر رواں ہے
آپ ہی کی ذات سے بخشش کی اُمید ہے۔

ازاں پس کہ گشت اندراں مرحلہ
عطارد فرزاں بنورِ صلہ

بعد اس کے کہ اس مرحلے سے گذرے۔
جس کے دوران عطارد کو بطور انعام نور عطا کیا۔

چہ بر سوم گشت جولاں گہش
جبیں سود ناہید اندر رہش

سواری تیسرے آسمان پر پہنچی۔ تیسرے آسمان پر زہرہ موجود تھی
اس نے راہ میں آنکھیں بچھائیں۔

بط و بربط آر پیش برچیدنش
نشانِ مے و نغمہ پوشیدنش

سامنے سے شراب کی صراحی اور بربط باجا اٹھانے میں
اور شراب و نغمہ کا سامان چھپانا زہرہ۔

بداں گرمی از جا برانگیخت گرم
کہ خونش زاعضا فرو ریخت گرم

اس نے اتنی گھبراہٹ اور تیزی سے کام لیا کہ
اعضا سے گرم گرم خون ٹپکنے لگا۔

نہ تنہا بر خسارہ رنگش شکست
کہ از لرزہ در دست چنگش شکست

صرف یہی نہیں کہ منھ پر ہوائیاں اڑنے لگیں،
بلکہ ہاتھ کپکپائے تو چنگ باجا ہی ٹوٹ کر بکھر گیا۔

بہ ناخن شکستش از آں زخمہ نے
کہ دلہائے شوریدہ خستے بوَے

ناخن سے اس نے زخمہ لگا کر بانسری یوں توڑ ڈالی کہ
شوریدہ سروں کے دل زخمی ہو جاتے۔

ز بیم از کف چنگی دل نواز
بنیر از دف مہ فرو ریخت ساز

خوف کے مارے اس مُطربِ دلنواز کے ہاتھ سے ساز گر گئے،
صرف چاند کا دف رہ گیا۔

چو در حلقۂ شرع شد چنبرے
بداں دف در آمد بہ خنیا گری

جب زہرہ شریعت کے حلقہ میں قید ہو گئی
تو وہی دف بجا بجا کر اس نے نغمہ چھیڑا۔

مہ و زہرہ با ہمد گر خوش بوَد
چو ساقی کہ از نغمہ سرخوش بوَد

چاند اور زہرہ کی سنگت اچھی رہتی ہے،
جیسے ساقی کہ خود بھی نغمے سے جھومنے لگتا ہے۔

بداں دم کہ زہرہ برامش گرفت
چو شہ سوئے بالا خرامش گرفت

عین اس لمحے جب زہرہ نے نغمہ چھیڑا، دف بجایا،
شاہ کی سواری اوپر کی طرف راہی ہوئی۔

ردائے ز نورش بانعام داد
کہ در جلوہ بر سر کشد بامداد

انھوں نے رقاصۂ فلک کو نور کی چادر انعام میں دی،
تا کہ صبح ہوتے اپنے سر پر ڈال لے۔

رباطِ سوم چوں نوَردیدہ شد
فرازش رباط دگر دیدہ شد

جب اس طرح تیسرا مقام بھی آ کر گذر گیا تو،
اس کے اوپر ایک اور منزل نظر آئی۔

زر اندوده کاخی گزیں منزلے	دیکھا کہ ایک عالی شان محل ہے جس پر سونے کا ملمع چڑھا ہے۔
ز بس روشنی دلنشیں منزلے	اس قدر روشنی کہ یہ مقام دل کو بھلا معلوم ہوا۔
ز ہوشنگ ہوشان کاؤس کوس	ایرانی بادشاہ ہوشنگ جیسے باخبر لوگ اور کیکاؤس جیسے شان شکوہ والے۔
بسے بر درِ خانہ درخاکبوس	بہت آدمی اس مکان کے دروازے پر زمین بوس تھے۔
به بالا و پائیں ز شش راه رُو	اوپر نیچے اور چھیوں طرف سے،
نظرها بدان حلقهٔ در گرو	تمام نظریں اسی حلقے پر لگی ہوئی تھیں۔
بدان در بدر یوزه روئے همه	اس دروازے پر ہر ایک بھیک مانگتا تھا اور
وزان قلزم آبی بجوئے همه	اس سمندر سے سب کی نہروں کو پانی ملتا تھا۔
دران کاخ جا کرده نام آورے	وجہ یہ کہ اس عالی شان محل میں ایک نامور ہستی موجود تھی،
شهنشه نگویم شهنشه گرے	جسے میں شہنشاہ نہیں بلکہ شہنشاہ گر کہوں گا۔
جهانگیریٔ شهریاران بدو	بادشاہوں کی سلطنت اسی ہستی کے دم سے
گل افشانیٔ نوبهاران بدو	اور بہاروں کی گل افشانی اسی کی بدولت تھی۔
اگر نور گوئے نمودش ازو	نور اور سائے دونوں کا وجود
دگر سایه جوئی وجودش ازو	اسی شہنشاہ گر کے دم سے ہے۔
به بے خواهشی با نظرهائے پاک	لعل و زر کی خواہش سے بری ہونے کے سبب اس کی پاک نظریں
ز لعل و زر اکسیریٔ سنگ و خاک	(آفتاب کی کرنیں) مٹی اور پتھر کو کان کے اندر جواہر بناتی ہیں۔

بسرہنگی شرع ہنگامہ ساز
بدو بستہ گر روزہ ور خود نماز

احکام شریعت کی تعمیل کا اہتمام ہونے کے سبب ہی تمام اعمال کا انتظام کرتا ہے، اگر روزہ ہے تو اس کی حدود آفتاب سے معین ہوتی ہیں اور اگر نماز ہے تو اس کے اوقات آفتاب سے متعین۔

زشادی سر از پائے نشناختہ
پذیرہ شدہ را بروں تاختہ

اس کو آں حضرت کی آمد سے اتنی خوشی ہوئی کہ سر اور پاؤں کی تمیز نہ رہی، فرماں بردار ہو کر باہر دوڑ آیا۔ (اگر "پذیرائے شہ" ہو تو مفہوم ہوگا کہ شاہ کا استقبال کرنے کے لئے)

رواں پیش پیشش مسیحا و بس
رواں ہائے شاہانِ پیشیں زپس

اس آفتاب کے آگے آگے صرف مسیح تھے، اور پہلے کے شاہ پیچھے چل رہے تھے۔

قدم بوس پیغمبر آہنگ کرد
زبس بوسہ جا بر قدم تنگ کرد

آفتاب نے ارادہ کیا کہ رسول اللہ کی قدم بوسی کرے تو اتنی خاک بوسی کی کہ قدم بڑھانے کی جگہ نہ رہی

زمہرش بجنبش در آمد لبے
بہر بوسہ رست از فلک کوکبے

ایسی محبت سے آفتاب کے لب جنبش میں آئے کہ فرش فلک پر جہاں بوسہ لیا وہاں ایک ستارہ اگ آیا۔

بدینساں کہ گردوں پر از کوکب است
ہمانا ز گل بازئ آں شب است

یہ جو آسمان پر ستارے ہی ستارے بھرے نظر آتے ہیں، ہو نہ ہو اسی رات کی گل افشانی کا نتیجہ ہیں۔

رسیدش بداں خسروانی مناص
بہ تعمیم اوقات در وقتِ خاص

اوقات کے سر پر عمامہ باندھنے کے لیے اس وقت خاص کو (یہ شرف حاصل ہوا) کہ اُس وقت میں شاہوں کو پناہ دینے والے کے پاس

ز خور نیاز و ز شاہاں سجود ز عیسیٰ سلام و ز یزداں درود	سورج کی طرف سے نیازمندی، بادشاہوں کی طرف سے سجدہ تعظیم، عیسیٰ کی طرف سے سلام اور خدا کی طرف سے درود پہنچے
خرامندہ کبکِ بلندی گرائے براں زمرہ گسترد ظلِ ہمائے	سوار کی سواری نے جو چکور کی طرح اوپر کی جانب پرواز کر رہی تھی اس گروہ پر ہما کا مبارک سایہ ڈالا۔
گذارندہ انجامِ گردوں خرام فراتر زد از چارمیں چرخ گام	اس آسمان پر سے گذرنے والے راہ رو (براق) نے چوتھے آسمان سے آگے قدم بڑھایا۔
ز فرِ سوار و خرامِ ستور بہ پنجم نشیمن در افتاد شور	سوار کے شان و شکوہ اور سوار کی چال سے پانچویں آسمان پر شور ہوا۔
سپہرے سپہبد بہ تیر کلاہ گہر ریزہ بارُفت از شاہراہ	یہاں سپہ سالارِ فلک (مریخ) اپنی کلغی سے جھاڑو دے رہا تھا اور راستے سے موتی کے ٹکڑے صاف کرتا جاتا تھا۔
ولی بود چوں بر کمر دامنش توانگر نہ گرداں گہر دامنش	لیکن چونکہ خدمت کے لیے دامن کمر کے اوپر کس رکھا تھا۔ لہٰذا یہ دامن اس گوہر کی عطا سے مالا مال نہ ہوسکا۔
اگر خود ہماں یک کلہ دار بُرد نہ آخر گہرہائے شہوار بُرد	اگرچہ ہی ایک شئے کلہ دار (مریخ) کو حاصل تھی (یعنی کلاہ) تو اس میں بھی درہائے شہوار تو موجود تھے ہی۔
بگوتا بداں گوہری افسری بخورشیدِ تاباں کند ہمسری	گویا وہ ان موتیوں کے تاج سے سورج کی ہمسری کرتا تھا۔

ازیں بیش کس چوں توانگر شود	اس سے زیادہ کیا کوئی دولت مند ہوگا کہ
کہ سرہنگ باشہ برابر شود	سپاہی بادشاہ کی برابری کرنے لگے۔
ازاں دم کہ خونش برگ گرم شد	اس سانس سے کہ اس کے خون میں حرارت آئی تو
بہ منّت پذیری دلش نرم شد	احسان مندی کے جذبے سے دل نرم پڑ گیا۔
رگ گردنش از وفا پیشگے	اور سپاہی تھا اس لئے) وفا کے جذبے سے اس کی رگ گردن (غرور)
ثمر سجدہ آورد در ریشگے	جڑیں نکلنے میں سجدہ کا پھل لائی (یعنی باینہمہ غرور سجدہ کیا)
ن آرا گروہی ز بہرامیاں	جنگ جُو شاہوں (ساکنانِ مریخ) کا ایک گروہ صف لگائے کھڑا تھا،
پیرامن کعبہ احرامیاں	جس طرح کعبے کے گرداگرد احرام باندھے ہوئے لوگ۔
نیاگانِ من تا جہانباں پشنگ	ان میں میرے اسلاف بھی تھے بادشاہ پشنگ تک (پدرِ افراسیاب)
قدم بر قدم اندراں حلقہ تنگ	قدم سے قدم ملائے یہ لوگ تنگ حلقہ باندھے تھے:
بہ آسیب بازو بہ بازو زدن	بازو سے بازو لڑنے کے صدمے سے،
زہم جستہ پیشی بزانو زدن	ہر ایک تعظیم میں دوزانو ہونے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا۔
روانہائے ترکان خنجر گزار	خنجر کے دھنی ترکوں کی روحیں،
پرافشاں دراں بزم پروانہ وار	مثل پروانوں کے یہاں اڑ رہی تھیں۔
شہنشاہ چوں عرض لشکر گرفت	شہنشاہ کو ابھی لشکر کی سلامی دی جا رہی تھی کہ
فرازِ ششم چرخ رہبر گرفت	اتنے میں رہنما نے چھٹے آسمان پر کوچ کر دیا۔

به پیش آمدش دل کشا معبدی	اُن کے سامنے ایک دل کش عبادت گاہ اس طرح آئی
چناں چوں بره ناگہاں گنبدی	جیسے راستے میں اتفاقاً گنبد مل جائے۔
سروشان فرخنده امشاسپند	رحمت کے مبارک فرشتے اس خانقاہ کے
زده بر درِ صومعه دست بند	دروازے پر ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔
در و بام کاشانه خورشید زای	اس عمارت کے در و بام اتنے روشن تھے کہ اُن سے شعاعیں نکل رہی تھیں،
نکو محضری را بکاشانه جای	ایک نیک اعمال بزرگ اس مکان کے اندر موجود تھے۔
که منشور خوبی به تمغائے اوست	جس کے لیے (خدا کی طرف سے) خوبی کا فرمان
ظهور سعادت بامضائے اوست	اس کے آثارِ عزت میں شامل ہے، اور اس کے حکم سے سعادت حاصل ہوتی ہے۔
کنش را بپالیست نیرو دہے	دین کو پابندی سے قوت دینے والا،
منش را به فرزانگی خو دہے	طبیعت کو عقل مندی کی عادت دینے والا۔
به تلخی گوارا چو قهرِ طبیب	طبیب کے غصے کی طرح اس کی کڑواہٹ بھی ناگوار نہ تھی، اور
به تندی ملائم چو خشمِ ادیب	استاد کے غصے کی طرح اس کی سختی میں بھی نرمی پائی جاتی تھی۔
جواں بخت پیری همایوں صفات	وہ ایک عمر رسیدہ خوش نصیب اور خوش صفات بزرگ تھے،
زدل زندگی بر مزاج حیات	جنہیں زندہ دلی کی بدولت حیات کے مزاج سے موافقت تھی۔

خداوند از پاکیٔ گوہرش — خداوند عالم نے اپنی رحمت سے اس کے جسم میں
بیفشرد از مہر اندر برش — اپنی پاکیٔ ذات کا ایک جز و بھر دیا تھا۔

خداوند دریا و بر جیس سیل — خدا دریا تھا تو مشتری ایک موجِ سیل،
ازیں سو کشش بود و زانسوئی میل — اِدھر کشش تھی تو اُدھر رغبت (یعنی دریا کا سیلاب بالآخر دریا میں لوٹ آتا ہے)۔

بداں جذب و میلی کہ انگیخت نور — اس کشش اور رغبت سے جو نور پیدا ہوا
چو شیر و شکر باہم آمیخت نور — تو شیر و شکر کی طرح یک جان ہو گیا تھا۔

خورد آب در راہ رہرو اگر — مسافر سفر میں پانی پیتے ہیں،
بپیمبر بہ رہ خورد شیر و شکر — آں حضرت نے اس راہ میں اس نور کے شیر و شکر کا شربت پیا۔

بجوشید سرچشمۂ نور ازو — اُن کی ذات سے نور کا چشمہ اُبلا،
خوشا رہرو و چشمِ بد دور ازو — اس مسافر کے کیا کہنے، نظرِ بد اس سے دُور۔

بداں جرعہ کز چشمہ نوش زد — اس چشمۂ شیریں سے جو گھونٹ اس کو ملا تھا،
بداں ذوق کاندر دلش جوش زد — دل میں ذوق و شوق کی جو موج اُبل پڑی تھی،

بہ لطفش دم از آبِ حیواں گزشت — اُس کی لذت سے اُن کی سانس آبِ حیات سے برتر ہوئی،
بموجش سر از کاخ کیواں گزشت — اس موج کے زور میں وہ زحل کے آسمان کے اوپر پہنچ گئے۔

بچشم اثر بینِ فرزانہ در — اس فرزانہ ہستی کی بصیرت بھری نگاہ کے سامنے
در آمد چراغے بداں خانہ در — اُس مکان یا محل کے اندر ایک چراغ نمودار ہوا۔

کہ گر خود تواں گوہرِ جاں شناخت
فروغ وی از داغ نتواں شناخت

اگر خود روح کی ماہیت شناخت کرنے والی نظر سے بھی دیکھا
جاتا تو اس چراغ کی روشنی اور داغ میں کوئی فرق نظر نہ
آتا (یعنی اپنی نحوست سے تاریک ہے)

بدل تنگی از بس فرو خوردہ دود
شدہ شعلہ را روئے روشن کبود

تنگ دلی سے اس نے دل کا دھواں اس قدر اندر جمع کیا کہ
شعلے کے بدن پر چڑھ گیا تھا (زحل کا رنگ نیلا ہے)

دراں پردہ ہندوئے واژوں بسیچ
بہ زنّارِ تابی کفش خوردہ پیچ

اس نیلگوں شعلے کے پردے میں (کیا دیکھتے ہیں کہ) ایک ہندو
جو بد اندیش ہے اور،
جنیو کا دھاگہ بٹنے میں اس کا ہاتھ پیچ کھا گیا ہے۔ (ہندستان
زحل سے منسوب ہے اور وہ ہنود کا موکّل نگراں ہے)

سراسیمہ از بس بہ تعظیم جست
نخ از دست رفت و بہم سود دست

چونکہ وہ گھبراہٹ میں تعظیم کے لیے اٹھا،
س کے ہاتھ [illegible] گا چھوٹ گیا اور وہ ہاتھ ملتا رہ گیا

براں رفتہ مسکیں تاسف کناں
زخجلت بہ رفتن توقف کناں

بے اختیاری کے اس عمل پر اسے حیرت ہوئی،
شرمندگی کے مارے وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

زدش بسکہ در ہر قدم بر ملا
ادب دور باش و عنایت صلا

ہر ایک قدم پر چونکہ ادب نے دور باش سے اُسے ہٹایا
اور رسول نے از راہ عنایت صدائے طلب بلند کی

فرو ماند حیراں بداں کار دُر
گراں گشت پایش بہ رفتار در

اس لیے یہ زحل حیرت سے ٹھٹکا،
قدم آگے نہ بڑھا سکا۔

پیمبر کہ پویندۂ راہ بود	رسُولِ خداؐ اپنی راہ پر تیزی سے چلے جا رہے تھے اور
بہ دادار جویندۂ راہ بود	خدا کی طرف راستہ کے طلب گار تھے۔

چو زینگونہ زیں ہفت دربند ژرف	جب اس طرح ان سات عمیق قلعوں پر
پدید آمدش فتح یابی شگرف	اُن کو شاندار فتحیابی حاصل ہوئی

سپہر ثوابت بہ پیش آمدش	تو فلک ثوابت یعنی ان ستاروں کا آسمان سامنے آیا جو ستارے
گہر ہا ز اندازہ بیش آمدش	حرکت نہیں کرتے۔ تو اندازے سے کہیں زیادہ موتی نظر آئے۔

گہر پیکراں از یمین یسار	داہنے بائیں ہر طرف سے گوہر بدن (اجرام فلکی) نے
نمودند بر شہ گہر ہا نثار	شاہ پر موتی نثار کیے۔

ہمانا سپہر اندراں مرحلہ	اس مرحلے پر یوں لگتا تھا کہ
ز ہجرش دلی داشت پُر آبلہ	آسمان کے دل میں اُن کی جُدائی کے غم سے چھالے پڑے ہوئے ہیں،

ویا خود نگاہش دراں شہر بند	یا پھر یوں ہو گا کہ اس فصیل کے اندر،
ز تیزی بدیوار روزن فگند	اس کی نگاہ کی تیزی نے سوراخ ڈال دیے ہوں۔

کہ از جذبۂ شوق و ذوق ظہور	اور پھر نور کے "جذبۂ بے اختیارِ شوق" کی بدولت ،
زِ روزن شد آں پردہ غربال نور	وہ پردہ نور کی چھلنی ہو گیا۔

زہے شوق گستاخ دیدار خواہ	اس شوق کے کیا کہنے جو دیدار کی بے تابی میں گستاخ ہوا جاتا ہو،
زہے حسن مستور عاشق نگاہ	(یعنی آں حضرت کا شوق) اور اس حسن مستور کا کیا کہنا جو عاشق کی سی نگاہ رکھتا ہے۔

بداں شوق نازم کہ بے خویشتن دود حسن سویش چنیں قطرہ زن	اُس شوق پر مجھے ناز ہے جس کی طرف حُسن خود بے اختیار ہو کر چلتا ہوا آئے۔
مگر قدسیاں را خود از دیر باز براہ نبی چشمہا بود باز	ہو سکتا ہے کہ (یہ ستارے جڑے ہوئے نہ ہوں بلکہ) بہت دیر سے نبی کے انتظار میں راہ پر آنکھیں لگائے ہوئے ہوں۔
ویا رحمت حق بجولاں گہش ز سر جوشِ نور آب زد در رہش	ممکن ہے یوں بھی نہ ہو، بلکہ خداوند عالم کی رحمت نے اُن کے راستے میں نور کے اصل جوہر کا چھڑکاؤ کرا دیا ہو۔
خرامندہ اندر گزرگاہِ ناز خرامش ہمی کرد با برگ و ساز	آنے والا (پیغمبر) بڑے آرام اور شان کے ساتھ، ناز کی گذرگاہ میں ٹہلتا آ رہا تھا۔
بہ نظارہ ہفت آشنا از پسش روانہائے کرّوبیاں برخیش	اس کے پیچھے سے ساتوں سیارے جن سے ملاقات ہوئی تھی تک رہے تھے اور فرشتوں کی جانیں ان پر قربان ہو رہی تھیں۔
صُور گونہ گوں از جنوب و شمال کشودند بند نقاب خیال	شمال و جنوب سے طرح طرح کی صورتیں یعنی بروجِ فلکی، نقاب سے باہر ہو کر سامنے آگئی تھیں۔
حمل سر بہ نرمی فرا پیش داشت سپاسے ازاں لابہ بر خویش داشت	برجِ حمل نے اپنا سر ادب سے جھکا دیا تھا اور اس انکسار سے اپنی ذات کا شکرگذار تھا۔ (حمل معنی مینڈھا)
نہ بینی کہ حیواں بیگانہ خوئے بپوزش ز منعم بود طعمہ جوئے	کیا نہیں دیکھا ہے کہ اجنبی مزاج جانور، جب مالک سے کچھ غذا چاہتا ہے تو سر جھکا کر ادب سے ہو جاتا ہے۔

چو اوراست چوبانیِ آں رمہ	چونکہ اس (آسمانی) گلّے کی خبرگیری اُن کے ذمہ ہے،
ہر آئینہ تازند سویش ہمہ	اس لیے سب انھیں کی طرف دَوڑتے ہیں۔
دود گاوِ تا سوئے او بید رنگ	آسمانی گائے (گاوِ فلک) بے تامل اس کی طرف دَوڑتی ہے،
سَرِ دن خودش زد بدل گاوِ شنگ	یہاں تک کہ خود اس کا سینگ اس کے دل میں پَینا مارتا ہے۔
نبودی اگر شیر در عرضِ راہ	اگر راستے میں شیر (برجِ اسد) نہ ہوتا تو
چریدی بہ چالاکی از خوشہ کاہ	یہ گاوِ فلک تیزی سے خوشوں (ستاروں) کی گھاس چر جاتی۔
تو گوئی براہ خداوند دور	یوں کہو کہ ثریا ستاروں کے گچھے اور برجِ ثور (بیل)
سپہر از نمود ثریا و ثور	نہیں ہیں بلکہ آں حضرتؐ کی راہ میں
گدائیست ہندی کہ سرتا بپا	کسی ہندوستانی فقیر نے (جو گئو سجا کر دان مانگتا ہو) گئو کو سر
بخر مُہرہ آراستہ گاو را	سے پاؤں تک کوڑیوں کے زیور سے لاد رکھا ہے،
بہ دریوزہ گستاخ پوید ہمے	اور راستہ چلتے سے گئوپالن کے نام پر،
ز رَہ و برہ وایہ جوید ہمے	دوڑ دوڑ کر اور ضد کر کے بھکشا مانگ رہا ہے۔
بریں سروشانِ فرخ لقا	ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں نے اُن دونوں عالی شان
ازاں ہر دو کاشانۂ دلکشا	محلوں سے، چاند سورج کے مبارک قران سے
ز پیوند خوشحالئے مہر و ماہ	شاہ کے بازو پر تعویذ باندھ دیا۔
ببستند حرزے ببازوے شاہ	

کہ چوں باز گردد بہ بنگاہ خاک
نباشد ز چشم بد اندیشہ باک

تاکہ جب وہ آسمانی سفر سے واپس ہوں، زمین کے ڈیرے کی طرف جائیں تو انھیں نظرِ بد کا اندیشہ نہ رہے۔

دو پیکر کہ گوئے ورا تواماں
بر ہر و پذیرے در آمد چماں

وہ بُرجِ فلک جسے تم جڑواں یا توام کہتے ہو، استقبال کے لیے دوڑا ہوا آیا۔

پئے ہستی شہ بدست نیاز
رہ آوردی از روزہائے دراز

شاہ کی ذات کے لیے ایک زمانے سے اس کے پاس ایک سوغات تھی وہ نذر کے لئے اٹھالی۔

ز بس بود جوزا دراں رہروی
کمر بستۂ خدمت خسروی

چونکہ بُرجِ جوزا (جوڑواں جسم کی شکل کا برج) اس سفر میں، شاہی خدمت پر کمر بستہ تھا۔ (جوزا = دو انسان پشت سے جوڑے ہوئے)

بداں تا زود نیمہ از نیمہ بیش
ز تیزی بہ برّید پیوندِ خویش

اس غرض سے کہ اس جوڑواں کا ایک پیکر دوسرے پیکر سے خدمت میں آگے بڑھ جائے
تیزیٔ رفتار نے اپنا جوڑ کاٹ لیا۔

چو ہمسایہ بکشود درہائے نور
بہ غلطید سرطان بدریائے نور

جب دیکھا کہ ہمسائے بُرجِ جوزا نے نور کے دروازے کھول دئے تو
بُرجِ سرطان نور کے دریا میں نہا گیا۔

بکاشانۂ مہ ازاں فتح باب
بہ بستند پیرایۂ ماہتاب۔

چاند کے محل میں اس دروازہ کے کھلنے سے، آرائش ہونے لگی، چاندنی سج گئی۔

چناں دلکش افتاد از ہر طرف	ہر طرف اس قدر دل کشی چھاگئی کہ
کہ برجیس راگشت بیت الشرف	برجیس (مشتری) کو شرف کا مقام مل گیا (مشتری کا شرف سرطان میں ہے)
بہ شاہانہ کاخی کا سد نام داشت	وہ شاہی محل، جس کا نام (برج) اسد تھا،
دراز نقطۂ اوج بہرام داشت	اس کا دروازہ مریخ کے شرف کا نقطہ تھا۔
کشودند در تا بداں اصطکاک	دروازہ کھولا تاکہ دروازہ کھلنے کی چرچراہٹ سے
شود دشمناں را جگر چاک چاک	دشمنوں کا جگر چاک ہو جائے۔
نہ شد گرچہ چوں گاؤ قربان اُو	اگرچہ گائے (بُرجِ ثور) کی طرح اسد شیر، اُن پر قربان نہیں ہوا۔
ولی شیر شد گربۂ خوان اُو	تاہم اُن کے سامنے ادب سے اُن کے خوان کی بلی بن گیا۔
نچنداں بہ محنت کشی خو گرفت	برجِ اسد اس قدر محنت کشی کا عادی نہیں ہوا تھا کہ
کہ بر گاؤ بتواند آہو گرفت	گائے (برجِ ثور) پر عیب لگا سکے۔
نہ در پنجہ زور و نہ در سینہ دم	نہ اس شیر (برجِ اسد) کے پنجے میں کس بل رہا نہ سینے میں ڈکار،
فرو ماند بےحس چو شیرِ علم	وہ جھنڈے کے شیر کی طرح بےحس ہو کر رہ گیا۔
شود تا خداوند را سجدہ بر	مالک کی خدمت میں سجدہ بجالانے کے لیے،
بر آورد از خوشہ صد دانہ سر	سنبلہ کے سَو دانوں نے خوشہ سے سر نکالا۔

دراں راہ گر توشہ داشت چرخ	اس راستے میں اگر آسمان کے پاس کوئی توشہ یا سر و سامان تھا
ہم از خرمنش خوشہ داشت چرخ	تو اس کے خرمن سے برجِ سنبلہ کا خوشہ بھی تھا۔
ازیں رہ بخود بسکہ بالید تیر	عطارد چونکہ اُن کی آمد پر پھولا نہیں سمایا تھا،
ہم از خانۂ خود شرف دید تیر	اس لیے اپنے بُرج میں ہی اس کو شرف حاصل ہوا۔
کشایش درِ گنج تا باز کرد	فتح مندی نے جب خزانے کا دروازہ کھولا تو
بہ میزان گہر سنجی آغاز کرد	بُرجِ میزان میں اس نے موتی تولنے شروع کر دیے۔
ازانجا کہ در مطرح روزگار	زمانے کا دستور ہے کہ
ترازو پے سختن آید بکار	میزان (ترازو) سے تولنے کا کام لیا جاتا ہے۔
سپہر از شرف تا خیالی بہ پخت	آسمان نے شرف عطا کرنے کا یہ خیال باندھا کہ
زحل را بخاکِ رہ خواجہ سخت	اس نے زُحل کو نبی کی خاکِ راہ کے ساتھ تولا۔
ہم آں پلہ را چرخ فرسائے دید	تولنے میں زُحل والا پلہ آسمان کو جا لگا اور
ہم ایں پلہ را بر زمیں جائے دید	خاک والا پلہ جھک کر زمین چھونے لگا۔
بہ عقرب خداوند آں جلوہ گاہ	زُحل نے جو برجِ عقرب کا مالک ہے یہ ارادہ کیا کہ،
براں شد کہ تازد بسویش ز راہ	اپنی راہ سے بُرجِ عقرب کی طرف جائے۔

زحل کا شرف بُرجِ عقرب میں ہے۔ اس لیے زُحل جلوہ گاہ عقرب کا مالک ہے۔

ولی چوں نگہبانیٔ راہ داشت	لیکن چونکہ اسے راستے کی نگہبانی سپرد تھی اور
سرِ بازگشتِ شہنشاہ داشت	شہنشاہ کی واپسی کے وقت چوکس رہنا تھا۔

نگہداشت خود را ازاں بیر رہے اس لیے وہ راستہ چھوڑ کر ہٹا نہیں تاکہ
کہ از حکمِ شہ سر نہ پیچد رہے غلام سے حکم شاہ کی نافرمانی نہ ہونے پائے۔

بہ قوس اندر آورد چوں خواجہ روئی جب انھوں نے (آگے بڑھ کر) بُرجِ قوس (کمان) کا رُخ
سعادت بہ برجیس شد مژدہ گوئی کیا تو، سعادت مندی نے مشتری کو خوش خبری سُنائی۔

کماں گشت زیں فخر قربانِ خویش بُرجِ قوس اُن کی آمد پر فخر کے مارے اپنے اوُپر قربان ہونے لگا،
زہے طالعِ غالبِ عجز کیش مگر دیکھو غالب کو، اس عاجز کی قسمت کس بلندی پر ہے۔

بدیں خوشدلی بادیم شاد زیست اسی خوشی پر ہی ساری زندگی خوش و خرم گذار دوں گا کہ
کہ در طالعِ من قدم بوس کیست میرے طالع میں کسی کی قدم بوسی لکھی ہوئی ہے۔

پذیرفت خواہم زگردوں سپاس آسمان شکریہ ادا کرے گا اور میں قبول کروں گا کہ
کہ باشد مرا طالع روشناس میرا طالع آں حضرت کا روشناس ہوا۔

کماں چوں بدیساں نمایش گرفت کمان (برجِ قوس) نے جب یہ نموداری حاصل کرلی تو
خدنگِ خبر زود کشایش گرفت خبر کا تیر چلایا۔

چناں جست تیر از کماں دل پسند (دل پسند) کمان سے تیر نکل کر ایسا سیدھا اور اس خوبی سے گیا کہ
کہ ننشست جز در دلِ گوسپند گوسپند (برجِ جدی) کے دل پر لگے۔

گرفتش دواں سعدِ ذابح براہ سعد ذابح ستارہ نے دوڑ کر راستے میں ہی، گوسپند کو پکڑ لیا
کہ نخچیر گیرد جلو دار شاہ ، تاکہ شاہ کے پیشکار کو شکار پیش کیا جائے۔

چو شد ذابح از تشنگے تاب کش	جب ذبح کرنے والے کو پیاس کی تاب نہ رہی تو
بدولاب شد فرع دلو آب کش	برج دلو رہٹ کی ڈولچی سے پانی کھینچنے لگا۔
عزیزاں بہم کار دیں می کنند	ذی عزت لوگ دین کے کاموں میں لگے رہتے ہیں اور
بلی خواجہ تاشاں چنیں می کنند	ان کے خادموں کا یہی فرض ہوتا ہے
	(کہ وہ اس طرح کام کریں جیسے اجرام فلکی نے کیا)
زہے شوکت خواجۂ رہ سپار	اس مالک کی شان کے کیا کہنے، جو سفر کر رہا تھا کہ
کہ باشندش اختر برہ پیشکار	تارے اس کی راہ میں خدمت کے لیے بچھے جا رہے تھے۔
سپہری رفیقان بسیار فن	بڑے کارگذار آسمانی رفیقوں نے
گسستند از دلو گردوں رسن	آسمان کے ڈول سے رسی توڑ کر
بہ غمخوارگی تافتندش بدست	زحمت کے ساتھ جلد جلد اس کو ہاتھ سے بٹا تاکہ
کہ گیرد مگر خواجہ ماہی بشست	سرکار مچھلی (برج حوت) کا شکار فرمائیں۔
ز حق ہر کہ فرمان شاہی گرفت	خدا کی طرف سے جس کو شاہی عطا کر دی جائے۔
تواند ز مہ تا بماہے گرفت	ماہ سے لے کر ماہی تک، سب اس کے تصرف میں آتا ہے۔
ازاں پس کہ ایں راہ کوتاہ شد	جب یہ راستہ ختم ہو چکا تو
حمل تا بہ حوتش قدمگاہ شد	برج حمل سے حوت تک (۱۱) کا گزر ہوا۔
بداں پویہ پیمود ایں ہشت چرخ	اسی رفتار سے یہ آٹھ آسمان طے کیے کہ
کہ صد بار گرد سرش گشت چرخ	آسمان اُن کے گرد سر سو بار گھوما یعنی سو جان سے نثار ہوا۔

نہم پایہ کاز ناتواں خواند عرش
برہ زاطلس خویش گسترد فرش

نواں آسماں آیا جسے عرشِ الٰہی کہہ سکتے ہیں، راستے میں اس نے اپنا فرش اطلس بچھایا (نویں آسمان کو فلکِ اطلس کہتے ہیں۔)

رہے نامور پایۂ سرفراز
سراپردۂ خلوتستان راز

اس بلند مقام کی کیا تعریف کی جائے، یہ راز کی خلوت گاہ کا پردہ تھا۔

سر رشتۂ نازشِ چون و چند
بہ پیوند ہستی بداں پایہ بند

(احکام الٰہی کا ظہور عرش سے ہوتا ہے۔ اُن احکام کے مطابق اشیاء کو وجود ملتا ہے۔ پس موجوداتِ عالم کا علاقہ عرش سے ہے۔) عالم کیف وکم یعنی مخلوقات کی نازش عرش سے علاقہ ہونے کے سبب سے ہے۔

بود گرچہ برتر ز افلاکیاں
دلے لرزد از نالۂ خاکیاں

اگرچہ عرش کا یہ بلند مقام خود آسمانی ہستیوں سے برتر ہے لیکن، زمین کے باشندوں سے دُور نہیں، اُن کی فریاد سے عرش لرزتا ہے۔

دلِ بے نوائے گر آید بہ درد
نشیند بداں پایۂ پاک گرد

اگر کسی غریب کے دل میں درد اٹھے تو عرش پاک پر غبار پڑتا ہے۔

صدائے شکستِ کمرگاہ مور
درینجاست ہیچ و دراں پردہ شور

چیونٹی کی کمر بھی ٹوٹے تو، اگرچہ زمین پر اس کی کوئی وُقعت نہیں لیکن عرش پر شور برپا ہوتا ہے۔

نہ از مہر نام و نہ ز انجم نشاں
نہ دریا نمایاں نہ ریگِ رواں

یہ وہ مقام ہے کہ نہ تو سورج کا پتہ نہ ستاروں کا نشان، نہ دریا دکھائی دیتا ہے نہ ریت کے دَل۔

دو گیتی نمائش ز صبحش دمے
خود آں صبح را ہر فلک شبنمے

دونوں دنیائیں اس کی صبح کے ایک سانس کا جلوہ ہیں۔
صبح بھی کیسی کہ ہر ایک آسمان اس صبح کی شبنم ہے۔

زایزد پرستاں بہر سرزمیں
بود سجدہ آنجا چو سر بر زمیں

دنیا میں جہاں بھی کوئی خدا پرست سجدہ کرتا ہے،
اس کا سجدہ وہاں پہنچتا ہے حالانکہ سر ہوتا ہے زمین پر۔

بساطی ہم از خویشتن تابناک
ز آلائشِ کلفتِ رنگ پاک

عرش ایک ایسا فرش ہے جو روشن بالذات ہے۔
اس کی دمک میں کسی رنگ کی کثافت نہیں۔

زبس پائے لغز خیال از صفا
رسیدن بہ پہنائے آں نارسا

خیال کا پاؤں عرش کی صفا کے سبب،
پھسل پھسل جاتا ہے۔ اسی لیے انسانی فکر کی وہاں تک
رسائی نہیں۔

در آمد گرانمایہ مہمان حق
بہ رُخ ماہتاب شبستانِ حق

خدا کا عالی قدر مہمان وہاں داخل ہوا۔
اس کا رُخ حق کی خلوت گاہ کا ماہتاب تھا۔

قدم زد براہی کہ رفتن نداشت
نگہبان و ہمراہ و رہزن نداشت

اس راہ پر قدم رکھا جہاں چل نہیں سکتے،
وہاں نہ کوئی نگہبان تھا، نہ رفیقِ سفر، نہ رہزن۔

در آنجا کہ از روئے فرہنگ و رائے
بجا باشد ار خود نگویند جائے

یہ وہ مقام تھا کہ،
از روئے عقل اس کو جگہ نہیں کہہ سکتے۔

جہت را دم خود نمائی نماند
زمان و مکاں را روائی نماند

یہ وہ مقام تھا جہاں سمتوں کا تعین ہی نہ رہا،
وقت اور جگہ کا وجود بے معنی ہوگیا۔

غبار نظر شد ز رہ ناپدید	درمیان سے نظر کا غبار فنا ہوا اور، دیکھنے والا ہمہ تن دید ہو گیا۔
سراپائے بینندہ شد جملہ دید	(دیکھنے والے اور دیکھنے کی شے کے بیچ میں نظر واسطہ ہے شاعر یہ قرار دیتا ہے کہ بیچ میں نظر واسطہ نہ ہو تو دید سے حقیقت شے معلوم ہو)
در آور دبی کلفت سمت و سوئے	بغیر سمت اور رُخ کے آں حضرت
بنور السموات والارض روئے	آسمانوں اور زمین کے نور (وجود خداوندی) کی طرف متوجہ ہوئے۔
تماشا ہلاکِ جمالِ بسیط	جمالِ بسیط نے (وہ خوبی جس کا تجربہ نہ ہو سکے) دیکھنے کو فنا کر دیا۔
فروغِ نظر موجۂ زاں محیط	خود اس ذات کی موج (مثلِ موجِ محیط کے) نظر کی روشنی ہو گئی۔
شنیدن شہید کلامی شگرف	یہاں سننے کی قوت عجیب کلام نے فنا کر دی،
منزہ ز آمیزشِ صوت و حرف	اس کلام میں نہ حرف تھے نہ آواز۔
کلامے بہ بیرنگے ذات علم	ذات علم کی بے رنگی اس کلام میں تھی،
شنیدن بہ عقل اندر اثبات علم	جیسے عقل سے کسی حقیقت کا ادراک کر اس میں سننے کو دخل نہیں۔
نخستیں در از "لا" کشود آں رواق	محل کا پہلا دروازہ لا (ماسوائے اللہ کی نفی) تھا
ز "الّا" بصدر اندرش پیش طاق	اس کی محراب کے صدر میں الّا (اثباتِ ذاتِ احد) تھا۔
بر "الّا" رسید و ز "لا" در گزشت	نبی نفی غیر اللہ کے مرحلے سے گذر کر الّا اللہ (توحید کے اثبات) پر پہنچے
رسیدن ز پیوند جا در گزشت	پہنچنا یہاں جگہ میں نہ تھا۔ (یعنی مقام کے تصور سے جُدا تھا)

دراں خلوت آباد راز و نیاز
بروئے دوئی بود چوں در فراز

راز و نیاز کے اس خلوت میں دوئی پر دروازہ بند تھا۔ وحدت ہی وحدت تھی اور دوسرے وجود کا گذر نہ تھا اس لئے

نماند اندر احمد ز میمش اثر
کہ آں حلقہ بُود بیرونِ در

احمد میں "میم" کا نشان بھی نہ رہا (وہ احد ہو گیا،) کیونکہ وہ (میم) خارج از حقیقت تھا۔

احد جلوہ گر باشیون و صفات
نبی محوِ حق چوں صفت عین ذات

اپنی شان اور صفات کے ساتھ یہاں صرف "احد" کا ہی جلوہ تھا نبی کا وجود خدائے واحد میں یوں گم ہو گیا جیسے صفت عین ذات ہو۔

فروغے بہ مہر جہاں تاب در
بہر ذرہ تابے ازاں تاب در

جس طرح سورج میں روشنی بسی ہے، کہ اس سے ہر ذرہ میں روشنی ہے۔

ز خورشید ناگشتہ پرتو جدا
محیط ضیا خود محیط ضیا

سورج سے اس کا پرتو یا روشنی جدا نہیں، روشنی کا سمندر خود روشنی کا محیط ہے دونوں کے درمیان دُوئی نہ ہوگی۔

رقم ہائے اندازۂ ھر شمار
ہماں از شگاف قلم آشکار

جس طرح ہر حساب کے اعداد کی تحریر شگافِ قلم سے نمودار ہوئی ہے۔

دو عالم خروش نوا ہائے راز
و لیکن ہماں در خم بند ساز

دونوں عالم راز کی نواؤں کا خروش ہیں، لیکن وہ آوازیں ساز کے جوڑ بند میں قید ہیں۔

ورق در ورق نکتۂ دلپذیر — ایک سے ایک پسندیدہ نکتہ ورقوں پر پھیلا پڑا ہے،
ولیکن ہماں در خیالِ دبیر — لیکن صاحبِ قلم کے خیال میں ہی اُن کا وجود ہوتا ہے۔

ز گفتن شنیدن جدائی نداشت — کہنے اور سننے میں کوئی علیحدگی نہیں تھی،
نمودن ز دیدن جدائی نداشت — دکھانا اور دیکھنا (شہود اور مشاہدہ) ایک ہی تھا۔

چو اندازۂ ہر نمائش گرفت — لیکن جب اس نے نمائش کا انداز اختیار کیا
ز وحدت بہ کثرت گرائش گرفت — وحدت نے کثرت کی شکل پائی۔

بحکم تقاضائے حُبِّ ظہور — ظاہر ہونے کی خواہش نے ارادہ کیا تو (ظاہر ہونے کی خواہش کے تقاضہ سے)
تنزّل در اندیشہ آورد زور — بلندی سے نیچے قدم رکھا اور خیال نے تخلیق کا جامہ پہنا۔ (بلند ہستی سے تنزل یا نیچے آنے کا خیال کیا۔)

اشارہ ہے اس حدیث کی طرف : "کُنتُ کنزاً مَخفیا فاَحبَبتُ اَن اُعرَف فَخلقتُ الخَلق" (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا چاہا کہ پہچانا جاؤں تو دنیا کو پیدا کر دیا)

اَحَد کسوتِ احمدی یافتہ — احد (خدائے واحد) نے ذاتِ احمد کا لباس اختیار کیا اور
دم دولتِ سرمدی یافتہ — اس نے ہمیشگی کی دولت پائی۔

بکوشش ز طبع وفا کوشِ او — چوں کہ فطرتِ احمدی میں وفا بھری تھی،
ہماں میم او حلقۂ گوشِ او — میم کا یہ فاصلہ ان کی بندگی کا اظہار بن گیا۔

بہر گونہ بخشش سر افراز گشت	ہر قسم کی بخشش سے سرفراز ہوئے،
ہم از حضرتِ حق بحق باز گشت	حق کے سامنے حضوری کے مرتبے سے واصل بحق ہوئے۔
بیاید بدیں خاک داں بیدرنگ	وہ (خدا کی پیش گاہ سے) خاکی دنیا میں یوں بے تاخیر آئے
چو در جوئے آب و چو بر روئے رنگ	جیسے نہر میں پانی اور چہرے پر رنگ آجاتا ہے۔
زرفت بروں پائے از نقش پائے	جتنی دیر میں نشانِ قدم سے قدم اٹھے
کہ کردہ قدم بر قدم گاہ جائے	اتنی ہی دیر میں وہ اپنے مسکن پر آگئے۔
شرارے کہ از سنگ آں آستاں	جو چنگاری ان کے آستانے کے پتھر سے،
بدر جست از نعل برق جہاں	براق کے نعل کی رگڑ سے نکلی، (جب براق آپ کو لینے آیا تھا)
ہنوز آتشش قدم در رہ آورد بود	ابھی وہ شرار اور برق جا رہا تھا
کہ آمد ز بالا بہ پستی فرود	کہ وہ معراج کا سفر طے کرکے نیچے اتر آئے
بجنبش درش حلقۂ در ہماں	باہر جاتے وقت دروازے کی جنبش سے زنجیر کا حلقہ ہلا تھا، وہ اسی طرح ہل رہا تھا۔
زدے گرم بالیں و بستر ہماں	بستر اور تکیے پر ان کے جسم کی گرمی اسی طرح موجود تھی کہ واپس آگئے۔
سرے را کہ رحمت نہد در کنار	وہی سر جو رحمتِ پروردگار کی آغوش میں تھا،
در آورد محبوبِ پروردگار	محبوبِ خدا کا وہ سر نیند کے عالم میں داخل ہوگیا۔

بخوابی کہ بیداریٔ بخت او	کیا نیند تھی کہ قسمت کی بیداری
زتار نظر بافتہ رخت او	اپنی نظر کے تار سے اس کا تانا بانا تیار کر رہی تھی۔
سحرگہ کہ وقت سجودش رسید	صبح ہوتے جب سجدے (نماز) کا وقت آیا تو،
زہم نام یزداں درودش رسید	انھیں خدا کے ہم نام (علیؑ) کی طرف سے درود کی آواز آئی
بشادی درآمد علیؑ از درش	علی ان کے دروازے میں خوش و خرم داخل ہوئے اور
وصال علیؑ شادیٔ دیگرش	(خدا کے بعد) علی سے ملنا ایک اور خوشی کا سبب ہو گیا۔
شب از بادۂ قدس ساغر گرفت	رات کو انھوں نے نورِ قدسی کا ساغر پایا اور
صبوحی ز دیدارِ حیدر گرفت	صبح علی کے دیدار کا جام ملا۔
جمالِ علیؑ چشمۂ نوش بُود	حضرت علی کا جمال ایک خوشگوار چشمہ تھا اور
صبوحی ہم از بادۂ دوش بُود	صبوحی کا جام ملا تو وہ بھی کل والی صہبائے جلوہ کا تھا۔
	(نورِ علی بھی نورِ خداوندی کا ہی ایک حصہ تھا)
دو ہمراز باہمدگر راز گوئے	دونوں ہم راز ایک دوسرے سے راز کی بات کرنے لگے اور
نشانہائے بینش بہم باز گوئے	بصیرت کی نشانیاں ایک دوسرے کو بتانے لگے۔
دو چشمست و ہر چشم را بینشیست	آنکھیں دو ہیں، ہر ایک کی نظر جدا جدا ہے، لیکن دونوں آنکھیں
ولی آنچہ بیند ہر دو یکیست	جو کچھ دیکھتی ہیں وہ حقیقت ایک ہی ہے۔
نہ گنجد دوئی در نبی و امام	ایک نبی ہے ایک امام، اُن کے درمیان کوئی دوئی نہیں ہے،
علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام	نبی پر درود ہو علی پر سلام۔

منقبت

ہزار آفریں بر من و دینِ من	مجھ پر اور میرے دین پر ہزار آفریں،
کہ منعم پرستیست آئینِ من	کہ اپنے منعم کی پرستش میرا دین ہے۔
چراغے کہ روشن کند خانہ ام	وہ چراغ جو میرے گھر میں اُجالا کرتا ہے،
تو گوئی منش نیز پروانہ ام	گویا میں خود بھی اس کا پروانہ ہوں۔
حریفے کہ نوشم می از ساغرش	وہ ہمدم جن کے ساغر پیتا ہوں،
بہر جرعہ گردم بگردِ سرش	ہر ایک گھونٹ پر اُن کے قربان جاتا ہوں۔
برانم کہ دادار یکتاستے	میرا ایمان یہ ہے کہ دنیا کا حاکم ایک ہے،
فروغ حقائق ز اسماستے	اور اس کے ناموں سے حقیقتوں کی جلوہ گری ہے۔
بہر گوشہ از عرصۂ ایں طلسم	دنیا کے طلسم میں جتنے گوشے ہیں،
دہد روشنائی جداگانہ اسمے	سب کو علاحدہ اسم (خدا) سے روشنی پہنچ رہی ہے۔

ہر اں شی کہ ہستی ضرورش بود	جس چیز کو بھی عالم وجود میں لانا ہے،
باسمے ز اسما ظہورش بود	خدا اپنے ایک اسم سے اسے پیدا کر دیتا ہے۔
کزاں اسم روشن شود نام او	اور اسی اسم سے اس چیز کا نام وابستہ ہو جاتا ہے،
بداں باشد آغاز و انجام او	اس کی ابتدا اور انتہا وہی اسم ہوتا ہے۔
بود ہر چہ بینی بسود لئے دوست	جو کچھ تمہیں نظر آتا ہے وہ سب اسی سے لو لگائے ہوئے ہے اور
پرستارِ اسمے ز اسمائے دوست	کسی ایک اسم کے آگے سجدہ کئے جاتا ہے۔
ہر آئینہ در کارگاہِ خیال	یقیناً خیال کے اس کارخانے میں
کز انجاست انگیزشِ حال و قال	جس سے حال اور قال پیدا ہوتا ہے۔
لبم در شمار ولی اللہیست	میرے لبوں پر ہر دم "ولی اللہ" ہے (کہ یہ قال ہے)، اور میرے دل
دلم راز دار علیؓ اللہیست	میں علی الٰہی کا راز ہے (کہ یہ حال ہے)، (علی الٰہی، وہ جو علی کو اللہ قرار دے)
چو مربوب ایں اسم سامیستم	چونکہ میں اس بلند مرتبہ اسم کا پروردہ ہوں اسی لیے
نشانمند ایں نامِ نامیستم	اسی نام کا نشان مجھ پر ہے۔
بلندم بدانش نہ پستم ہے	میں عقل میں بلند ہوں پست نہیں ہوں
بدیں نام یزداں پرستم ہے	اس لیے اسی نام سے خدا پرستی کرتا ہوں۔
نیاساید اندیشہ جز با علیؓ	خیال کو راحت اسی کے دم سے ہے اور
ز اسما نیندیشم الا علیؓ	کوئی اسم میرے تصور پر حاوی ہے تو یہی علی کا نام۔

بزمِ طرب ہمنوایم علیست رضؓ — خوشی کی محفل ہو تو علی میرے رفیق جاں اور
بہ کنجِ غم اندہ ربایم علیست رضؓ — غم کا گوشہ ہو تو غم ہلکا کرنے والے علی ہیں۔

بہ تنہائیم رازگوے بادوست — تنہائی میں دل کی بات انھی سے کہتا ہوں اور
بہ ہنگامہ ام پایہ جوے بادوست — جب معرکہ آرائی ہو تو انھی سے بلندیٔ مرتبہ چاہتا ہوں۔

در آئینۂ خاطرم رو دہد — میرے دل کے آئینے میں انھی کا جلوہ نظر آتا ہے، اور
بہ اندیشہ پیوستہ نیرو دہد — فکر کو ہمیشہ انھی سے قوت ملتی ہے۔

مرا ماہ و مہر و شب و روز اوست — میرے لیے چاند سورج، دن رات، سب کچھ علی ہیں۔
ل و دیدہ را محفل افروز اوست — دل و نگاہ کی رونق انھی کے دم سے ہے۔

بہ صحرا بہ دریا براتم ازوست — خشکی اور تری دونوں جگہ نجات کی راہ دکھانے والے
وہی ہیں،
بہ دریا ز طوفاں نجاتم از اوست — دریا میں طوفان آجائے تو وہی چھٹکارا دلواتے ہیں۔

خدا گوہری راکہ جاں خوانمش — خدا نے یہ جوہر جسے جان کہتے ہیں،
ازاں داد تا بر وے افشانمش — اسی لیے مجھ کو عطا کیا کہ علی پر قربان کردوں۔

مرا مایہ گر دل و گر جاں بود — دل و جاں کا جو سرمایہ مجھ کو ملا ہے،
از و دانم ار خود ز یزداں بود — چاہے وہ خدا کی طرف سے ملا ہو، لیکن میں اسے علی کی طرف
سے شمار کرتا ہوں۔

کنم از نبی روئے در بُو تراب بہ بنگرم جلوۂ آفتاب	نبی کی طرف منہ کر کے میں علی کو دیکھتا ہوں اور اس چاند میں سورج کا نور دیکھتا ہوں۔
زیزداں نشاطم بہ حیدر بُود ز قلزم بجو آب خوشتر بُود	خدا کی طرف سے جو نشاطِ رُوح میسر آتا ہے وہ مجھے حیدر (علی) سے ملتا ہے، جس طرح سمندر کے پانی سے نہر کا پانی زیادہ خوشگوار ہوتا ہے۔
نبی را پزیرم بہ پیمان او خدا را پرستم بہ ایمان او	علی کا عہد نبی سے ہے اور میرا عہد علی سے، اس لیے نبی سے میرا عہد ہوا میں تو خدا کو بھی یوں مانتا ہوں کہ علی اسے مانتے ہیں۔
خدائیش روا نیست ہر چند گفت علیؑ را توانم خداوند گفت	اگرچہ علی کو خدا کہنا جائز نہیں، تاہم انھیں خداوند (مالک) کہہ سکتا ہوں، (اور کہتا ہوں) ۔
پس از شاہ کس غیرِ دستور نیست خداوندِ من از خدا دُور نیست	بادشاہ کے بعد کسی کا مقام آتا ہے تو وزیر کا، میرے خداوند (اس کے وزیر ہیں اس لیے) خدا سے دُور نہیں۔
نبی را اگر سایہ صورت نداشت تردّد ندارد ضرورت نداشت	نبی کا سایہ نہیں پڑتا تھا تو کیا تعجب، اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔
دو پیکر دو جا در نمود آمدہ اثر ہا بیک جا فرود آمدہ	دو جسم تھے جو الگ الگ ظاہر ہوئے، اور اُن کے اثرات ایک ہی جگہ ظاہر ہوتے تھے۔ (اس لیے سایہ ایک ہی نظر آیا)
دو فرخندہ یار گرانمایہ بیں دو قالب زیک نور و یک سایہ بیں	یہ دونوں مبارک اور صاحبِ مرتبہ دوست تھے، ایک ہی نور اُن دونوں کے جسموں میں تھا تو ایک جسم کا سایہ پڑا۔

بداں اتحادی کہ صافی بود	جو اتحاد اس قدر لطیف ہو وہاں
دو تن را یکے سایہ کافی بود	دو جسموں کے لیے ایک ہی سایہ کافی ہے۔
ازاں سایہ یک جا گرائش کند	دونوں کا سایہ اس لیے ایک جگہ پڑتا ہے کہ
کہ احمد ز حیدر نمایش کند	حیدر کی ذات سے احمد ظاہر ہوں۔
بہر سایہ کافتد ز بالائے او	اس لیے علی کے قد سے جہاں بھی سایہ پڑتا ہے،
بود از نبی سایہ ہمپائے او	نبی کا سایہ اسی کے ساتھ ساتھ رہتا ہے، اور ایک ہو جاتا ہے۔
زہے قبلۂ اہل ایماں علیؑ	اہلِ ایمان کے قبلہ و کعبہ علی کا کیا کہنا کہ،
بہ تن گشتہ ہمسایۂ جاں علیؑ	اپنے جسم سے جانِ نبی کے ہمسایہ ہو گئے ہیں (دونوں کا سایہ ایک ساتھ ظہور کرتا ہے۔)
پدیدار در خاندانِ نبی	نبی کے خاندان میں وہ بہت نمایاں ہیں،
بہ گیتی در از وے نشانِ نبی	اور دنیا میں نبی کا نشان اُن سے قائم ہے۔
بیک سلک روشن دہ و یک گہر	نور کی ایک مالا ہے جس میں گیارہ موتی ہیں، (علی کے بعد گیارہ امام اور ہیں)
نبی را جگر پارہ او را جگر	جو نبی کے جگر کے ٹکڑے ہیں اور علی کے جگر ہیں۔
جگر پارہ ہا چوں برابر نہند	جگر کے ٹکڑوں کو اگر ایک جگہ برابر ملا کر رکھ دیا جائے تو،
بہ گفتن جگر نام آں بر نہند	اُن کو جگر ہی کہا جائے گا۔

علیؑ راست بعد از نبیؐ جائے او ہماں حکم کل دارد اجزائے او	نبی کے بعد علی کو اُن کی مسند پہنچتی ہے، اور اُن کے ٹکڑے بھی 'کل' کی حیثیت رکھتے ہیں۔
ہمانا پس از خاتم المرسلین بود تا بہ مہدی علی جانشیں	چنانچہ آخری رسول کے بعد (بارہویں امام) مہدی تک علی کی ہی جانشینی (خلافت) چلتی رہتی ہے۔
نژاد علیؑ با محمدؐ یکیست محمدؐ ہماں تا محمدؐ یکیست	علی کی نسل محمدؐ کی نسل ہے، اور اسی طرح محمد رسول اللہ سے لے کر (بارہویں امام) محمد تک ایک ہی ہیں۔
در احمدؐ الف نام ایزد بود ز میم آشکارا محمدؐ بود	احمد کے نام میں الف ایزد (خدا) کا ہے، اور میم کا حرف محمد کے نام سے آیا ہے۔
الف میم را چوں شوی خواستار نماند ز احمدؐ بجز ہشت و چار	الف اور میم کا اگر تو طلب گار ہو (لے لے)، تو احمد میں سے حرف 'حد' رہ جاتا ہے جس کے عدد بارہ ہی ہوتے ہیں (اور امام بارہ۱۲ ہیں)۔
ازیں نغمہ کاینک رہِ ہوش زد بدل ذوقِ مدحِ علیؑ جوش زد	یہ نغمہ جب ذہن میں آیا تو دل میں علی کی مدح کا جوش اٹھا۔
ز کویش بہ گلشن سخن می کنم ستم بر گل و نسترن می کنم	اب میں گلشن میں اُن کے کوچہ کا ذکر چھیڑتا ہوں اور گلاب اور سیوتی کو شرما کر اُن پر ستم کرتا ہوں۔

زنطقش بہ گفتار خواں می نہم سخن را شکر در دہان می نہم	اُن کے کلام سے عالمِ سخن میں ایک خوان رکھتا ہوں اور سخن کے دہن میں شکر دیتا ہوں۔
زلطفش بہ ہستے خبری دہم بریگ رواں دجلہ سر می دہم	موجودات کو اُن کے کرم کی خبر دیتا ہوں گویا ریگ رواں پر دجلہ بہاتا ہوں۔
علیؓ آں زدوش نبیؐ رفرشش علیؓ آں یدُاللہ راکف کفش	علیؓ وہ ہیں کہ نبی کا کاندھا اُن کی سواری بنا، وہ ہیں کہ ان کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔
خدا را گزیں بندۂ رازدار خدا بندگان را خداوندگار	وہ خدا کے منتخب رازدار بندے ہیں اور خدا کے بندوں کے لیے آقا و مالک کا درجہ رکھتے ہیں۔
بہ تن بینش افروز آفاقیاں بدم دانش آموز اشراقیاں	اپنے جسمانی وجود سے وہ اہلِ دنیا کی بصیرت بڑھاتے ہیں اور اپنے کلام سے اشراقی فلسفیوں کو علم عطا کرتے ہیں۔
بہ کثرت زتوحید پیوند بخش بہ بے برگ نخل برومند بخش	کثرت کو وحدت وجود سے ربط دیتے ہیں اور محتاج کو (جس کو پتہ بھی میسر نہیں) پھل دینے والا درخت عطا کرتے ہیں۔
بہ سائل زخواہش فزوں تر سپار بہ لب تشنہ جرعہ کوثر شمار	مانگنے والے کو وہ اس کی طلب سے بھی زیادہ دیتے ہیں، اگر آدمی ایک گھونٹ کا پیاسا ہو تو اسے حوضِ کوثر عطا کرتے ہیں۔

نوید ظفر گردے از لشکرش
حساب نظر فردے از دفترش

اُن کے لشکر سے اٹھا ہوا گرد و غبار فتح کی بشارت ہے اور فکر و نظر کا پورا حساب ان کے دفتر کی ایک بیاض کے برابر ہے۔

گداز غمش کیمیائے سرشت
غبار رہش سیمیائے بہشت

اُن کے غم (الفت) سے جو رقتِ قلب پیدا ہوتی ہے وہ فطرت کے لیے کیمیا ہے اور ان کی راہ میں جو غبار اٹھے وہ جنت کی آرائش ہے۔

نگہ کوثر آشام از روئے او
رواں تازہ رو گرد از بوئے او

نگاہ اُن کے چہرے پر پڑتی ہے تو گویا حوضِ کوثر پیتی ہے اور اُن کی مہک آجائے تو جان میں تازگی آجاتی ہے۔

نیازردہ گوشش ز آوازِ وحی
ضمیرش سراپردۂ رازِ وحی

علی کے کانوں کو وحی سننے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی، وحی کا راز اُن کے دل پر آپ سے آپ ظاہر تھا۔

براہِ حق اندر نشانہا ازو
بہر نکتہ در داستانہا ازو

حق کی راہ میں ان سے نشاناتِ راہ موجود ہیں اور اُن کے ہر نکتہ میں (جو وہ بیان کریں) داستانیں پوشیدہ ہیں۔

بہ پیوند او ربط ہر سلسلہ
خود او رارہے خضر ہر مرحلہ

اُن کے علاقہ سے صوفیا کا ہر سلسلہ قائم ہے۔
خضر جو (جو بھٹکنے والوں کو راہ بتاتے ہیں)، ہر مرحلے کے رہنما ہیں اُن کے بندے ہیں (یعنی پیروی کرتے ہیں)

گذشتہ بہ معشوقے از ہمسرے
بدوشش نبیؐ پالش از برترے

نبی کے شانے پر پاؤں رکھ کر کھڑے ہوئے تو برتری مل گئی اور دلبری میں ہم سری کی حد سے گذر گئے۔

زمین فلک در گزرگاہِ او
غبارِ سحر خیزیٔ آہِ او

اُن کی گذرگاہ میں فلک کا فرش،
اُن کی صبح کی آہ سے (جو عشق الٰہی میں بلند کرتے ہیں) غبار ہو جاتا ہے۔

اگر پارۂ گشتہ پستے گرا
بُوَد پارۂ ہمچناں بر ہوا

اس غبار کا ایک ٹکڑا نیچے کی طرف مائل ہو کر (زمین بن گیا) تو، دوسرا ہوا کے اوپر قائم رہا۔

بیادِ حق از خواہشِ نفس دُور
زشادی ملول و بہ اندہ صبور

خدا کی یاد میں وہ ایسے محو ہوتے ہیں کہ نفس کی خواہش پاس نہیں آتی،
خوشی سے کچھ خوش نہیں ہوتے اور غم میں صبر سے کام لیتے ہیں۔

بچشمی کہ گریَد بہ بزم اندروں
دل آسودہ خسپد برزم اندروں

علی کی وہ آنکھیں جو محفل میں آنسو بہاتی ہیں،
جنگی ہنگامے کے وقت سکھ کی نیند لیتی ہیں۔

بدرویشیش فرِّ شاہنشہے
زہے خاکساری وظلِّ اللّٰہے

فقیری میں وہ شاہانہ دبدبہ رکھتے ہیں، اُن کی خاکساری کے کیا کہنے، خدا کا سایہ ہونے کی صفت ہے اُن میں۔

ہوا و ہوس گشتہ فرماں پذیر
بہ فرماں روائی حصیرش سریر

دنیاوی خواہش اُن کی فرماں بردار ہیں اور
فرماں روائی میں اُن کا (درویشانہ) بوریہ ہی تخت ہے۔

خرد زلہ خوارش بہ فرزانگی
قضا پیشکارش بہ مردانگی

اُن کی دانائی اور حکمت کا یہ عالم ہے کہ عقل اُن سے غذا پاتی ہے اور اُن کی مروّت کی پیشکار قضائے الٰہی ہے (یعنی جو کچھ خلق پر آثارِ رحمت ہیں، وہ اُن کے کرم کے سبب ہیں)

نہانش بیاد آوری دلکشاست
عیانش بری نام مشکل کشاست

دل ہی دل میں خاموشی سے اُن کی یاد راحت بخش ہے، اور اگر زبان پر لاؤ تو اُن کا نام مشکل کشا ہے۔

براہیم خوئے سلیماں فرے
مسیحا دمے مصطفےٰ گوہرے

پیغمبر ابراہیم کی عادتیں اور پیغمبر سلیمان کی سی شان انھوں نے پائی ہے، مسیحا کا (مُردوں کو زندہ کرنے والا) نفس (پھونک، سانس) اور محمدؐ مصطفےٰ کا اصل جوہر اُن کو ملا ہے۔

لباس وفا را طراز عمل
جہانِ کرم را صباحِ ازل

اُن کے لباسِ وفا کے لیے ان کا عمل آرائش ہے اور کرم کی دنیا کے لیے وہ ازل کی صبح ہیں (کرم کا نقطۂ آغاز ہیں۔)

نہادش بہ خلقِ خدا مہر خیز
جبینش بدرگاہِ حق سجدہ ریز

طبیعت ایسی پائی ہے کہ مخلوق اُن سے محبت کرنے لگے اور پیشانی ایسی کہ خدا کے سجدہ میں مشغول۔

نویدِ نجاتِ اسیرانِ غم
نظرگاہ احرامیانِ حرم

غم کے ماروں کو نجات کی خوش خبری اُن کی ذات سے ہے، اور کعبے کا طواف کرنے والوں کی نظر اُن کی طرف رہتی ہے۔

زششش سو بسویش نگاہ ہمہ
ولادت گہش قبلہ گاہ ہمہ

چھیوں سمتوں سے سب کی نگاہیں اُن کی جانب اٹھتی ہیں اور اُن کی جائے پیدائش (کعبہ) سب کی قبلہ گاہ ہے۔

رواں و خرد گردے از راہ او
نہ ایزد ولے کعبہ درگاہ او

اُن کے غبارِ راہ سے جان اور عقل بنے ہیں، علی خدا نہیں ہیں تاہم اُن کی درگاہ کعبہ کا سا مرکز بن گئی ہے۔

حدوثش نمود حدوث جہاں	اُن کا پیدا ہونا جہاں کے پیدا ہونے کا نشان ہے (یعنی سببِ وجود)
بگردندگے در گہش آسماں	ان کی درگاہ کے گرد آسمان کی گردش ہے۔
اگر خاک بازان دشتِ نجف	دشتِ نجف کی خاک میں ہاتھ ڈالنے والے (یعنی نیارئیے)
بہ خورشید سازی کشایند کف	اگر اس پر آمادہ ہو جائیں کہ سورج ڈھالیں تو (ان کو یہ مرتبہ نصیب ہے کہ)
چو انجم بشب مہر گیتی فروز	جس طرح رات کو تارے شمار کرنا مشکل ہے،
نیارند مردم شمردن بروز	اسی طرح لوگ دن کو سورجوں کی تعداد نہ گن سکیں گے۔
نبیؐ را جگر تشنۂ روئے او	نبی کا دل ان کے دیدار کا منتظر رہتا ہے، اور
خدا را بخواہش نظر سوئے او	خدا کا جی چاہتا ہے کہ اُن کی طرف دیکھا کرے۔
کسانی کہ اندازہ پیش آورند	وہ لوگ جو ناپ تول کے عادی ہیں،
سخنہا ز آئین و کیش آورند	مذہب اور عقیدے کی بحث چھیڑ دیتے ہیں۔
بنادانے از شورِ گفتارِ من	میرے بیان کے جوش و خروش کو دیکھ کر
سگالند زانگونہ ہنجارِ من	اپنی ناسمجھی کی وجہ سے میرے خیالات کے متعلق
کہ آرایش گفتگو کردہ ام	یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ ہو نہ ہو میں نے زیبِ **داستاں** سے کام لیا ہے اور،
بحیدر پرستائی غلو کردہ ام	علی کی مدح میں مبالغے کی حد سے گذر گیا ہوں۔

مرا خود دل از غصہ بیتاب باد	خود میرا دل غم و غصہ کے مارے بے چین ہو اور
زشرم تنکمائیگی آب باد	اس شرم سے کہ حوصلہ پورا نہیں ہوتا، پانی پانی ہو جائے۔
چہ باشد ازیں بیش شرمندگی	اس سے بڑھ کر شرم کی بات بھلا کیا ہوگی کہ
کہ خور را ستائم بر خشندگی	سورج کی تعریف کروں اور کہوں کہ واہ کیا چمک دمک ہے،
بہ بحر از روانی سرائم سرود	سمندر کی تعریف کروں کہ واہ کیا روانی ہے اور
بخلد از ریاحیں فرستم درود	جنت کو ریحان کا تحفہ بھیجوں،
بہ گلشن برم برگے از نسترن	سیوتی کے پھول کی پتی باغ کے پاس لے جاؤں اور
بہ پیچاک سنبل فرستم شکن	سنبل کے گچھے کے ہاتھ ایک پیچ یا شکن بیچوں۔
ستایم کسے را کہ در داستاں	میں اور ایسی ذات کی مدح کروں کہ
شوم با سخن آفریں ہمزباں	ستائش میں خدا کی ہم زبانی ہو جائے!
بہ ردّ و قبولِ کسانم چہ کار	مجھے لوگوں کی پسند اور ناپسند سے کیا مطلب!،
علیؑ بایدم با جہانم چہ کار	دنیا سے غرض نہیں مجھے غرض تو علی سے ہے۔
در اندیشہ پنہاں و پیدا علیست	خیال میں ظاہر و باطن علی ہی علی ہیں،
سخن کز علیؑ می کنم با علیست	علی کے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں، اس کے مخاطب بھی علی ہیں۔
دلم در سخن گفتن افسردہ نیست	میرا دل اظہار میں بجھا ہوا نہیں ہے،
ہمانا خداوندِ من مردہ نیست	کیوں کہ میرے آقا اور مالک (زندہ ہیں) مردہ نہیں۔

چو خواہم حدیثے سرودن ازو بود گفتنش از من شنودن ازو	جب میرا دل چاہتا ہے کہ اُن کی بات کروں، تو میں کہتا ہوں وہ سنتے ہیں۔
گر از بندہ ہائے خدا چوں منی کہ در خرمن ارزد بہ نیم ارزنی	خداوند عالم کے بندوں میں سے اگر کوئی ایک آدھ مجھ جیسا ہیچ آدمی جس کی حیثیت ڈھیر میں آدھی رائی کے دانے برابر ہے
علیؑ را پرستد بہ کیش خیال چہ کم گردد از دستگاہِ جلال	(خدا کے بجائے) علی کی پوجا ہی کو اپنا ایمان بنائے تو خدا کی شان کے خزانے میں کیا کمی آجائے گی۔ (کچھ نہیں)
گلستاں کہ ہر سو ہزارش گلست ہمہ سبزہ و لالہ و سنبلست	باغ کی مثال لو، اس میں ہر طرف ہزاروں پھول کھلے ہیں، جدھر دیکھو، سبزہ، لالہ اور سنبل ہے۔
اگر رفت برگِ خزانی ازاں چمن را نباشد زیانی ازاں	اگر اس باغ میں سے ایک خزاں مارا پتا گیا بھی تو کیا گیا، چمن کا تو کوئی نقصان نہ ہوا۔
ندارد غم و غصہ یزدان پاک علیؑ را اگر بندہ باشم چہ باک	خدائے پاک غم و غصے کے جذبات سے پاک ہے، اب اگر میں (اس کی بندگی کے بجائے) علی کی بندگی کروں تو اس میں ہرج کیا ہے؟
تو غافل ز ذوقِ ثنا گویم سزا گویم و ناسزا گویم	تمہیں کیا معلوم کہ مجھے علی کی ستائش کا کتنا شوق ہے، میں ایک جائز بات کہتا ہوں تو تم مجھے بے جا الزام دیتے ہو۔

مرا ناسزا گفتن آئیں مباد — کسی کو برا کہنا (تبرا کرنا) میرا شیوہ نہ ہو،
لبِ من رگِ سازِ نفریں مباد — میرے ہونٹوں پر نفرت کی راگنی نہ آئے۔

بود گرچہ با ہر کسم سینہ صاف — اگرچہ ہر شخص کی طرف سے دل صاف ہے تو
من وایزد البتہ نبود گزاف — خدا گواہ کہ یہ کہنا شیخی نہیں

کہ تا کینہ از مہر بشناختم — کہ جس دن سے محبت اور کینے میں تمیز آئی ہے
بکس غیر حیدر نہ پرداختم — تبھی سے علی کے سوا کسی اور کی محبت دل میں نہیں سمائی۔

جوانی بریں در بسر کردہ ام — علی کے آستانے پر میں نے اپنی جوانی گذار دی اور
شبے در خیالش سحر کردہ ام — ان کے تصور میں (جوانی کی) رات کاٹ دی۔

کنونم کہ وقت گزشتن رسید — اور اب جب کہ چلنے کا وقت آگیا اور
زمانِ بحق باز گشتن رسید — خدا کی طرف واپسی کا زمانہ قریب ہے۔

دمادم بجنبش درائے دلست — دل کوچ کا گھنٹہ بار بار بجا رہا ہے،
شنیدن رہین صدائے دلست — دل کی آواز سننے پر کان لگے ہوئے ہیں۔

کہ برخیز و آہنگ رہ سازدہ — دل کہتا ہے کہ اب اٹھ، سامانِ سفر تیار کر،
بہ جمازۂ خفتہ آواز دہ — سوتی ہوئی اونٹنی کو آواز دے۔

بہ شب گیر زیں تیرہ مسکن برآ — رات ہی سے اس تاریک مسکن سے نکل،
بجنباں درای و برفتن درآ — سفر کا گھنٹہ بجا اور چل دے۔

نجف کاں نظر گاہ امید تست	تمہاری امید کی آخری منزل نجف ہے،
طرب خانۂ عیشِ جاوید تست	وہیں پہنچ کر عیشِ جاوداں نصیب ہوگا۔
نہ دور ست چنداں کہ فرسخ شمار	یہاں سے نجف کا فاصلہ اتنا بھی نہیں ہے کہ
برنجاند اندر شمردن یسار	کڑے کوس شمار کرنے والے کا بایاں ہاتھ گنتے گنتے دکھ جائے۔
دلیرانہ راہی بریدن تواں	دلیری کے ساتھ یہ راہ طے ہو سکتی ہے اور
بہ آرامگاہے رسیدن تواں	اپنی آرام گاہ پر پہنچ سکتے ہو۔
برانست دل بلکہ من نیز ہم	دل کیا، میں خود بھی یہ طے کیے بیٹھا ہوں کہ
کہ چوں جاں خود آنجاست تن نیز ہم	جب میری جاں وہاں پڑی ہے تو جسم کو بھی پہنچا کر دم لوں گا۔
بود گرچہ ثابت کہ چوں جاں دہم	اگرچہ یہ بات طے ہے کہ جب میں جان دوں گا تو
علی گویم و جاں بیزداں دہم	علی کا نام میری زبان پر ہوگا۔
بہ ہند و عراق و بہ گلزار و دشت	ہندوستان ہو، عراق ہو، باغ ہو یا جنگل،
بہ سوئے علیؑ باشدم بازگشت	چاہے جہاں زندگی تمام ہو، میری روح علی کی طرف ہی جائے گی۔
ولیکن چوں آں ناحیہ دلکشست	لیکن [نجف میں مرنے اور کہیں اور مرنے میں فرق یہ ہے کہ]
اگر در نجف مردہ باشم خوشست	وہ مقام عمدہ ہے اور وہیں جان دینا اچھا۔
خوشا عرفی و گوہر افشاندنش	شاعر عرفی اور اس کی گوہر فشانی کے کیا کہنے کہ
بانداز دعوے پر افشاندنش	جو دعوا کیا تھا، اس کے مطابق پرواز کر کے دکھادی۔

که ناگاه کار خود از پیش برد
بدشت نجف لاشۂ خویش برد

اتفاق کی بات کہ اس نے اپنا کام چلا لیا اور،
نجف کی خاک تک اپنی لاش پہنچوا کر دم لیا۔

تن مُردہ چوں رہ بمژگاں رَود
اگر زندہ خواہد خود آساں رَود

جب مُردہ اپنی پلکوں سے راہ طے کر کے جا سکتا ہے تو،
زندہ تو آسانی سے جا سکتا ہے (اشارہ عرفی کے اس شعر کی طرف:

زکاوش مژہ از گور تا نجف بروم
اگر بہ ہند ہلاکم کنی وگر بہ تتار)

چو عرفی سرِ برگ نازم کجا
بدعوئے زبانِ درازم کجا

عرفی (جو مر کر بھی نجف گیا) اس کی تقدیر کہاں سے لاؤں،
اس کا سا دلیرانہ دعویٰ کیسے کر دوں!

چو عرفی بدرگاہم آں روئے کو
چناں دادرس جذبۂ زاں سوئے کو

عرفی کی دعا کو جو قبولیت نصیب ہوئی وہ قبولیت حاصل کرنے
کا میرا منہ کہاں ہے۔
ادھر سے فریاد سننے والے کا جذبہ مجھ کو کہاں ملنے والا۔

نگویم غلط با خودم خشم نیست
زمژگانِ خویشم خود ایں چشم نیست

غلط عرض نہیں کر رہا ہوں، کچھ اپنے آپ سے ناراض نہیں ہوں،
اپنی پلکوں سے البتہ اتنی امید نہیں

مزن طعنہ چوں پایۂ خاص ہست
نباشد اگر جذبہ اخلاص ہست

جب خاص مقام حاصل ہے تو طعنہ مت دو،
اگر جذبہ نہیں ہے، نہ ہو، خلوص کا رشتہ تو قائم ہے۔

چو اینست واز خواجہ آں بایدم
زغم چشم قلزم فشاں بایدم

جب صورتِ حال یہ ہے اور آقا سے مجھے وہ مطلوب ہے تو
غم سے ایسی آنکھیں چاہتا ہوں جو دریا بہا دیں۔

زدل گریہ اندوہ رشکم برد
نہ مژگاں مگر سیل اشکم برد

آنسو دل سے وہ غم بہالے جائیں گے جو (عرفی کے انجام بخیر پر) مجھے رشک کے مارے ہوتا ہے، مجھے پلکیں تو (نجف تک) نہ پہنچا ئیں گی البتہ آنسو پہنچا دیں گے۔

من ایں کار بر خود گرفتم بچشم
بمژگاں گر او رفت رفتم بچشم

میں نے خوشی خوشی یہ کام اپنے ذمّہ لیا ہے۔ وہ اگر پلکوں سے وہاں تک گیا تو میں آنکھوں سے جاؤں گا۔

بہ گریم زغم بو کہ شادم کنند
گہر سنج گنج مُرادم کنند

غم سے تڑپ کر روؤں گا اور امید ہے کہ مجھے شاد کیا جائے گا اور میری تمنا کا خزانہ موتیوں سے مالا مال کر دیا جائے گا۔

بگریم کہ سیلم زسر بگذرد
نہ از سر زدیوار و در بگذرد

اتنا روؤں گا کہ سیلاب اشک سر سے گذر جائے، سر کیا معنی در و دیوار سے گذر جائے۔

سرشکے کہ از دیدۂ من چکد
دگر بارہ از چشم روزن چکد

جو آنسو میری آنکھ سے ٹپکیں گے وہ یوں رواں ہوں گے کہ روزن دیوار سے نکل جائیں گے۔

طلب پیشگان را بدعویٰ چہ کار
زبخشندہ یزدانم اُمیدوار

جن کا کام ہے سوال کرنا انھیں دعویٰ کرنے سے کیا مطلب، میں تو بخشنے والے خدا سے اُمیدوار ہوں کہ

کہ جاں بر در بوترابم دھد
دراں خاک فرمان خوابم دھد

وہ ابوتراب (علی) کے آستانے پر مجھے جان بخشے اور وہاں پہنچا کر مجھے حکم ہو کہ آخری نیند سو جاؤں۔

چہ کاہد ز نیروئے گرداں سپہر	گھومنے والے آسمان (تقدیر) کی قوت میں کیا کمی آجائے گی۔
چہ کم گردد از خوبیٔ ماہ و مہر	چاند سورج کے حُسن میں کیا فرق پڑ جائے گا
کہ دل خستۂ دہلوی مسکنے	اگر یہ دہلی کا دل شکستہ باشندہ
ز خاک نجف باشدش مدفنے	نجف کی مٹی میں رل جائے!
خدایا بدیں آرزویم رساں	اے خدا میری یہ آرزو پوری کردے،
ز اشک من آبے بجویم رساں	یہ جو آنسو بہا رہا ہوں، اُن کی موج میری نہر میں رواں کردے۔ (یعنی میری مراد برلا)
نفس در کشم جائے گفتار نیست	اب میں ضبط سے کام لیتا ہوں، کچھ نہیں کہتا۔ کہنے کی گنجائش بھی نہیں رہی،
تو دانی و ایں از تو دشوار نیست	تُو میری آرزو سے واقف ہے، اور تیرے لیے اس کام کا پورا کرنا مشکل بھی نہیں ہے۔
کزیں بعد در عرصۂ روزگار	اس کے بعد دنیا میں جہاں بھی ہوں،
بروئے زمیں یا بکنجِ مزار	زمین کے اوپر یا قبر کے اندر۔
ز غالب نشان جز براں در مباد	غالب کا نشان علی کے آستانے پر ہی ہو،
ہمیں باد فرجام و دیگر مباد	اس کے سوا کہیں نہ ہو، غالب کا انجام اب یہی ہو، اس کے علاوہ کوئی اور انجام نہ ہو۔

مغنّی نامہ

مغنی دگر زخمہ بر تار زن — مُغنی تار پر دوسری مضراب لگا، کوئی ایسا پُر اثر نغمہ سنا کہ تیری
گل از نغمہ تر بدستار زن — دستار پر فضیلت کا پھول چڑھے۔

بپردازش آں گل افشاں نوائے — یعنی وہ گل افشاں آواز سنا کہ میرے دل سے غم کو۔
بگو نغمہ از دل دل از من ربائے — بلکہ میرے سینے سے دل کو اڑائے جا یعنی دل ربائی کر

دل از خویش بردار و بر ساز نہ — اپنی ذات سے دل ہٹا کر ساز پر لگا اور،
ہم از خویشتن گوش بر آواز نہ — پھر جو آواز بلند ہو اس کو سن (متوجہ ہو)۔

ز گنجینۂ ساز بردار بند، — ساز دلکش آوازوں کا خزانہ ہے، کھول دے اور
ز ہر پردہ نقشے بہنجار بند — اس پردۂ ساز سے سلیقہ کا نقش پیدا کر۔

برامش بزُہرہ ھمم آواز شو	نغمہ چھیڑ کر (مطربِ فلک) زُہرہ کی آواز میں آواز ملا دے اور
بہ آہنگ دانش نوا ساز شو	عقل کے آہنگ میں موسیقی چھیڑ۔
کہ دانم ز دستانسرائے چنیں	کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ ایسے مطرب سے
دلآویز باشد نوائے چنیں	ایسا ہی دل آویز نغمہ سنا جائے گا۔
زکام و زباں ہر سہ جاں را درود	تیرے حلق اور زبان دونوں سے تینوں جانوں (روحِ نباتی ، روحِ حیوانی، روحِ انسانی) کو تحفہ پہنچے اور
زجاں جاودانی رواں را درود	ہماری روح کی طرف سے ہمیشہ زندہ رہنے والی روح پر صلوٰۃ ہو۔
گہر جوئے را مژدہ کز تیرہ خاک	جسے موتیوں کی تلاش ہے اسے خوش خبری ہو کہ بے نور مٹی سے
درخشندہ ہے گوھر تابناک	دمکتا ہوا موتی منظرِ عام پر آرہا ہے۔
کہ ہر گوہرے را کہ دارند پاس	کیوں کہ وہ موتی جسے عزیز رکھا جاتا ہے،
بداں گیرد اندازہ گوہر شناس	اسی موتی سے جوہری (موتی کی قدر و قیمت کا) اندازہ کرتا ہے۔
دمی کاندر آئین زمن میرود	میری طرف سے جو "آئین" میں سخن سنجی ہوتی ہے
تو دانی سخن در سخن میرود	تو اس میں بات سے بات پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔
سخن گرچہ گنجینۂ گوہر ست	کلام یا شاعری اگرچہ موتیوں بھرا خزانہ ہے لیکن،
خرد را ولی تابشے دیگرست	عقل کی بات جب سخن میں آئے تو اس کی آب و تاب کچھ اور ہی ہے۔

بہ شبہائے چوں پر زاغ	لازم بات ہے کہ کوے کے پر جیسی سیاہ راتوں میں
نبینی گہر جز بہ روشن چراغ	موتی کبھی نظر نہیں آتا جب تک کہ اسے روشن چراغ دکھایا نہ جائے۔
پے آرائش این کہن کارگاہ	اس پرانے کارخانے فن سخن کی آرائش میں
بدانش توان داشتن پیشگاہ	عقل ہی سے درست سلیقہ ملحوظ رکھا جا سکتا ہے۔
بود بستگی را کشاد از خرد	مشکلات کا حل عقل ہی کرتی ہے۔
سر مرد خالی مباد از خرد	مرد کے سر میں عقل ہمیشہ رہے کبھی وہ عقل سے خالی نہ ہونے پائے۔
خرد چشمۂ زندگانی بود	عقل زندگی کا سرچشمہ ہے اور جب
خرد را بہ پیری جوانی بود	آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے تو عقل اس کی جوان ہو جاتی ہے۔
فروغ سحرگاہ روحانیان	عقل ہی روحانی لوگوں کی صبح کا اجالا اور
چراغ شبستان یونانیان	یونانی اہل علم کی خواب گاہ کا چراغ ہے۔
چو آن کرد پوشیدہ رویان راز	اس صبح کو جب رنگ کے پردے میں منہ چھپانے والے، راز کے جلوے،
بہ خمیازہ جستند از خواب ناز	خواب ناز سے انگڑائی لے کر اٹھے،
چہ خمیازہ عنوان نام آوری	یہ انگڑائی کیا تھی، خود کو روشناس کرانے کی ابتدا،
خمار رہی خواہش دلبری	یا دلبری کی خواہش کا خمار،

ازاں پیش کایں پردہ بالا زنند
نگہ را صلائے تماشا زنند

تو اس سے پہلے کہ یہ پردہ اٹھایا جائے اور
نگاہ کو مشاہدے کی دعوت دی جائے

ردائے فلک گوہر آما شود
بساط زمیں عنبر اندا شود

اور آسمان کی چادر موتیوں سے بھرے اور زمین کے فرش پر خوشبو
کا لیپ ہو۔ (آسمان و زمین اپنی موجودہ صورت میں نمودار ہوں)

نوردی ازاں پردہ برجائے خویش
بروں داد نوری ز سیمائے خویش

اس غیب کے پردے میں سے
ایک تہ نے اپنی پیشانی سے ایک نور کی چھوٹ ڈالی۔

زبانی کہ رخشائی برق زد
سراپردہ جوشِ اناالشرق زد

بجلی کی سی چمک نے جو بازو پھیلائے تو سراپردۂ غیب یوں
دمک اٹھا گویا اس نے اناالشرق (میں ہوں شرق) کہا۔

نخستیں نمودار ہستی گرائے
خرد بود کامد سیاہی زدائے

عقل ہی تھی جس نے سب سے پہلے عالم وجود میں قدم رکھا،
اور اس نے تاریکی کو صاف کیا۔ (حکما کے مذہب کے مطابق اول
مخلوق عقل اول ہے)

بہ پیمانہائے نظر نور پاک
نمودند قسمت بر اجزائے خاک

عقل کا پاکیزہ نور خاک کے اجزا کو اُن کے (فکرو) نظر کے
پیمانے یا ظرف کے مطابق بانٹ دیا گیا۔

زہر ذرہ کاں آفتابی شود
نگہ سرخوشِ کامیابی شود

ہر ذرہ سے جو اس آفتاب سے چمک جاتا ہے،
نگاہ اپنی فتح مندی میں سرشار ہوتی ہے۔

هنوزم در آئینهٔ رنگ بست
خیالے ازاں عالم نور ہست

آج تک میرے رنگ کے آئینے میں
اسی عالم نور کی ہلکی سی پرچھائیں باقی ہے۔

کفِ خاکِ من زاں ضیاگستریست
کہ چوں ریگِ رخشاں بانجم گریست

اسی نورِ ازل یا عقل کی روشنی کا کرم ہے کہ میری مٹھی بھر خاک کو ضیاگستری حاصل ہے اور
وہ چمک دار ذرّوں کی طرح ستارے پیدا کر رہی ہے۔

کسی کو دم از روشنائی زند
بخود فال دانش ستائی زند

وہ جسے ذہنی روشنی کا دعویٰ ہے، وہ جس نے
عقل کی تعریف و تحسین کرنا اختیار کیا ہے۔

درین پردہ خود را ستایشگرست
کہ دانند مردم کہ دانشورست

اس پردے میں وہ خود اپنی ستائش کرتا ہے،
تاکہ لوگ اس کی دانش وری و ہوش مندی کے قائل ہو جائیں۔

خرد گر بیازد بود مرگ من
بہ ہستی خرد بس بود برگ من

اگر عقل کے ہاتھوں موت آتی ہو تب بھی مجھے عقل کی ہی [illegible] ہے۔
زندگی میں مجھے ایک ہی سروسامان چاہیے یعنی خرد، وہی میرے لیے کافی ہے۔

سخن گرچہ پیغام راز آورد
سرود ار چہ در اہتزاز آورد

سخن اگرچہ دل کی بات ظاہر کرتا ہے اور
اگرچہ نغمہ و سرود جوش پیدا کرتا ہے، لیکن

خرد دانہ ہائے گوہر در کشاد
ز مغز سخن گنج گوہر کشاد

عقل ہی ہے جو یہ موتیوں کا [illegible] در کھولنا جانتی ہے،
سخن کے معانی سے موتیوں کا خزانہ کھولتی ہے۔
(یعنی شعر میں حسنِ معانی پیدا کرنا عقل کا کام ہے)

خرد داند آں پردہ بر ساز بست
برامش طلسمے ز آواز بست

عقل ہی ساز پر موسیقی کا پردہ باندھتی ہے اور
ساز سے آواز کا طلسم پیدا کرتی ہے۔

بدانش تواں پاسِ دم داشتن
شمارِ خرامِ قلم داشتن

عقل کے ذریعے ہی آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ کتنی بات کہے،
اور قلم کتنے قدم چلے۔

ازیں بادہ ہر کس کہ سرمست تر
بافشاندن گنج تر دست تر

عقل کا نشہ وہ ہے کہ جو شخص جتنا مست ہو
وہ اتنا ہی قیمتی خزانہ لٹانے میں فیاض ہوتا ہے۔

بہ مستی خرد رہنمائے خود ست
رود گر ز خود ہم بجائے خود ست

مستی کے عالم میں بھی عقل اپنی رہنمائی کر لیتی ہے،
بہکے بھی تو بھٹکنے نہیں پاتی۔

(ارسطو کا مذہب یہ ہے کہ عقل فعال ہی ہر انسان میں ادراک کیا کرتی ہے یعنی عقلِ فعال کے پرتو سے انسان عاقل ہے۔ اُس نے انسانوں کو یہ فیض کیسے پہنچایا اس کو مرزا نے ایک تمثیل سے آگے کے اشعار میں بیان کیا ہے۔)

بکامِ دلِ می پرستاں شبے
بساقی گری خاست نوشیں لبے

ایک رات کیا ہوا کہ مے نوشوں کی مراد بر آئی،
ایک شیریں لب نے ساقی گری کی خدمت انجام دینی شروع کی۔
(یعنی عقلِ فعال نے فیض پہنچانے کا ارادہ کیا)

تبسم کناں بادہ در جام ریخت
پئے نقل از پستہ بادام ریخت

مسکراتے ہوئے اس نے جام میں شراب ڈالی اور
گزک کے طور پر اپنے پستہ گوں لبوں سے بادام بھی پیش کیے۔

زلب بوسہ برلب جام زد — جام کے لبوں پر اپنے لب کا بوسہ دیا اور
بخود کرد پیمانہ را نامزد — پیالے کو اپنے سے منسوب کر لیا (کہ یہ میری صحت کا جام ہے)

لبش را می از بسکہ افشردہ تنگ — شراب نے اس کے لبوں کو زور سے بھینچا (یا لبوں کا چٹخارہ لیا)

بیامیخت بالب چو با لعل رنگ — تو ہونٹوں میں یوں گھل مل گئی جیسے رنگ لعل میں ملا ہوتا ہے۔

بمیخواست با تشنگان دست برد — شیریں لب ساقی کا جی چاہا کہ پیاسوں کا متاع اڑائے۔
خودش بادہ خویش از دست برد — تو اپنی شراب سے خود ہی پی کر بہک گیا اور وہ اسے چڑھ گئی

بداں می کہ خود خوردو از دست شد — وہ شراب جو اس نے خود پی اور پیتے ہی بہکا۔
نہ یک تن دو تن کہ انجمن مست شد — ایک دو پینے والے نہیں بلکہ پورا مجمع مست ہوگیا۔
(یا جو دیکھ پی خود ساقی نے)

کجا در خور آں شرابیم ما — ہم کہاں کہ ساقی کی اس شراب جیسی نصیب ہو، ہم تو ساقی کے خمار کے مارے ہوئے ہیں۔
زدنخوارہ ساقی خرابیم ما — اس کی مستی دیکھ کر خود مست ہوگئے ہیں۔ یعنی عقل تو وہ عشق خدا ہی کو حاصل ہے انسانوں پر اس کا پرتو پڑا ہے۔

چو ساقی رہ خودنمائی گرفت — جب ساقی کو اپنا جلوہ دکھانے کی سوجھی تو
بہ مستی خرد زور وائی گرفت — عالم مستی میں اس سے رواجِ عقل حادث ہوا۔ (یعنی انسانوں میں عقل کام کرنے لگی۔)

سیہ مست تر ہر کہ ہشیار تر
سبکدوش تر چوں گرانبار تر

اب جو جتنا ہشیار ہے، اتنا ہی بدمست ہو کر رہے گا اور جو جس قدر بھاری ہوتا جائے گا اتنا ہی بوجھ سے آزادی محسوس کرے گا۔

جگر گوں نوائے کہ نامش دلست
زتہ جرعہ خواران ایں محفلست

وہ خونیں نالے کرنے والا جس کا نام دل ہے، اسی محفل میں تلچھٹ کے گھونٹ دو گھونٹ پینے والوں میں شامل ہے۔

نشیدے کہ مستانِ ایں مَی کشند
صریر از قلم نالہ از نے کشند

اس شراب سے مست ہونے والے جب ترانہ گاتے ہیں تو قلم کی سرسراہٹ اور بانسری کی فریاد پیدا ہوتی ہے۔

سرود سخن روشناسِ ہمست
کہ ہر یک زوابستگان دمست

کلام یا شعر سے جو نغمہ بلند ہوتا ہے اس میں درد کی کسک بھی ہے، کیوں کہ ہر ایک دم (لمحہ یا سانس) سے وابستہ ہے، (دم اور غم کا ساتھ ہے)

بود در شمار شناسا ورے
خرد را بہ گفتار ہم گوہرے

دانش مند کے نزدیک عقل اور گفتار کا جوہر یا اصل ایک ہے۔

زہے کیمیائے معانی سخن
بخود زندۂ جاودانی سخن

سخن یا کلام دراصل معانی کی کیمیا ہے، اس کے کیا کہنے وہ اپنے دم سے زندۂ جاوداں ہے۔

سخن را ازاں دوست دارم کہ دوست
بہ تصدیق از ما طلب گار اوست

مجھے سخن اس لیے عزیز ہے کہ دوست (خالقِ حقیقی) ہم سے یہ چاہتا ہے کہ سخن کے ذریعے اس کی تصدیق کریں (یعنی تصدیق باللسان واجب کی ہے۔)

[illegible] سر مست — گریب کا مرشد خود مستوں کا قافلہ ہے۔

سخن در سخن لعل با گوہر ست — لیکن کرم میں کرم یا بات میں بات نکل آئے تو گویا لعل و گوہر بس تجھ ہوا۔

سخن بادہ اندیشہ مینائے او — سخن شراب ہے شیشہ اور فکر و خیال اس کی بوتل ہے۔

زبان سے سخن لاؤ پیالائے او — وہ زبان جو دلکش سخن سے مخمور ہو تو جیسے چھلکتا ہوا جام [illegible] (اُردو شاہ [illegible])

سخن دان [illegible] پیمانہ گوش — [illegible] رکھتے ہیں۔

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible] کو دیکھو تو [illegible] مست ہو گئے۔

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible] سیاہی میں

[illegible] — وہ [illegible] تو آسمان کی طرح [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible] آنکھوں کی [illegible] ایک [illegible] روشنی [illegible]

زگنجی کہ بینش بویرانہ ریخت	بصیرت یا خرد نے جو خزانہ ویرانے میں ڈالا،
درآفاق طرح پری خانہ ریخت	اسی سے دنیا میں حسن و زیبائش کا سامان ہوا۔
ز دودن ز آئینہ زنگار برد	آئینے کو گھس کر چمکایا گیا تو اس کا زنگ جاتا رہا،
ز دانش نگہ ذوق دیدار برد	نگاہ نے عقل سے دیدار کا ذوق حاصل کیا ہے۔
دریں حلقہ او باش دیدار جوئے	اس حلقے میں وہ بد نظر آدمی جو محض دیدار کا بھوکا ہے
بدریوزۂ رنگ آوردہ روئے	وہ صرف رنگ کی بھیک چاہتا ہے۔
خرد کردہ عنوان بینش درست	عقل ہے جو نگاہ کا زاویہ درست کرتی ہے، (اور بصیرت کی راہیں کھول دیتی ہے)
رقم سنجئ آفرینش درست	اور عالم آفرینش، یعنی کائنات کی تحریر میں درستی پیدا کرتی ہے؛
فروغ خرد فترۂ ایزدیست	عقل کا نور خدا کی شان ہے؛
خدا ناشناسی ز نابخردیست	اگر آدمی خدا کو نہ پہچانے تو یہ عقل کا فتور ہوا۔
نظر آشنا روئے دانائیش	غور و فکر (یا نظر) اس کی حکمت کو پہچانتے ہیں،
عمل روشناس توانائیش	اور عمل اس کی قوت کا روشناس ہے۔
ز اندیشہ دم زد نظر نام یافت	جب خرد نے غور و فکر کیا تو اس کا نام نظر ہوا،
بکردار رفت از اثر کام یافت	جب عمل میں ظہور کیا تو اثر سے کامیاب ہوئی۔

بچشم سبکسر ازو گوش تاب
گران پلۂ خواہش ازو در حساب

عقل ہی سطحی نظر کے کان گرم کرتی ہے (اسے ادب سکھاتی ہے)
اور خواہش کے بھاری پاؤں کی عقل سے کشمکش ہے۔

چناں سطوتش را زبوں خشم و آز
ز فرمان او بردہ گرگ و گراز

عقل کے سامنے غصہ اور لالچ دونوں اس قدر ذلیل و خوار ہیں کہ
غضب، ایک بھیڑیا اور لالچ سور، دونوں اس کے حکم کے
تابع رہتے ہیں۔
(یعنی انسان جب غضب میں بھیڑیا ہو جائے اور لالچ میں
سور، تو بھی اس کو عقل روکتی ہے)

غضب را نشاطِ شجاعت دہد
ز خواہش بہ عفت قناعت دہد

قوت غضبیہ کو عقل انسانی شجاعت کی طرف سے بدل دیتی ہے اور
خواہش میں ایک تھام پیدا کرکے قناعت عفت بنا دیتی ہے
(شجاعت کے معنی برمحل مزاحمت یا مقابلہ کرنا)

باندازہ زور آزمائی کند
خورد بادہ و پارسائی کند

خرد ایک حد کے اندر زور آزمائی کرتی ہے۔ شراب پی کر بھی پارسائی
قائم رکھتی ہے۔ (اور بے اختیار نہیں ہونے پاتی)

بدیں جنبش از مرگ بخشد نجات
بر اندیشہ بپاید آب حیات

عقل کی حرکت موت سے نجات دلانے والی اور
خیالات میں آب حیات کی تاثیر پیدا کرنے والی ہے۔

منشہائے شائستہ عادت شود
نظر کیمیائے سعادت شود

پسندیدہ خصلتیں (اگر عقل سے کام لیا جائے تو) انسان کی عادت
بن جاتی ہیں اور
(نظر میں فطرت بدل ڈالنے کا وہ کمال پیدا ہوتا ہے کہ) نظر کی
کیمیائے سعادت بن جاتی ہے۔

زدانش پدید آید آئین داد	عقل ہے جو انصاف کے اصولوں کی پابندی کراتی ہے،
رسی چوں بدیں پایہ نعم المعاد	جب اس مقام کو پہنچ جاؤ تو انجام بخیر ہے.
برنداز تو گر خود سرائندگی	اگر تجھ سے خودسرائی کو دُور کر دیں تو،
ندارد زیانے بپائندگی	اس صورت میں کوئی قائم ضرر پیدا نہیں ہوسکتا (تیرے لیے)
جگر خوں کن و از دل آزاد زی	رنج و غم اٹھا اور دل کی خواہش سے آزاد رہ.
بدیں جاودانی رواں شاد زی	اس طرح جو حیاتِ جاوید حاصل ہوگی اس میں شاد رہ.
چناں داں کہ مردی براسپی سوار	یوں سمجھو کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر
بدشتی رُخ آوردہ بہر شکار	جنگل میں شکار کرنے نکلتا ہے.
جگر خوارہ یوزیست ہمراہ او	ایک خوں خوار (شکاری) چیتا اس کے ساتھ چل رہا ہے اور،
جگر خوارئ یوز دل خواہ او	چیتے کی یہ خوں خواری سوار کے منشا کے مطابق ہے.
کند گر باندیشہ رفتار با	اب اگر سوار سوچ سمجھ کر آگے بڑھتا ہے اور
نگہدارِ اندازۂ کار با	اندازے اور مناسبت کا خیال رکھتا ہے،
نگیرد سمندش رہِ توسنے	اس کا گھوڑا بے قابو ہو کر سرپٹ نہیں دوڑ جاتا تو،
بود رام یوزش بصید افگنے	چیتا شکار پر جھپٹنے میں شکاری کے حکم کی پابندی کرے گا.
بہ نیروئ مردی و غم خوارگی	مردانگی کی قوت اور ہمدردی کے اثر سے
ہمش یوز آسودہ ہم بارگی	چیتا بھی مزے میں رہے گا اور شکاری بھی.

چنیں کس بدینگونہ رخش و پلنگ
تواند کہ صیدی در آرد بچنگ

اس قسم کا آدمی، ایسے گھوڑے اور چیتے کو
ساتھ لے کر شکار مار لائے گا۔

وگر دشت پیما ہنر پیشہ نیست
شناسائے فرجام اندیشہ نیست

لیکن اگر یہ شخص ہنرمندی سے خالی ہے اور
غور و فکر کے اچھے نتیجہ کو نہیں جانتا

رہ انجام بیراہہ پوئی کند
دد اندر روش زشت خوئی کند

تو راستہ بھٹک جائے گا اور وہ
جانور بھی شرارت پر اتر آئے گا۔

چرد در چراگاہ تا برگ و شاخ
رود در پئے صید در سنگلاخ

ایسے شخص کی غفلت سے گھوڑا تو چراگاہ کے اندر
اتنا کھا جاتا ہے کہ دوڑنے کے لائق نہیں، پتے ٹہنی تک چرنے
میں لگ جائے گا اور شکار میں پتھریلی زمین پر دوڑایا جائے گا تو

بجوشد بسر مغز رخش از تموز
بخارا شود سفتہ چنگال یوز

گرمی اور پیاس کے مارے گھوڑے کا بھیجا پک جائے گا اور
چیتے کے پنجے کنکر پتھر میں زخمی ہو جائیں گے۔

بمستی یکے گشتہ پولاد پائے
ز تندی یکے رفتہ پولاد خائے

ایک کی حالت مستی کے زور میں یہ ہوگی کہ پاؤں فولاد کی
طرح سخت اور
بے حرکت ہو جائیں اور تیزی میں دوسرے کا حال یہ ہوگا کہ
گویا اس کی تھوتھنی فولاد پر پڑتی ہو۔

مر ایں را ز پُری شکم بادناک
مر آں را ز گرمی زباں چاک چاک

ایک کا پیٹ ایسا تن گیا ہوگا کہ اس میں ہوا بھر جائے گی
اور دوسرے کی زبان گرمی کے مارے ٹکڑے ہونے لگے گی۔

سوار اندریں ہرزہ گردی نژند
نہ رویش براہ و نہ صیدش بہ بند

ادھر سے اُدھر بھٹکنے میں سوار خود بے حال ہو جائے گا،
نہ راستے پر قدم، نہ شکار بند میں شکار۔

سواری کہ رخشش نہ فرماں برد
ندانم کہ بیچارہ چوں جاں برد

وہ سوار جس کا گھوڑا اس کے کہنے پر نہ چلتا ہو،
نہ جانے بیچارے کی جان کیسے بچے گی۔

من بے خبر کایں قدم میزنم
مپندار کز داد دم میزنم

میں ایک بے خبر آدمی، جو چل رہا ہوں (یعنی جو کچھ بیان کر رہا ہوں اس سے)
یہ نہ سمجھنا کہ مجھے حق گوئی کا دعوی بھی ہے۔

بدیں دم کہ درنامہ رانم ہمی
بداں خاک ناچیز مانم ہمی

بلکہ اس کلام سے جو اس کتاب میں آرہا ہے،
میں اس ناچیز خاک کی مانند ہوں

کزاں خاک ریحان وسنبل دمد
دگرگونہ گوں لالہ و گل دمد

کہ جس خاک سے ریحان اور خوش رنگ پھول کھلتے ہیں
اور طرح طرح کے لالہ و گل اُگتے ہیں۔

تماشائیاں را بود سرو و تاک
بودہیچناں جوہر خاک خاک

سیر کرنے والوں کو سرو اور انگور کی بیل کا تماشا نظر آتا ہے
مگر یہ سب خاکی ہیں اُن کی اصل خاک ہے۔

ز دردی کہ دل را بہم می زند
ز جوشی کہ خاطر بغم می زند

لیکن اس درد سے جو دل کو تباہ کرتا ہے،
اور سینے میں غم سے جوش آتا ہے، اُن کی وجہ سے

بود در گزر گاہ آواز من
شناور بخوں گوش دمساز من

میری آواز کی راہ میں وہی کان ساتھ دیتے ہیں
جو خون کی موج میں تیر چکے ہوں۔

بدانش غم آموزگار منست — غم ہے جس نے مجھے عقل و دانش کی تعلیم دی ہے [illegible] غم
خزانِ عزیزاں بہار منست — جو دوستوں کو اُجاڑ دیتا ہے میرے حق میں بہار ثابت ہو۔

غمی کز ازل در سرشت منست — وہ غم ازل سے میری فطرت میں ہے اگر کسی کے لیے
بود دوزخ اما بہشت منست — دوزخ ہو تو ہو میرے لیے جنت ہے۔

بہ غم خو شدم غمگسارم غمست — میرا اور غم کا اچھا نباہ ہو رہا ہے کیونکہ یہ میرا غمگسار
ہے اور غم ہے جس نے میری
بہ بیدانشی پردہ دارم غمست — کم عقلی کا بھرم رکھ لیا اس غم نے پردہ کھڑا کر دیا ورنہ
بے عقلی ظاہر ہو جاتی۔

ز من جوئے در بد نکو زیستن — دیکھنا ہے تو مجھ سے سیکھو کہ بُرے حالات میں اچھے کی
زندگی کیوں کر گذاری جاتی ہے۔
جگر خوردن و تازہ رو زیستن — اور اپنا جگر کھا کر خوش و خرم کیوں کر جیا جاتا ہے۔

درشتی بہ نرمی زبوں داشتن — نرمی سے زندگی کی سختیوں کے دانت کھٹے کر دینا،
بند گر ستم غمزہ پنداشتن — اور ستم ہو تو اس کو ناز و غمزہ سمجھنا قدرت کی شوخی شمار کرنا۔

بعجز از دروں سو جگر سوختن — عاجزی اور بیچارگی کے سبب اندر سے تو جیسا اچھا رہا ہو اور
بناز از بروں سو رخ افروختن — فخر و ناز کے عالم میں باہر سے چہرہ پر رونق [illegible]

بہ ہنگامہ رنگ ساز آمدن — کارگذاری میں رنگارنگ طلسم پیدا کر دینا
ز خود رفتن و زود باز آمدن — بیخود ہو جانا اور جلدی سے پھر ہوش میں آ جانا۔

زدل خار خار غم انگیختن	دل سے غم کی پریشانی اٹھا دینا اور،
خسک در گزار نفس ریختن	سانس کی آمد و رفت کی راہ میں کانٹے بچھانا۔
سمن چیدن و در رہ انداختن	پہلے چنبیلی کے پھول چننا اور پھر انھیں راستے میں لٹاتے جانا،
دل افشردن و در چہ انداختن	اپنا دل نچوڑ کر کنویں میں ٹپکانا۔
بدریوزہ گنجینہ اندوختن	بھیک مانگ کر خزانہ بٹورنا (دوسرے کے علم و عقل سے خوشہ چینی کرکے)،
بہ بازیچہ دانائی آموختن	کھیل کھیل میں دوسروں کو دانائی سکھانا۔
طرب را بہ مے خانہ گردن زدن	مے خانہ ہی میں عیش و عشرت کی گردن اڑا دینا،
طرب خانہ را قفل آہن زدن	اور پھر محفلِ عیش پر لوہے کا موٹا تالا ڈال کر بیٹھ جانا۔
رواں کردن از چشم ہموارہ خوں	آنکھوں سے لگاتار لہو ٹپکانا اور
بشورابہ شستن ز رخسارہ خوں	پھر گالوں پر لہو کے دھبے کھاری پانی سے دھونا۔
بہ رفتن سر از پائے نشناختن	جب چلنے کی پڑی ہو تو سر پیر کی تمیز نہ رکھنا،
بماندن تن از جائے نشناختن	اور جب تھکن سوار ہو تو جسم و مقام کو ایک کر دینا۔
شگفتن ز داغی کہ بر دل بود	دل پر داغ لگے تو اسی سے کھل اٹھنا،
نہفتن شرارے کہ در دل بود	سینے میں چنگاری اڑے تو اسے اپنے وجود میں چھپا لینا۔

(یہ سب مجھ سے سیکھو)

بدیں جادہ کاندیشہ بیہودہ است
غمم خضرِ راہِ سخن بودہ است

قوتِ فکر نے جو یہ راہِ سخن طے کی تو (کچھ آپ سے آپ نہیں کر لی) غم نے اس میں میری رہنمائی کی ہے۔

نظامی نیم کز خضر در خیال
بیاموزم آئینِ سحرِ حلال

میں کوئی نظامی (گنجوی) نہیں ہوں کہ عالمِ تصور میں خضر سے حلال جادو (شاعری) کے نکتے سیکھ لیتا۔ (نظامی نے کہا ہے مجھے خضر نے شعر کہنا سکھایا ہے۔)

زلالی نیم کز نظامی بخواب
بہ گلزارِ دانش برم جوئے آب

اور نہ زلالی (خوانساری) ہوں کہ عالمِ خواب میں نظامی سے فیض اٹھا لیتا اور اس طرح عقل کے چمن میں نہر نکال کر لے آتا۔ (زلالی نے کہا ہے کہ خواب میں مجھے نظامی نے تعلیم دی۔)

نظامی کشد ناز تابم کجا
زلالی بود خفتہ خوابم کجا

نظامی ناز کرتا ہے، مجھے ناز کرنے کی قوت کہاں؟ زلالی سویا ہوا ہے مجھے خواب کہاں میسر؟

مرا بسکہ در من اثر کردہ غم
بمرگِ طرب مویہ گر کردہ غم

چونکہ غم میری طبیعت میں اتر گیا اور میرے لطف و مسرت کی موت پر غم نے مجھے سوگوار بنا دیا ہے۔

نظامی بہ حرف از سروش آمدہ

نظامی کو (اس پر ناز ہے کہ) فرشتے نے غیب سے آ کر مضامین دئے تب اس نے لکھا،

زلالی ازو در خروش آمدہ

اور زلالی کو نظامی سے فیض پہنچا، تب حوصلہ بڑھا۔

من از خویشتن بادلِ دردمند
نوائے غزل برکشیدہ بلند

میں نے (نظامی یا زلالی کی طرح غیبی سہارے اور دوسرے کی فیض رسانی پر بسر نہیں کی بلکہ) دلِ دردمند کے زور پر اپنے دم سے کام لیا، اور غزل کی لَے خوب اونچی اٹھائی۔

غزل را چو از من نوائی رسید
ز والا پسیچے بجائی رسید

جب غزل (شاعری) کو میری لے ملی تو وہ عالی ہمتی کے سبب ایسے بلند مقام کو پہنچ گئی کہ

گر از شگفت کایں خسروانی سرود
شود وحی و ہم بر من آید فرود

اب اگر یہ عالی شان نغمہ وحی کا درجہ حاصل کرلے اور پھر مجھ پر نازل ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

نباشم گر از گنجہ گنجم بس ست
بغم گر چنیں پردہ سنجم بس ست

اگر میں (نظامی کی طرح) گنجہ کا رہنے والا نہیں، نہ سہی، میرا شاعری کا گنج ہی بہت ہے اور غم کے نغمے جو سناتا ہوں اسی طرح سناتا رہوں تو کافی ہے۔

کنونم بسر شور گفتار نیست
بساز غزل زخمہ برتار نیست

اب حال یہ ہے کہ میرے سر پر کچھ کہنے (یا لکھنے) کا سودا سوار نہیں رہا، غزل کے ساز کے تار پر زخمہ نہیں لگاتا۔

بہ شعر ارچہ کمتر شکیبم ہمے
بدیں پردہ خود را فریبم ہمے

اگرچہ شعر کہنے سے اب تسکین و صبر نہیں ہوتا، لیکن شاعری کے پردے میں خود کو فریب دے لیتا ہوں۔

کسے کش بجائے بود دل بہ بند
بہ افسانہ لختے گسارد گزند

وہ جس کا دل کہیں لگا ہو، وہ افسانہ کہہ کر دکھوں سے جی بہلا لیتا ہے۔

کسے را کہ با غم شمارے بود
روا باشد ار غمگسارے بود

جس آدمی کا غم سے حساب چل رہا ہو، مناسب ہے اگر ایسے کے ساتھ کوئی ہمدردی کرنے یا دکھ بٹانے والا بھی رہے۔

کہ در خستگے چارہ جوئی کند
بغم خواری افسانہ گوئی کند

تاکہ تکلیف کے وقت میں کوئی تدبیر سوچے اور (غم خواری کے جذبے سے) اور کچھ نہیں تو (افسانہ گوئی کیا کرے۔

چو میرد بر آں مردہ نالد ہم او
سرانجام کارش سگالد ہم او

اور اگر دکھوں سے اس کی جان نکل جائے تو لاش پر رُوئے۔ تجہیز و تکفین کے بندوبست میں لگ جائے۔

مرا بین کہ چوں مشکل افتادہ است
چہ خونہا ست کاندر دل افتادہ است

ایک میں ہوں کہ جب مشکل میں پڑا تو کیسے کیسے شدید صدمے اٹھا رہا ہوں کہ

خود از درد بیتاب و خود چارہ جوئے
خود آشفتہ مغز و خود افسانہ گوئے

خود ہی درد کے مارے تڑپ رہا ہوں اور خود اس کے علاج کی فکر کھائے جاتی ہے۔ دماغ ٹھکانے نہیں اور خود ہی افسانے سنا رہا ہوں (اوروں کا دل بہلانے کو)

بہ تنہائی از ہمدمانِ خودم
بدل مردگی نوحہ خوانِ خودم

ہمدموں سے جُدا ایسی تنہائی میں ہوں کہ دل کے مردہ ہونے پر خود ہی اپنا نوحہ خواں ہوں۔

کسم در سخن کار فرمائی نیست
بہ بخشندگی ہمت افزائی نیست

شاعری میں بھی کوئی میرا کار فرما (حوصلہ دینے والا) نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا ہے کہ اپنی عطا سے ہمت بڑھائے۔

چہ گوید زباں آور بے نوا
چہ آید ز ہیلاج بے کدخدا

صاحب سخن بے سروسامانی کے عالم میں ہو تو کیا کہے۔ (کیا نہ کہے) کدخدا (شوہر) کے بغیر اکیلی کدبانو کیا دے سکتی ہے!

شبے کایں ورق را کشودم نورد
[illegible]

ایک رات جب میں نے تیزی سے گھومنے والے تصور کی رکار سے اس ورق کو کھولا۔

شب از تیرگی اہرمن روئے بود
زسودا جہاں اہرمن خوئے بود

وہ رات اپنی تاریکی میں اہرمن کا چہرہ تھی اور
تاریکی سے جہاں کو ایسا سودا بڑھا کہ لوگ بھوت بلا ہو گئے۔
(اہرمن خالقِ شر ہے اور بے اختیار لوگوں کو ضرر پہنچاتا ہے)

بہ خلوت ز تاریکیم دم گرفت
نشاطِ سخن صورتِ غم گرفت

ایک تو تنہائی اور اس پر اندھیرا، میرا دم گھٹنے لگا،
شعر کی لذّت بھی غم کی صورت اختیار کر گئی۔

در آں کنجِ تار و شبِ ہولناک
چراغے طلب کردم از جانِ پاک

اس اندھیرے کونے اور بھیانک رات میں
جانِ پاک (روح القدس) سے میں نے چراغ کی دعا کی۔

چراغے کہ باشد ز پروانہ دُور
چراغے کہ بادا ز ہر خانہ دُور

ایسا چراغ مانگا جس کے پاس پروانہ بھٹکنے نہ پائے اور
جس کی روشنی ہر ایک مکان سے دُور رہو۔

نہ بینی نشانے ز روغن درو
کند شعلہ بر خویش شیون درو

ایسا چراغ جس میں تیل کا گذر نہ ہو اور
جس کا شعلہ خود اپنے اوپر فریاد کرے۔

چراغے کہ بے روغن افروختم
دلی بود کز تابِ غم سوختم

وہ چراغ (مجھے مل گیا اور) میں نے تیل کے بغیر ہی روشن کیا،
یہ چراغ کیا تھا؟ میرا دل! جسے غم کی آگ نے روشنی دی۔

زیزداں غم آمد دل افروزِ من
چراغِ شب و اخترِ روزِ من

خدا کی طرف سے غم مجھ کو اس دل کی روشنی کے لیے عطا کیا گیا ہے،
وہ رات کا چراغ بھی ہے، دن کا سورج بھی۔

نشاید کہ من شکوہ سنجم زغمم
خرد رنجد از من چو رنجم زغمم

مجھے زیب نہیں دیتا کہ غم کی شکایت کروں،
اگر میں غم سے راضی نہ ہوں تو عقل مجھ سے ناراض ہو جائے۔

غمِ دل زمن مرحبا جوئے باد
دلم زار و لب مرحبا گوئے باد

دل کا غم ہمیشہ مجھ سے خوش آمدید کا طلب گار رہے،
دل دکھی بھی ہو تو ہونٹوں پر واہ واہی رہے۔

دلم ہمچو غالبؔ بغم شاد باد
بدیں گنج ویرانہ آباد باد

جس طرح غالبؔ اپنے غم میں شاد رہتا ہے اُسی طرح میرا دل بھی
شاد رہے اور یہ ویرانہ اس [غم کے] خزانے سے آباد رہے۔

ساقی نامہ

بیا ساقی آئینِ جم تازہ کن	ہاں، ساقی آ، اور جمشید (شراب کے موجد) کا چلن تازہ کر دے،
طرازِ بساطِ کرم تازہ کن	بساطِ کرم کی از سرِ نو آرائش کر۔
به پرویز از می درودی فرست	پرویز (شاہِ ایران) کی رُوح کو مے نوشی سے ثواب پہنچا،
به بہرام از نی سرودی فرست	اور بہرام کو بانسری کے نغمے سے۔
به دورِ پیاپے به پیمائے مے	مے یوں پی جائے کہ جام کا دَور زوروں پر ہو اور
بشورِ دمادم به فرسائے نے	بانسری میں نغمہ کا تار بندھ جائے۔
قدح را به پیمودنِ مے گمار	پیالے کو حکم ہو کہ پلائے جائے اور
نفس را بفرسودنِ نے گمار	سانس بانسری کے فرسودہ کرنے میں لگی رہے۔
نکیسا دمان را برامش درآر	نکیسا ایسے موسیقی دانوں کو ساز پر لا اور
سہی سرو را در خرامش درآر	ایک سرو قامت کو رقص میں آتار۔

بخشم ار بلائی زیاراں ب گرد	اگر غصے میں تو بلا بھی ہو تو دوستوں سے کیا بگاڑ، یعنی
	طیش میں دوستوں کے بگاڑ کو پھیر دے، ٹال جا،
بہ کام دل شادخواران ب گرد	مزے سے پینے والوں کی آرزو پوری کر۔
مبادا نظامی ز راہ ست بَرد	دیکھنا نظامی (گنجوی) کہیں تجھے بے راہ نہ کر دے،
بدستان سوئے خانقاہ ست بَرد	داستان میں وہ تجھے خانقاہ کی طرف نہ لے جائے۔
فریبش مخور چوں می آشام نیست	اس کی چال میں مت آجانا، وہ پینے والوں میں نہیں ہے۔
ستم دیدۂ گردش جام نیست	اس نے گردش جام کا ستم اپنی جان پر نہیں سہا ہے۔
خود او راست از پارسا گوہری	نظامی کی پارسائی فطرت یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ
سپہری سروشی بساقی گری	آسمانی فرشتہ اس کی ساقی گری کرتا ہے۔
ذرغ پیشہ مسکین چہ داند ترا	بچارا نیک پرہیزگار آدمی وہ تجھے کیا جانے،
بہ آرائش نامہ خواند ترا	صرف اپنے کلام کی آرائش کی خاطر تیرا نام لیتا (اور ساقی نامہ) لکھتا ہے۔
رضا جوئے من شو کہ ساغر کشم	میری خوشنودی حاصل کر کہ میں واقعی جام پیتا ہوں
گرم نیل و جیحون دہی درکشم	اگر تو نیل اور جیحوں جیسے دریا بھی انڈیل دے تو (سب کو) چڑھا جاؤں۔
ز پیمودن مے بجام سفال	میں جو مٹی کے کوزے میں شراب پیتا ہوں تو
خورد دجلہ در ساغرم خاکبال	میرے ساغر میں دجلہ کا پانی تہ سے اوپر نہیں اٹھتا۔

اگر زود مستم پریشاں نیم	اگر مجھ پر جلد نشہ چڑھ جائے تو بدحواس نہیں ہوتا،
وگر دیر مستم گرانجاں نیم	اور اگر دیر میں نشہ چڑھے تو بھی ملال نہیں ہوتا۔
پذیرد زمی گوہرم آب و رنگ	شراب سے میرا جوہر چمک اٹھتا ہے اور
بہ مستی فزوں گرددم ہوش و ہنگ	مستی کے عالم میں عقل اور زور پر ہوتی ہے۔
زاندازہ سنجے برانم کہ تو	میرا اندازہ یہ کہتا ہے کہ تو یوں تو
گرانمایۂ لیک دانم کہ تو	عالی مرتبہ ہے لیکن ساقی گری میں رند اور آزاد طبیعت رکھتا ہے۔
بہ ساقیگری رند و آزادۂ	شراب (پینے کو) پی لیتا ہے لیکن
خورے بادہ اما تنک بادۂ	(عالی ظرف نہیں) جلدی بہکنے لگتا ہے۔
بہ آئینہ چوں یک دو ساغر کشی	جوں ہی ایک دو جام لیے کر
زمستی خرد را بخون در کشی	مستی کی وجہ سے عقل کا خون کرنا شروع کیا۔
بلغزد ترا پا برفتار در	چلنے میں تیرے پاؤں ڈگمگاتے ہیں۔ اور
سراسیمہ گردے بہر کار در	ہر کام میں گھبراہٹ سوار ہو جاتی ہے۔
بجان در رسد کار گر تاب مے	جب نشہ تیری جان میں سرایت کرتا ہے تو
گلوئے صراحی ندانی زنے	تجھ کو صراحی کے گلے اور بانسری میں تمیز نہیں رہتی۔

ازاں پیش کایں رفتگی رو دہد
گلِ جلوۂ بے خودی بو دہد

اس سے پہلے کہ یہ وارفتگی ہو اور
بے خودی کا پھول مہکنے لگے۔

بیندیش جائے و بیارائے بزم
بنہ بادہ و گل بہ پہنائے بزم

ایک جگہ طے کر کے محفل سجا دے،
شراب اور پھول محفل کی بساط پر لگا دے۔

فروہشتہ از دو سوئے بر عذار
شکن در شکن طرۂ مشکبار

دونوں طرف سے رخساروں پر بل کھائی ہوئی سیاہ زلفیں پڑی
ہوئی ہوں۔

بہ می دادن اے سروِ سوسن قبائے
بہ زلفِ درازت مپیچاد پائے

اے سوسن جیسی رنگارنگ قبا رکھنے والے سرو قامت ساقی،
شراب (کا جام) بڑھاتے وقت تیرے پاؤں لمبی زلفوں میں نہ الجھیں
(ذرا سنبھل کے رہنا۔)

ہمانا تو دانستہ کز دو سال
ننوشم می الا بہ بزمِ خیال

تجھے تو اچھی طرح معلوم ہے کہ دو سال سے
میں نے شراب نہیں پی، اگر پی تو عالمِ خیال میں۔

زلب تشنگی چوں بہ می در خورم
تو کمتر خور امروز تا بر خورم

چوں کہ لب تشنگی سے شراب کا مستحق ہوں،
آج کے دن خود تھوڑی ہی پینا تاکہ مجھے پوری پڑ جائے۔

تو آں چشمہ کز تو خضر آب خورد
سکندر ز لب تشنگی تاب خورد

(اے ساقی) تو (آبِ حیات کا) ایک چشمہ ہے کہ خضر نے تجھ سے
اپنی پیاس بجھائی اور
سکندر نے پیاس کی شدت سہی۔

نہ خضرے کہ در آب باشی بخیل	تو خضر نہیں ہے کہ (اپنی پیاس تو بجھالی لیکن) دوسروں کو دینے میں کنجوسی کرے،
تو آبی ولی کوثر و سلسبیل	تو پانی تو ہے لیکن تو (جنت کے حوض اور نہر) کوثر و سبیل پانی نہے۔ (کہ وہ سب ناجیوں کے لیے ہوگا)

ہر آئینہ چوں اعتقاد ایں بود	تیرے متعلق جب یہ اعتقاد ہے تو خود نہ پی،
منوش و بنوشاں کہ داد ایں بود	بلکہ پلا، کیوں کہ داد و دہش یہی ہے۔

زخود رفتہ ترکیست ہندوئے تو	تیرا یہ ہندی (غالب) ایک بے قابو ترک ہے،
عجب نبود از خوبی خوئے تو	تیری شرافت سے کچھ بعید نہیں، اگر ایک

کہ جوئی رضائے زخود رفتۂ	بہکے ہوئے بے قابو آدمی کی خوشنودی حاصل کرے، اور
دہی مے بہ ترکِ جگر تفتۂ	اس جگر جلے ترک کو شراب سے نوازے۔

تو اے آں کہ پہلو نشینِ منے	(اے ساقی) تو میرے ساتھ کا اٹھنے بیٹھنے والا ہے اور ہمیشہ
بہ پیغارہ اندر کمینِ منے	طعن کرنے کے موقع کی تاک میں رہتا ہے۔

ندانی پس از روزگاری دراز	تجھے کیا معلوم نہیں ہے کہ ایک زمانے بعد
بمی کردہ ام دست باری دراز	میرا ہاتھ ایک بار شراب تک پہنچنے والا ہے۔

در اندیشہ محوِ تلاشم ہنوز	میری تلاش و طلب ابھی تک محض خیال میں ہے،
قدح سازو ساقی تراشم ہنوز	خود (اپنے تصور سے) ساقی تراش لیتا ہوں، پیالہ بنا لیتا

دریں داستاں نیز گردارے
بخویشست گفتارم از بیکے

اسی کہانی میں بھی اگر حقیقت کو پہنچو تو (نہ قدح ہے نہ ساقی)
بیکسی کے مارے اپنے آپ سے ہی باتیں کر رہا ہوں۔

مئی خویش و جام سفال خودم
نہ ساقی کہ من ہم خیال خودم

خود اپنی شراب ہوں، خود اپنا مٹی کا پیالہ،
ساقی نہیں ہے بلکہ میں ہوں اور میرا خیال۔

چہ ساقی یکے پیکر سیمیا
مسِ آرزوئے مرا کیمیا

ساقی کیا، بس ایک فرضی وجود ہے کہ
(جس سے بات کر لیتے ہیں اور اس طرح دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں) اپنی آرزو کے تانبے کی کیمیا (بنالی ہے)

مرا دستگاہ مے و شیشہ کو
نشاطے چنیں جز در اندیشہ کو

یہ میری بساط کہاں کہ شراب و شیشہ لے کر بیٹھوں۔
صرف تصور میں ان محفلوں کے مزے لے لیتا ہوں۔

مے و شیشہ بگزار و بگزر ز من
بما نا نہ من بلکہ ایں انجمن

شراب و شیشہ کا ذکر تو در کنار مجھے بھی جانے دے؛
کیوں کہ خود میری کیا حقیقت۔ یہ ساری کی ساری انجمن (کائنات کی محفل)

گل و بلبل و گلستاں نیز ہم
مہ و انجم و آسماں نیز ہم

گل، بلبل، باغ
چاند، تارے، آسمان، سبھی کچھ۔

نمودیست کاں را بُوَد بود ہیچ
زیاں ہیچ و سرمایۂ و سود ہیچ

یہ سب نمود بے بود ہیں۔ ان کی اصلیت کچھ بھی نہیں۔
کم یا زیادہ نقصان، سرمایہ اور نفع یہ سب ہیچ ہیں۔

بعرض شناسائیے ہر چہ ہست — موجودات کے پہچاننے میں جتنی چیزیں ظاہراً موجود ہیں،
بر وہست پیدائیے ہر چہ ہست — اُن کا وجود وہم و تصوّر میں ہے، ورنہ کیا!

نہ ہر گہ کہ تنہا نشینی بجائے — کیا ایسا نہیں ہے جب کہیں تنہا بیٹھے ہو
(تنہائی کے عالم میں)
بہ خاطر کنی طرح بستانسرائے — ایک باغ کا تصوّر بنا لیتے ہو۔

بہ آرایش باغ رو آورے — باغ کی آرائش کی طرف متوجہ ہوئے تو
دراں باغ از دجلہ جو آورے — اس باغ میں دریا سے نہر کاٹ کر لائے۔

دمانی گل و نرگس از روے خاک — مٹی سے گلاب اور نرگس کے پودے اگلئے،
نشانی بطرف چمن سرو و تاک — کناروں پر سرو کھڑے کئے اور انگور کی بیلیں لگا دیں۔

نوا گر کنے مرغ بر شاخسار — ٹہنیوں پر چڑیوں کو بٹھایا کہ چہکیں،
بموج آورے آب در جوئبار — نہر میں پانی کی موج رواں کر دی۔

بخویش ارچہ داری گمانی زباغ — اپنی جگہ دبیٹھے بٹھائے) تصوّر کر رہے ہو کہ باغ لہلہا رہا ہے،
بروں از تو نبود نشانی زباغ — حالاں کہ اصلیت میں تمہارے ذہن سے باہر اس کا نام و نشان
تک نہیں۔

در اندیشہ پنہاں و پیدا توئے — خیال و تصوّر میں ظاہر بھی تم، باطن بھی تم،
گل و بلبل و گلشن آرا توئے — اس کے پھول، بلبل اور باغباں بھی تم،

نمودِ دو گیتی بہ گیتی خدائے
چنینست دیگر ندانیم رائے

یہ جو دونوں جہان موجود ہیں ان کا وجود مالک حقیقی کے لیے بالکل ایسا ہی ہے (کہ صرف علم الٰہی میں ہے) اس کے سوا ہم کوئی بات نہیں مانتے۔

من و تو کہ بدنام پیدائیم
رقمہائے منشور یکتائیم

ہم پر، تم پر وجود صرف ایک الزام ہے،
ہم تو دراصل اس کی یکتائی کے فرمان کی تحریریں ہیں۔

ولیکن چو ایں ایزدی سیماست
بدانست ہستی چنیں دیرپاست

مگر چوں کہ یہ سب قدرت کا نظر فریب تماشا ہے لہٰذا ہستی کیفیت میں دیر تک ٹھہرتا ہے۔

نمودی کہ حق راست نبود چرا
زمان چوں از آنجاست نبود چرا

یہ نمود چوں کہ خدا کی طرف سے ہے تو ایسی (دیرپا) کیوں نہ ہو، کیوں کہ زمانہ کا وجود بھی خدا ساز ہے۔

دو گیتی ازاں جو نمی بیش نیست
ازل تا ابد خود دمی بیش نیست

دونوں دنیاؤں کو اس کی نہر کی ایک ہلکی سی تری سمجھو،
اس سے زیادہ کچھ نہیں، ازل سے ابد تک تمام زمانے دے کر ایک لمحے کے برابر ہے۔

زمان و مکاں را ورق در نورد
خیالی برون ریز از ہر نورد

زمان و مکان کا ورق لپٹ رہا ہے اور
ہر ایک تہہ میں سے ایک خیال ظاہر ہوتا ہے۔

نہ از من ز سعدی شنو تا چہ گفت
سخن گفت در پردہ اما چہ گفت

مجھ سے کیا سعدی سے سنو کہ کیا کہتا ہے،
بات اس نے پردے میں کہی، مگر کیا خوب کہی!

"رہِ عقل جز پیچ در پیچ نیست
بَرِ عارفاں جز خدا ہیچ نیست"

عقل کی راہ بہت الجھی ہوئی ہے، (اس لیے) معرفت رکھنے والوں کے نزدیک سب کچھ خدا ہی خدا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

دگر رہروی گوید از زیرِ دلق

(اس راہ کا) ایک اور مسافر (محی الدین ابن عربی) اپنی کملی کے نیچے سے کہتا ہے کہ،

کہ حقیقت محسوس و معقول خلق

"الحق محسوس والخلق معقول" یعنی جو کچھ محسوس ہے وہ ذاتِ حق ہے، عقل نے بہک کر اس کو مخلوق کا حصہ قرار دیا ہے۔

خیالے در اندیشہ دارد نمود
ہماں غیب غیبست بزمِ شہود

ہر موجود ایک خیال ہے جو تصور میں ظاہر ہوا ہے (ورنہ کیا ہے) یہ ظاہر النظر آنے والی رونق تمام غیب الغیب ہے۔

نشانہائے رازِ خیال خودیم
نواہائے سازِ خیال خودیم

ہم (مادی وجود) کیا ہیں اپنے ہی خیال کے راز کی نشانی اور اپنے ہی سازِ خیال کی آوازیں۔ (خالق کے تصور یا علمِ الٰہی کی ظاہرا صورتیں ہیں۔ ورنہ اس سے علاحدہ کوئی وجود نہیں)

خوشت باد غالب بساز آمدن
نواسنج قانونِ راز آمدن

غالب تمہیں مبارک ہو کہ تم نے ساز اٹھایا، اور (تخلیق کے) راز کا نغمہ بلند کرنے لگے۔

بہ گیتی مگر حرف دیگر نماند
ویا خود ترا ہوش در سر نماند

شاید دنیا میں اور کوئی (کہنے کو) بات نہیں رہی، یا تمہارے ہوش ٹھکانے نہیں رہے؟

کہ چوں سینہ کمتر دہد بانگ خوں
بہ نشتر کشائی رگِ ارغنوں

کہ ایسے وقت میں جب سینے میں خون کی سنسناہٹ بہت کم ہو گئی تو نشتر سے ارغنوں (ارگن باجے) کی رگ کھولتے ہو؟

چہ زاں راز پنہاں نوا بر کشے	پوشیدہ راز کو زبان پر کیوں لاتے ہو؟
کہ چوں باز پرسند دم در کشے	اگر لوگ پوچھ بیٹھیں تو دم سادھ کر رہ جاؤ گے (یعنی وحدت وجود بیان میں نہیں آسکتی۔
بہ گفتار اندیشہ برہم مزن	زبان پر لا کر فکر کو پریشان نہ کرو۔
در اندیشہ دل خوں کن ودم مزن	تصور میں ہی دل کا خون کرلو اور دل کی بات زبان پر نہ لاؤ۔
نہ دانی کہ دانش بہ گفتار نیست	کیا تمہیں نہیں معلوم کہ عقل کی بات گفتار (کا لباس) قبول نہیں کرتی۔
دریں پردہ آواز را بار نیست	یہ وہ مقام ہے جہاں آواز کا دخل نہیں ہوتا۔
ندانی کہ مینا شکستن بہ سنگ	کیا تمہیں نہیں معلوم کہ پتھر سے مینا کو توڑو تو
نہ بخشد بدل ذوق گلبانگ چنگ	دل کو وہ مزا نہیں ملتا جو موسیقی کی دل کش آواز میں ہے۔
تصوف نہ زیبد سخن پیشہ را	بات کرنے والے (شاعر) کو تصوف زیبا نہیں اور
سخن پیشہ رند کشر اندیشہ را	بات کرنے والا بھی کیسا، تو رند ہو اور الٹی سیدھی سوچتا ہو۔
نشاں مند ایں روشنائی نہ	تمہیں اس روشنی کا حصہ نہیں ملا (اپنا کام کرو)۔
غزل خوان ومیخور سنائی نہ	غزل پڑھو، شراب پیو، تم کوئی حکیم سنائی نہیں ہو کہ تصوف چھانٹو۔
غزل گر نہ باشد نوائے دگر	اگر غزل نہیں تو کوئی اور بات کرو،
مر دل سلامت ہوائے دگر	دل سلامت ہے تو کوئی اور خواہش کرو۔

اگر مجلس آرائے را عود نیست	اگر محفل برپا کرنے والے کے پاس عود نہ ہو تو
بر آتش فگندن نمک سود نیست	آگ پر نمک ڈالنے سے کیا فائدہ!
غزل گر ملال آرد افسانہ گوئے	اگر غزل سے اکتا گئے ہو تو افسانہ کہو،
کہن داستانہائے شاہانہ گوئے	شاہوں کے قدیم قصے بیان کرو۔
من آں خواہم اے لاابالی خرام	بے پروائی سے چلنے والے، میں یہ چاہتا ہوں کہ تو
کزیں پویہ خوشتر سگالی خرام	اس رفتار سے کوئی بہتر روش سوچ۔
زشاہاں سخن گر گہر سفتن ست	بادشاہوں کے تذکرے لکھنا اگرچہ موتی پرونے کا کام ہے لیکن (اس کے مقابلے میں)،
سخن گفتن از حق جگر سفتن ست	حق کی بات کرنا جگر پرونے کے برابر ہے۔
منالی زغم گر جگر سفتہ شد	اگر جگر چھد گیا تو اس دکھ کی فریاد نہ کرو
سخنہائے حق بیں کہ چوں گفتہ شد	ذرا یہ دیکھو کہ حق باتیں کیسے کہی گئی ہیں۔
خود ایں نامہ فہرست رازِ حقست	یہ نامہ (مثنوی) خود ہی حق کے راز گنواتا ہے،
درون و برونش طرازِ حقست	اندر باہر سے اس میں حق کی گوٹ لگی ہوئی ہے۔
زانگیز معنی و پرداز حرف	معنی کی اٹھان اور لفظ کی پرورش سے،
بہ ہنگامہ بستی طلسمے شگرف	تم نے کمال کا طلسم باندھ دیا ہے۔

سخن چوں ز ہمدم بہ پیغارہ نیست	چوں کہ میرے ہمدم نے طعنے کی نیت سے بات نہیں کی،
مرا از پذیرفتنش چارہ نیست	اس لیے ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔ (یعنی اب میں غزل کو چھوڑ کر شاہ دو عالم کی داستان بیان کروں گا)
بہ زہدم ثنا گوئے نابودہ کس	کوئی شخص میری پرہیزگاری اور عبادت کا مداح تو ہے نہیں اور نہ
بوالائی جاہ نستودہ کس	میرے عالی مرتبہ ہونے کا ثنا خواں ہے۔
نہ زر گفت کانم تہِ خاک نیست	سونا یہ کبھی نہیں کہتا کہ زمین کے نیچے میری کان نہیں ہے، (یعنی خاک میں سے سونا نکلتا ہے، اسی طرح میری ذات جو کسی طرح ستودہ نہیں، زر کا مخزن ہے)،
سخن در سخن می رود باک نیست	البتہ اگر بات سے بات نکلی تو کوئی ہرج نہیں۔
سخن را خود آنگونہ دانم سرود	میں شعر کی رگ رگ سے اس درجہ واقف ہوں کہ (جو کچھ لکھ چکا ہوں)
کزیں نیز خوشتر توانم سرود	اس سے بھی بہتر لکھ سکتا ہوں۔
ولی تاب در خود نیابم کنوں	لیکن اب میں اپنے اندر طاقت نہیں پاتا،
صریرِ قلم بر نتابم کنوں	صریرِ قلم کے سننے کی بھی تاب نہیں۔
دریغا کہ در ورزش گفتگوئے	افسوس کہ جب بڑھاپا آگیا تو میں سخن گوئی میں
بہ پیری خود آرائی آورد روئے	اپنا زور دکھانے چلا ہوں۔

بہ برنائیم روئے پیری سیاہ — اس پیری کا منہ کالا ہو،
زمو بود بر فرقِ مشکیں کلاہ — جب میں جوان رعنا تھا تو سر پر بالوں کی سیاہ ٹوپی رہتی تھی۔

کنوں نیست ظلِّ ہمایم بسر — اب وہ ہما کا سایہ میرے سر پر نہیں رہا (جوانی کی بادشاہی ختم ہوگئی)،
بہ پیری فتاد ایں ہوایم بسر — اور بڑھاپے میں یہ خواہش سر پر سوار ہوگئی۔

سیاہی زموئے سرم زود رفت — میرے سر کے بالوں سے سیاہی جلد اُڑ گئی،
مگر کاتش افسرد کایں دود رفت — شاید آگ بجھ گئی تو یہ دُھواں (بالوں کی سیاہی) بھی غائب ہوگیا۔

شبابم کہ تاب و تبی بودہ است — میری جوانی کا زمانہ رنج و مشقت کا تھا،
زشبہائے جوزا شبے بودہ است — وہ ایک رات تھی جوزا کی راتوں میں سے (جو مختصر ہوتی ہیں)

بدا، من — کہ دارم شماری دراز — افسوس، کتنا بُرا ہوا! ایک طول طویل حساب ہے،
شبے کوتہ و روزگاری دراز — اس رات کا جو مختصر تھی اور اس زمانے کا جو دراز ہے۔

نبود ارچہ لبہائے خنداں مرا — اگرچہ میرے ہونٹ ہنسی سے کھلے نہیں رہتے تھے،
ولی در دہن بود دنداں مرا — پھر بھی منہ میں دانت تو تھے۔

کہ ہر گہ بہ ہنگامہ غم خوردمے — کہ جب بھی کوئی ناگوار واقعہ ہوتا اور مجھے غم کھانا پڑتا تو
زمردم نہاں در دل افشردمے — لوگوں کی نگاہ بچا کر اپنے ہی دل میں (غصے کو) بھینچ ڈالتا تھا۔

چہ گریم کہ لب ہائے خنداں کجا — اب کیا روؤں کہ ہنسنے والے لب نہ رہے اور
جگر خائم از غصہ دنداں کجا — غصے سے اپنا جگر چبانے کو دانت کہاں ہیں؟

بہ بی برگیم گلفشاں بودنست — اپنی خزاں میں مجھے گل فشانی کرنا ہے،
بہ دم سردی آتش زباں بودنست — سرد سانسوں کے عالم میں شعلہ زبانی دکھانا ہے۔

دریغ از ترقی معکوس من — میری الٹی ترقی پر افسوس کہ
کہ باشد سر من بپابوس من — سر جھک کر پاؤں چھونے لگے۔

فلک بسکہ ناچیز خواھد مرا — آسمان (زمانے کی گردش) کا تقاضا ہے کہ میں ذلیل اور بے حیثیت رہوں،
بہ بالاندا ما بکاھد مرا — اس لئے بڑھاتا تو ہے، لیکن اسی کے ساتھ گھٹا بھی رہا ہے۔

ز سر باد پندار بیروں شدہ — سر سے غرور نکل گیا اور سیدھا بھرا ہوا بدن
سہی سرو من بید مجنوں شدہ — بیدِ مجنوں کی طرح خمیدہ ہو گیا۔

بود قدِ خم گشتہ چوگان من — جھکا ہوا قد (جھکتے جھکتے) چوگان ہوا ہے۔
سرم گوئے و اندیشہ میدان من — سر کی گیند ہے اور خیالات کا میدان۔ (گیند بلا کھیلا جا رہا ہے۔)

چہ غم گر فلک رنگم از روئے برد — آسمان اگر میرے چہرے کی رونق اڑا لے گیا تو کوئی غم نہیں۔
توانم ز خم زد در سخن گوئے برد — (ابھی اتنا دم ہے کہ) اپنے بل پر میدان سخن کی بازی جیت سکتا ہوں۔

ننالم ز پیری جوانم برائے ہنوزم بوَد طبع زور آزمائے	بڑھاپے کا رونا نہیں ہے کیونکہ عقل تو جوان ہے، زور آزما طبعِ رسا ابھی رکھتا ہوں۔
سخن سنج معنی ترازم ہنوز بہ شیوائیِ شیوہ نازم ہنوز	اب بھی شعر کہتا ہوں اور اُن میں معانی کا حسن پیدا کرتا ہوں، اپنے طرزِ فصاحت پر بھی ناز ہے۔
ہنوزم جگر موجِ خوں میزند زدل نیشِ غم سر بروں میزند	اب بھی میرے جگر سے خون کی موج اُٹھتی ہے، دل میں سے غم کا نشتر باہر سر نکالتا ہے۔
زچشمم ہماں خوں بداماں چکد بہ تن نبود اما ز مژگاں چکد	وہی خون میری آنکھوں سے اب بھی دامن پر ٹپکتا ہے، بدن میں باقی نہیں رہا لیکن پلکوں سے بہتا رہتا ہے۔
ز حرفے کہ اندر ضمیر آیدم ہنوز از دہن بوئے شیر آیدم	میرے دل میں جو حرف (مضمون) آتے ہیں، (وہ ایسے اچھوتے ہوتے ہیں کہ) اُن کے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔ (یعنی نوزائیدہ ہیں)
بہر بذلہ کز لب فشانم چو قند خضر "دَرِّمن قال" گوید بلند	لب سے جو بھی شیریں اور لطیف بات نکل جاتی ہے، اس پر خضر کی طرف سے داد ملتی ہے اور واہ وا کی صدا بلند ہوتی ہے۔
بدستاں زنی خامہ منقار من ہدر خونِ مرغِ گل از خار من	نغمہ سرائی میں میرا قلم منقار (چونچ) کا کام کرتا ہے، میرے کانٹے سے بلبل کا خون مفت میں ہوتا ہے (یعنی رشک سے بلبل مرتی ہے)۔

توانم کہ در کارگاہِ ہنر	اب بھی مجھ میں اتنی سکت ہے کہ ہنرمندی کے میدان میں
بہ نیروے یزدانِ پیروزگر	خدا کی توفیق شاملِ حال ہو تو
زہم بگسلم باستانی تراز	پرانے طرز کو چھوڑ کر، سخن کو وہ طرز عطا کروں جو جاوداں ہو،
سخن را دہم جاودانی تراز	یعنی وہ طرز ہمیشہ ہے (کیونکہ اس سے بہتر طرز ممکن نہیں)،
سریرے ترازم کہ در سایہ اش	ایک ایسا تخت سجا دوں کہ اس کے سائے میں پایہ فرشتوں
بود بالش قدسیاں پایہ اش	کا تکیہ بن جائے۔
نہالے نشانم کہ در پائے او	ایک ایسا درخت لگا دوں کہ اس کی جڑ میں چاند اور زہرہ (جیسے روشن پھل پتے)
مہ و زہرہ ریزد ز بالائے او	اُوپر سے ٹپکتے رہیں۔
رہے پیش گیرم کز اقبالِ من	ایسا راستہ اختیار کروں کہ میرے اس طرف منہ کرنے سے
دَوَد خضر بے خود بدنبالِ من	خضر (جیسا رہبر) میرے پیچھے دوڑتا آئے۔
نفس را کنم با دعائے گرد	سانس کو ایسی دُعا کے لیے وقف کروں،
کہ باشد مرآں را اثر پیش رو	جس دعا کے آگے آگے اثر چلتا ہے۔
مثالے نویسم کہ پیغمبراں	ایسی تمثیل لکھوں کہ پیغمبروں کی طرف سے
نویسند " لاریب فیہ " براں ،	اس پر "دریں چہ شک" لکھا جائے۔

زباں تازہ سازم بہ نیروئے بخت — تقدیر یاور ہو اور اپنی زبان کو
بہ ذکر شہنشاہ بے تاج و تخت — شہنشاہِ بے تاج و تخت کے ذکر سے تر و تازہ کر لوں۔

گزشت آں کہ دستاں سرائے کہن — وہ زمانہ کہ پرانا داستاں سرا (فردوسی)
ز کیخسرو و رستم آرد سخن — کیخسرو (شہنشاہ) اور رستم (سپہ سالار) کے فسانے سناتا تھا۔

منم کم بود در ترازِ کلام — میں وہ ہوں کہ کلام کی آرائش میں،
شہنشہ پیمبر سپہبد امام — میرے شہنشاہ پیغمبر ہیں اور سپہ سالار امام ہیں۔

ز فردوسیم نکتہ انگیز تر — فردوسی سے بڑھ کر شاعرانہ نکتے پیدا کر سکتا ہوں،
ز مرغِ سحر خواں سحر خیز تر — بلبل سے بھی سویرے اٹھ جاتا ہوں (یعنی ذوقِ نغمہ سرائی زیادہ رکھتا ہوں)۔

فرو مردن شمع ساسانیاں — ساسانی (بادشاہت) کا چراغ بجھا تو
بود صبح اقبال ایمانیاں — اہلِ ایمان کے اقبال کی صبح ہوئی۔

رقم سنج منشورِ یزدانیم — میں خدائی فرمان قلمبند کرتا ہوں،
ز ایمانیاں گویم ایمانیم — خود اہلِ ایمان سے ہوں، انھی کا ذکر زباں پر آتا ہے۔

کسے را کہ نازد بہ بیگانگاں — وہ جو غیروں (کے کارناموں) پر ناز کرتا ہو،
خرد در شمارد ز دیوانگاں — عقل کی رو سے دیوانہ ہے۔

بہ اقبال ایمان و نیروی دین	ایمان کی اقبال مندی اور دین کی پشت پناہی سے
سخن رانم از سید المرسلینؐ	میں پیغمبر سید المرسلین کے متعلق لکھ رہا ہوں۔
دریں رہ بپیچ سفرہا بسیست	یہ وہ راستہ ہے جس میں سفر کے طریق بہت ہیں،
بود راست لیکن خطرہا بسیست	یہ راستہ سیدھا ہی لیکن بہت خطرے درپیش ہیں۔
زبالغزہا کاندریں رہ بود	یہ راستہ مختصر سہی قدم پھسلنے کے سبب
بود رہ دراز ارچہ کوتہ بود	راہ دراز ہو جاتی ہے۔
بمستی تواں نغز گفتار بود	مستی میں آدمی خوش بیانی دکھا سکتا ہے،
مرا باید از خویش ہشیار بود	مجھے ذرا اپنے سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔
سخن گفتن و پاس رہ داشتن	بات کہنی ہے اور یہ بھی خیال رکھنا ہے کہ راہ سے بے راہ نہ ہو جاؤں،
سخن را ز مستی نگہداشتن	پھر یہ بھی کہ کلام میں جھول نہ آنے پائے۔
یکے در شبستاں بہ شبہائے دی	دے (جاڑے) کی رات میں (کوئی یوں بسر کرتا ہے کہ) رات کو خواب گاہ میں
ہم آتش نہد پیش و ہم مرغ و مے	انگیٹھی روشن کر کے مرغ اور شراب تیار کر کے رکھ لیتا ہے
یکے را بعشرت گہہ شہریار	کسی کو بادشاہ کے رنگ محل میں
ز مے بوئے مشک آید اندر بہار	بہار کے موسم میں شراب سے مشک کی خوشبو آتی ہے
مرا بیں کہ دی ماہ و اردی بہشت	ایک میں ہوں کہ دے (جاڑا) اور اردی بہشت دونوں مہینوں میں،
نیامد بجز دانۂ سبحہ کشت	تسبیح کے دانوں کے سوا کوئی غلہ میسر نہیں۔

به بزمی که دروی بود اجتناب	اس محفل میں جہاں رُود (ایک باجہ) نغمہ شراب و کباب.
ز رود و سرود و شراب و کباب	ان سب سے پرہیز لازم ہے۔
سخنور چه گفتار پیش آورد	وہاں شاعر ایسی کیا بات کہے،
کزاں رنگ بر روئے خویش آورد	جس سے وہ سُرخ رُو ہو جائے۔
نماند بشاہانِ دیہیم جوئے	دَرویشی کی ادائیں رکھنے والے شہنشاہ (رسولِ خدا) کا ذکر،
شمار شہنشاہ درویش خوئے	تاج و تخت کے بھوکے بادشاہوں کے تذکرے سے مختلف ہے۔
دریں بزم اوباش را بار نیست	یہ وہ محفل ہے جہاں عیاشوں کا گزر نہیں،
می و ساغر و زخمہ و تار نیست	یہاں نہ شراب ہے، نہ پیالہ، نہ مضراب نہ تار۔
نہ من بلکہ ایں جا برامشگرے	میں ہی نہیں بلکہ اگر یہاں زہرہ (آسمان کا ناچنے گانے والا ستارہ) بھی آجائے،
اگر زُہرہ آید شود مشترے	تو موسیقی بھول کر مشتری ہو جائے گا
اگر جائے دستانسرائے بُدے	اگر نغمہ سرائی کا موقع ہوتا اور
رہ و رسم جادو نوائے بُدے	شاعری کا جادو جگایا جاتا۔
زباں را برامش گرد کردمے	زبان کو نغمہ نوازی میں لگا دیتا اور
دم جنبشِ زخمہ نو کردمے	جنبش زخمہ کے جادو کو نیا کر دیتا۔

ہم زخمہ از دیگراں تیز تر ہم سازِ دانش نوا خیز تر	میرا مضراب بھی دوسروں سے زیادہ تیز ہے، اور عقل کا ساز بھی میرے یہاں زیادہ پُرصدا ہے۔
بہ آزادگی خسروی می کنم بدیں پشت دولت قوی می کنم	آزادی (کی نعمت) سے میں بادشاہی کرتا ہوں، آزادی کی بدولت میری سلطنت مضبوط ہے۔
نباشد اگر پائے دیں درمیاں نہ ہم ہفت خواں بلکہ ہفتاد خواں	اگر دین ایمان کا معاملہ بیچ میں نہ آ گیا ہوتا تو، (اے ساقی) شاہنامہ کے ہفت خواں (سات کٹھن مرحلے) کیا، میں ستر خواں ایجاد کرتا۔
پرم از تو برتر ببال گزاف تو سیمرغ آری دمن کوہ قاف	تعلی کے بازوؤں سے میں تجھ سے بھی اونچا اُڑتا، تو سیمرغ لے کر آئے تو میں پورا کوہِ قاف اُٹھا لاتا۔
تو سوسن فرستی بجنبیا گرے مرا جنبشِ کلک رقص پرے	تو سوسن سے کہتا کہ ناچ دکھائے اور میرے قلم کی حرکت پری کا ناچ دکھا دیتی۔
تو کاں بادہ ہائے گوارا زنی دم از نقل دمی آشکارا زنی	تو وہ ہے کہ مزے مزے کی شرابیں اڑا رہا ہے اور کھلے عام شراب اور گزک کے لطف اٹھانے کا ادعا کرتا ہے۔
من و جامِ بے بادہ در خوں زدن بلب تشنگی جوشِ جیحوں زدن	مگر میں شراب کے جام لہو سے بھرتا ہوں، اور تشنگی کا جوش جیحون کی برابر ہے۔
ترا زانکہ ایں طرز و ہنجار نیست مرا با تو دعویٰ بہ گفتار نیست	تیرا نہ تو یہ طرز ہے، نہ طریقہ، پھر تجھ سے "گفتار" کا دعوا کروں تو کیسے کروں!

ببیں تا چہ نازاں بخویش از منست
کسی کاں پس از تست و پیش از منست

ذرا دیکھو تو، وہ شخص جو تیرے بعد ہے اور مجھ سے پہلے گزرا ہے، میرے مقابل میں کتنا ناز کر رہا ہے (فردوسی جو آزاد تھا کہ داستان کی آرائش مے اور نغمہ سے کرے۔)

بنامش گر از صاف می قرعہ ایست
مرا نیز فرمان تہِ جرعہ ایست

صاف ستھری شراب کا اگر قرعہ اس کے نام نکلا (اس کے لیے مقدر ہوئی)، تو پھر مجھے بھی حکم ہو کہ تلچھٹ ہی منہ سے لگا لوں۔

یکے صاف آب طربناک خورد
یکے خود بہ تہ جرعگی پاک خورد

کسی کو صاف شراب ملی تو
کسی نے پوری تلچھٹ پی لی۔

ز سرجوش نوشاں چگوئی خموش
بتہ جرعہ خواراں رہا کن خروش

اُبال پینے والوں کے بارے میں کیا کہتا ہے، چُپ ہو جا۔
جو لوگ تلچھٹ پیتے ہیں اُن کے ذکر میں آواز بلند کر۔

بنوشیدن ار صاف می خوشتر ست
ولی دُرد را مستئ دیگر ست

اگرچہ پینے میں صاف شراب ہی اچھی رہتی ہے،
لیکن تلچھٹ کی مستی کچھ اور ہی ہے۔

دگر غالب ای عہد ورائے تو سست
بہ پیمانِ دانش وفائے تو سست

پھر وہی بات غالب؟ تمہارا عہد اور ارادہ کچا ہی نکلا!
عقل سے جو پیمان باندھا تھا اسے آخر نباہ نہ سکے۔

حدیث می و شیشہ و جام چیست
چگوئی و ایں شیوہ را نام چیست

شراب، بوتل اور جام کا ذکر کیا لے بیٹھے،
یہ کیا کہہ رہے ہو، یہ کیا طریقہ ہے؟

نہ گفتی کہ بیزار گشتم ز مے
بریدم ز بزم و گزشتم ز مے

کیا تم نے کہا نہیں تھا کہ میں شراب سے بیزار ہو چکا ہوں،
محفل سے قطع تعلق کر لیا اور پینا پلانا ترک کر دیا؟

ز دیوانگی تا کی اے شور بخت
نہی در گزرگاہ سیلاب رخت

اے بدنصیب غالب، تم کب تک دیوانے پن سے
سیلاب کی راہ میں اپنا سامان رکھتے رہوگے؟

بہ رفتار ناخوش مشو تیز گرد
دریں رہ بہ شوخی میانگیز گرد

ناگوار رفتار سے تیز تیز نہ چلو،
اس راہ میں گستاخی کے ساتھ گرد و غبار نہ اڑاؤ۔

بہ مستی دریں راہ دستاں مزن
میاشوب و ہوئی چو مستاں مزن

اس راہ میں مستی کے ساتھ سخن سرائی مت کرو۔
حواس کھو کر بدمستوں کی طرح شور نہ مچاؤ۔

ادب در زمین جوئی و آئیں گزیں
بہ فن سخن شیوۂ دیں گزیں

اس سرزمین میں ادب اختیار کرو سلیقے سے کام لو
اور شاعری کے فن میں دینی طریقہ اختیار کرو

براہے کنی پویہ کز پائے تو
درخشد چو خورشید سیمائے تو

تم اس راہ میں دوڑ رہے ہو کہ تمہارے پاؤں سے
تمہاری پیشانی سورج کی طرح چمک رہی ہے۔

بہ کارے زدی دست کز ساز تو
دم جبرئیلست ہمراز تو

تم نے اس کام میں ہاتھ ڈالا ہے کہ
جبریل کا دم تمہارے نغمہ کا ہمراز ہوگیا ہے۔

چو کشتی نشینانِ دریا نورد
بسیر از رہت بر مخیزاد گرد

دریا کی سیر کرنے کے لیے جو لوگ کشتی سے نکلتے ہیں
اُن کی طرح سیر کرو راستے میں گرد نہ اڑاؤ۔

ترا بخت در کار یاری دہاد
بہ پیوند دیں استواری دہاد

تقدیر اس کام میں تمہاری یاوری کرے،
اور دین ایمان سے تمہارا تعلق سلامت رہے۔